عقیدۂ علمِ غیب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

عقیدۂ علمِ غیب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلی کیشنز
365-ایم، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔
فون: 8514 3516 ,[EXT. 153] 140-140-111 (42-92+)
فیکس: 3354 3516 (42-92+)
یوسف مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اُردو بازار لاہور۔ فون: 7695 3723 (42-92+)
www.minhaj.org www.minhaj.biz
mqi.salespk@gmail.com

نام کتاب	:	عقیدۂ علمِ غیب
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تخریج	:	محمد علی قادری
نظرِ ثانی	:	مفتی عبد القیوم خان ہزاروی، ضیاء نیر
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعت نمبر ۱	:	مارچ 2001ء	(1,100)
اِشاعت نمبر 2	:	نومبر 2001ء	(1,100)
اِشاعت نمبر 3 تا 9	:	نومبر 2002ء تا فروری 2009	(7,700)
اِشاعت نمبر 10	:	فروری 2011ء	(1,100)
اِشاعت نمبر 11	:	جنوری 2012ء	(1,200)
اِشاعت نمبر 12	:	جون 2013ء	(1,200)
اِشاعت نمبر 13	:	نومبر 2014ء	(1,200)
قیمت	:	-/350 روپے	

بسم الله الرحمن الرحيم

مولای صل وسلم دائما أبدا
على حبيبك خير الخلق كلهم

فان من جودك الدنيا وضرتها
ومن علومك علم اللوح والقلم

صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱-۸۰/۱ پی آئی
ڈی، مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل
وایم ۴/۰-۷۹-۳-۷، مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء شمال مغربی سرحدی صوبہ حکومت کی چٹھی
نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱/۱ے ڈی (لائبریری)، مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء اور آزاد
حکومت ریاست جموں وکشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت/انتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/۹۲،
مورخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان
صوبوں کے تمام کالجز اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

عرضِ مرتّب

عقائد کے باب میں توحید کے بعد رسالت کو اساسی اہمیت حاصل ہے، اگر یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ قصرِ ایمان اسی اساس پر قائم ہے۔ عقیدۂ رسالت کے بغیر عقیدۂ توحید جو کہ ایمان کی روح ہے اور عقائد میں سرفہرست ہے بھی متحقق نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو نبوت و رسالت کے منصب جلیلہ کیلئے منتخب فرمایا انہیں بے شمار خصائص و کمالات سے نوازا۔ تاریخ انبیاء شاہد عادل ہے کہ یہ خصائص اور کمالات انبیاء و رسل کی نبوت و رسالت کی دلیل ثابت ہوئے اور ان کی عظمت و رفعت کا مظہر بنتے رہے۔ انہی خصائص نبوت میں سے ایک خصوصیت ''علم غیب'' ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی اور انبیاء علیہم السلام کی صفت عطائی ہے۔ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے حسب مراتب علم غیب عطا فرمایا گیا، خاتم الانبیاء حضور رحمتِ عالم ﷺ کو یہ شان بدرجۂ کمال عطا ہوئی۔ آپ ﷺ کو ما کان و ما یکون کے جمیع علوم سے نوازا گیا۔ علم غیب کا یہ عقیدہ قرآن و سنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے۔ شومئی قسمت امت مسلمہ کے بعض افراد دیگر عقائد کی طرح اس عقیدے میں بھی افراط و تفریط کا شکار ہو کر مرکز ایمان سے کوسوں دور چلے گئے۔

امت مسلمہ کا یہ المیہ ہے کہ عقیدۂ رسالت کے باب میں پائے جانے والے فروعی اختلافات نے اسکی کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ بدقسمتی سے دورِ حاضر میں حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کو مناظروں اور مباحثوں کا موضوع بنایا جاتا ہے کبھی نور و بشر کے جھگڑے، کبھی حیات النبی ﷺ پر مناقشات، کہیں میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر بحثیں،

کہیں علمِ غیب کے اثبات اور عدمِ اثبات پر مناظرے۔ آج یہی چیزیں عموماً مسجد و منبر کے موضوعات بن کر رہ گئی ہیں۔ انہی کے جواز اور عدمِ جواز پر مختلف مکاتب فکر کے علماء (الا ماشاء اللہ) اپنی تمام تر علمی ثقاہت اور جوہر خطابت دکھاتے نظر آتے ہیں حالانکہ یہ طرزِ عمل سراسر ادب و تعظیمِ رسالت کے تقاضوں کے منافی ہے۔ عقیدۂ رسالت اس امر کا متقاضی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے ایسا جبی تعلق استوار کیا جائے جو آپ ﷺ کی تکریم اور تعظیم و توقیر پر مبنی ہو۔ آج امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا بنیادی سبب درِ مصطفیٰ ﷺ سے دوری اور آپ ﷺ کی محبت و تعظیم، ادب و احترام اور اطاعت و اتباع کے جوہر سے محرومی ہے۔ ہمارے مذہبی پیشواؤں کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں حضور ﷺ کی محبت و اطاعت کا جذبہ پیدا کریں اور ادب و تعظیم رسالت ﷺ کے تقاضوں کو بجالاتے ہوئے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو موضوع بحث نہ بنائیں۔ وہ اعتقادیات میں خود بھی افراط وتفریط کا شکار نہ ہوں اور عامۃ المسلمین کو بھی ان انتہاؤں سے دور رکھتے ہوئے قرآن وسنت پر مبنی صحیح عقائد سے آشنا کریں اور سینوں کو عشق مصطفیٰ ﷺ کے انوار و تجلیات کا مرکز بنائیں کہ محبت رسول ہی قصر ایمان کے دریچوں کو روشن رکھنے کی ضامن ہے۔

ہماری عاقبت نااندیشیوں اور بے تدبیریوں سے اسلام دشمن طاقتوں کو ہماری ملی وحدت پر ضرب کاری لگانے کا موقع ملتا ہے اور وہ عالمِ اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف عناصر کی پشت پناہی کرتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس امت مرحومہ کو کوئی ایسا قائد ملے جو اس کی ڈانواں ڈول کشتی کو بھنور سے نکال کر ساحل مراد تک لے جائے۔ اس صورتحال میں مفکرِ اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے نباض قوم کی حیثیت سے امتِ مسلمہ کی بالعموم اور نوجوان نسل کی بالخصوص علمی وفکری، روحانی و سیاسی اور سماجی و ثقافتی اصلاح کے ساتھ ساتھ مذہبی و اعتقادی اصلاح کا بھی بیڑا اٹھایا ہے۔ عصری و بین الاقوامی موضوعات کے علاوہ اعتقادیات کے باب میں عقیدۂ توحید، عقیدۂ

رسالت اور دیگر اہم موضوعات پر آپ کی معرکۃ الآراء تصانیف اور خطبات و لیکچرز سے عوام و خواص استفادہ کر رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب ''عقیدۂ علم غیب'' محترم ڈاکٹر صاحب کے خصائصِ نبوت کے موضوع پر دیئے گئے بعض مرتبہ خطبات پر مبنی ہے جن کی تحقیق و تدوین کی سعادت راقم الحروف کو حاصل ہو رہی ہے۔ عقیدۂ علم غیب کے موضوع پر اِن شاء اللہ یہ ایک مستند اور مدلّل کتاب ثابت ہو گی جس کے مطالعہ سے علمِ غیب کے بارے میں پیدا ہونے والے بہت سے اشکالات اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا اور الجھے ہوئے ذہنوں اور مضطرب دلوں کو طمانیت اور سکون حاصل ہو گا اور غبار تشکیک میں حسن ادب کے چراغوں سے اجالے دور تک پھیلتے چلے جائیں گے۔

کتاب کی ترتیب و تدوین کے دوران موضوع کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ صحیح اور خالص عقیدہ ہی بیان کیا جائے اور اس کا دامن افراط و تفریط کی گرد سے آلودہ نہ ہونے پائے۔ اس حزم و احتیاط کے باوجود لغزش کے امکان کے ساتھ ساتھ اصلاح کی گنجائش بھی موجود ہے۔ اہلِ علم و قلم کا یہ علمی و اخلاقی فریضہ ہے کہ اگر انہیں کتاب میں کسی اعتبار سے بھی کوئی قابلِ اصلاح پہلو نظر آئے تو اس کی نشاندہی فرمائیں۔

خدائے علیم و خبیر سے دعا ہے کہ وہ ہمیں علومِ مصطفیٰ ﷺ کا فیض عطا فرمائے، خلعتِ عشق پیمبر ﷺ سے نوازے اور حشر کے دن ہمارے برہنہ سروں کو حضور ﷺ کی ردائے شفاعت سے ڈھانپ لے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

محمد علی قادری، ریسرچ سکالر
ڈاکٹر فریدالدین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

ابتدائیہ

ہر حمد و توصیف کا سزاوار وہ خدائے بزرگ و برتر ہے جو وحدہ لاشریک ہے، جوامرِ کن سے ہر شئے کا پیدا فرمانے والا اور پھر اسے اپنی شانِ ربوبیت کے ذریعے کمال عطا فرمانے والا ہے۔ وہی ہر شئے کا مالکِ حقیقی اور قادرِ مطلق ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے ایمان کا نور عطا فرمایا، جس سے کوئی بھی پوشیدہ اور ظاہر چیز مخفی نہیں اور وہ اپنے بندوں کی نیتوں میں چھپے ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ ذات جو علاّم الغیوب اور ستار العیوب ہے اسی کا جلوہ سحر سحر ہے اور اسی کا چرچا نگر نگر ہے۔ بے حد درود و سلام ہو اس کے افضل ترین پیغمبر سید الانبیاء والرسُل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ گروہ انبیاء میں انہی کی مبارک اور ستودہ صفات ذات اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ محبوب اور مرتضیٰ ہے جس کی خاطر بزم ہستی کو سنوارا گیا۔ آپ ﷺ ہی کے سرِ اقدس پر تاج ختم نبوت سجایا گیا۔ آپ ﷺ ہی کو قاب قوسین کی قربتوں سے نوازا گیا اور احسن التقویم کا خلاصہ آپ ہی ہیں اور آپ ﷺ کی آل پر اور اصحاب پر اور اللہ کے تمام بندوں پر اللہ کی بے پناہ رحمتیں نچھاور ہوں۔

ہدیۂ حمد وثناء اور صلوٰۃ وسلام کے بعد:

عقیدۂ علم غیب کے باب میں شرح وبسط سے گفتگو کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اختصار کے ساتھ صحیح عقیدہ قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کر دیا جائے۔ جب ہم بالاستیعاب قرآن مجید کا مطالعہ کرنے بیٹھتے ہیں تو متعدد مقامات پر ہماری نظر سے ایسی

آیات گزرتی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا پتہ چلتا ہے جیسے ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ [1] وہ ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے۔

یہاں پر ایک چیز ذہن میں کھٹکتی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ سے بھی من جملہ اشیائے غیب میں سے کوئی شئے غیب ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے علم غیب کے حوالے سے ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی چیز پوشیدہ اور مخفی ہو سکتی ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر وہ بات بھی آشکارا ہے جو مخلوق سے مخفی اور پوشیدہ ہے اس سے کوئی شئے پوشیدہ اور مخفی نہیں۔ جب وہ ہر شئے کا خالق ہے اور ہر شئے اس کی مخلوق ہے تو مخلوق خالق سے کیونکر پوشیدہ اور مخفی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی شان بیان فرماتا ہے:

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ [2] اور آپ کے رب (کے علم) سے ایک ذرہ برابر بھی (کوئی چیز) نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں۔

چنانچہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے غیب جاننے کی بات کرتے ہیں تو وہ مخلوق کی نسبت سے ہوتی ہے۔

علم غیب کی دو جہتیں

قرآن میں وارد دو طرح کی آیات میں ایک وہ ہیں جن میں بالصراحت یہ کہا گیا ہے کہ علمِ غیب صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خاصہ ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ آیاتِ مقدسہ مطلق علمِ غیب کے حوالے سے ہیں۔ دوسری نوع کی آیات وہ ہیں جن میں

---

[1] الرعد، ۱۳: ۹

[2] یونس، ۱۰: ۶۱

انبیاء علیہم السلام کے علمِ غیب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اوّل الذکر میں سے ایک آیت کریمہ بطور نمونہ درج ذیل ہے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ[۱]

آپ فرما دیجئے اللہ کے سوا جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ غیب کی بات نہیں جانتا۔

علمِ غیب پر دوسری قسم کی آیات میں سے ایک بطور مثال ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ[۲]

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے۔

علمِ غیب ذاتی وعلمِ غیب عطائی میں فرق

محولہ بالا آیات کے مفہوم پر نظر ڈالنے سے دیکھنے والے کو اس میں بظاہر ایک تناقض وتعارض نظر آتا ہے جو کلامِ الٰہی کے منافی ہے۔ ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ نفی و اثبات کے بادی النظر متعارض ومتناقض بیان میں کونسے علمِ غیب کا اثبات کیا گیا ہے اور کس کی نفی کا اظہار مقصود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیات نفیِ علم غیب و اثباتِ علم غیب میں کوئی تناقض وتعارض نہیں دونوں کے مورد جدا جدا ہیں کیونکہ بیک وقت ایک ہی چیز پر نفی اور اثبات وارد نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ غیرِ خدا سے علمِ غیب کی نفی والی آیات کا مورد علمِ غیب ذاتی ہے اور غیرِ خدا سے علمِ غیب پر اثبات والی آیات کا مورد

---

[۱] النمل، ۲۷: ۶۵ [۲] آل عمران، ۳: ۱۷۹

علمِ غیب عطائی ہے۔ دونوں کا فرق لازمی طور پر جان لینا چاہئے اور یہ دونوں نوع کی آیات، آیاتِ نفی اور آیاتِ اثبات کا ماننا تقاضائے ایمان ہے۔ ایمانیات کے باب میں یہ دونوں باتیں لازم وملزوم ہیں۔ اس ضمن میں بعض آیات کو ماننا اور بعض سے صرف نظر کرنا ہمیشہ یہودی عالموں اور عیسائی پادریوں اور راہبوں کا شیوہ رہا ہے جسے محض بددیانتی اور خبثِ باطن پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ آیاتِ الٰہیہ کے باب میں کوئی صحیح العقیدہ شخص ایسے دوغلے پن کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔

یہ بات ذہن میں مستحضر رہے کہ غیر خدا سے علمِ غیب کی مطلقاً اس طرح نفی کرنا کہ کسی صورت میں بھی اثبات کو تسلیم نہ کیا جائے آیاتِ الٰہیہ کا انکار ہے۔ اسی طرح غیر خدا کے لئے علمِ غیب مطلقاً اس طرح ثابت کرنا کہ کسی صورت میں بھی نفی کو تسلیم نہ کیا جائے آیاتِ خداوندی سے انکار کے زمرے میں آئے گا لہٰذا دونوں قسم کی آیات کا ماننا اسی صورت میں ہوگا کہ جب ہم متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے علمِ غیب کی ذاتی اور عطائی تقسیم کو بلاکم وکاست تسلیم کرلیں۔

یہ بات متحقق ہے کہ علمِ غیب ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور وہی علمِ غیب کا مالکِ حقیقی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے برگزیدہ انبیاء ورسل کو منصب نبوت ورسالت کی بجا آوری کے لئے غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ ان کو علمِ غیب کی خبر اللہ تعالیٰ کی عطائے خاص اور اطلاع سے ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام پر یہ علم بذریعہ وحی والہام منکشف ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی ہیں کہ جو اس نے اپنے بندوں کو بھی عطا فرما رکھی ہیں جیسے سماعت وبصارت، رافت ورحمت اور علم وحکمت وغیرہ مگر بندے کی کوئی صفت اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے نہ تو مساوی ہے اور نہ اس سے کوئی مماثلت رکھتی ہے اس لئے کہ ذات باری تعالیٰ کی تمام صفات ذاتی، قدیم، ازلی، ابدی اور سرمدی ہیں جبکہ بندے کی تمام

صفات مخلوق، عطائی، حادث اور محدود ہیں۔ انبیاء علیھم السلام کے علمِ غیب کی صفت بھی ایسی صفت ہے کہ جس کی فی نفسہٖ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علمِ غیب سے کوئی برابری، ہمسری اور مماثلت قرینِ قیاس نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علمِ غیب، ذاتی، واجب، ازلی، قدیم، محیط، واجب البقاء، غیر متناہی اور غیر مخلوق ہے۔ یہ نہ تو کسی کے زیرِ اثر اور قدرت کے تابع ہے اور نہ اس میں کسی تغیرّ و تبدّل کا امکان ہے جبکہ انبیاء علیھم السلام کا علمِ غیب، عطائی، مُحاط، متناہی، مخلوق، حادث اور ممکنُ الفناء ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی زیرِ قدرت ہے اور اس میں اس کے حکم اور منشاء سے تغیرّ و تبدّل کا امکان بھی پایا جاتا ہے۔ علمِ باری تعالیٰ اور علمِ انبیاء دونوں کو برابر اور مساوی قرار دینا سراسر ناانصافی، ظلم اور بد دیانتی ہوگا۔

علمِ غیب خاصۂ نبوت ہے

علمِ غیب خاصۂ نبوت ہے کہ اس کے بغیر نبوت کا تصور ہی مکمل نہیں کیونکہ نبی کا معنیٰ ہی غیب کی خبریں دینے والا ہے۔ اگر انسانی ذرائع علم کے حوالے سے دیکھا جائے تو بھی علمِ غیب خاصۂ نبوت قرار پاتا ہے کیونکہ انسانی ذرائع علم حواسِ خمسہ، عقل و وجدان اور فطرت ناقص و محدود ہونے کے باعث حقائقِ غیبیہ کی خبر دینے سے قاصر ہیں۔ ان حقائقِ غیبیہ کی خبر صرف صاحبِ نبوت ہی دے سکتا ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی والہام غیب پر مطلع کر دیا جاتا ہے۔

صحیح عقیدہ یہی ہے کہ علمِ غیب نبی کا معجزہ اور اس کی نبوت کی بیّن دلیل ہے۔ پھر جب یہ بات نصِ قطعی سے ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ بلا استثناء تمام انبیاء کرام علیھم السلام کو ان کے مراتب و مدارج کے لحاظ سے غیب پر مطلع فرماتا ہے تو یہ بات بدرجہ اتم ثابت ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ جو تمام انبیاء و رسل کے سردار اور امام ہیں ان میں تمام انبیاء کرام کی جملہ صفات و خصوصیات اور کمالات اس طرح مجتمع کر دیئے گئے کہ آپ ﷺ

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کے مصداق ٹھہرے۔ نیز یہ کہ خاص عطائے ایزدی سے آپ ﷺ کی ہر صفت، ہر خصوصیت اور ہر کمال منفرد اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ علمِ غیب کے حوالے سے بھی آپ ﷺ کو جو فضیلت اور مرتبہ وکمال حاصل ہوا وہ کسی اور نبی یا رسول کو ارزانی نہیں کیا گیا۔ سورہ رحمٰن میں کتنے اچھوتے انداز سے باری تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو قرآن سکھانے کا ذکر فرمایا۔

اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o[1]

رحمٰن (وہی ہے جس) نے قرآن کی تعلیم (سرکارِ دوعالم ﷺ کو) دی۔

مزید فرمایا:

وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ[2]

اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے۔

قرآن حکیم میں ہر غائب اور حاضر شئے کا بیان ہے۔ گویا باری تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو براہ راست ہر شئے کا علم عطا فرما دیا۔ آپ ﷺ کو ہر علم بالتدریج نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ عطا ہوا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا o[3]

اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیئے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اور اپنے حبیب ﷺ کو علم غیب عطا فرما کر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ مزید ارشاد فرمایا:

---

[1] الرحمن، ۵۵: ۱-۲

[2] النحل، ۱۶: ۸۹

[3] النساء، ۴: ۱۱۳

تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۔[1]

یہ (بیان ان) غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

اور فرمایا

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝[2]

اور وہ (نبی اکرم ﷺ) غیب (کے بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہیں۔

حضور ﷺ کے علمِ ماکان و مایکون کا بیان

آقائے دو جہاں ﷺ کی وسعتِ علم اور اطلاع علی الغیب کی فراخی وکشادگی کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر نے آپ ﷺ کو ماکان و ما یکون کا علم عطا فرما دیا یعنی ان تمام باتوں سے آپ ﷺ کو باخبر کر دیا گیا جو ماضی میں بیت چکیں اور آئندہ پیش آنے والی ہیں۔ یہ علم مندرجاتِ لوح محفوظ اور جمیع جزئیات خمسہ کو بھی محیط ہے۔ زمان و مکان کی قیود و حدود سے ماوراء، باری تعالیٰ کا آپ ﷺ کو گذشتہ و آئندہ پر مطلع فرمانا بلاشبہ عظمتِ مصطفوی ﷺ کی دلیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قام فينا النبی ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل اهل الجنة منازلهم و اهل النار منازلهم[3]

حضور ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے، پس ہمیں ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں اپنے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہونے تک کی خبر دے دی۔

---

[1] هود، ۱۱: ۴۹

[2] التکویر، ۸۱: ۲۴

[3] صحیح البخاری، ۱: ۴۵۳، کتاب بدء الخلق

اتنی وسعتِ علمی کے باوجود حضور ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں وہی نسبت ہے جو ایک قطرے کو ایک بحرِ بے کنار سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور حضور ﷺ کا علم محاط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت حضور ﷺ کا علم جزئی اور تمام بنی نوع انسان کے علم کی نسبت آپ ﷺ کا علم کلی ہے۔ بایں ہمہ آپ ﷺ کا علم عطائی ہونے کی وجہ سے حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی و قدیم و غیر متناہی ہے۔ آپ ﷺ کو یہ علم بالتدریج عطا ہوا اور اس کی تکمیل نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ ہوئی۔

حضرت امام بوصیریؒ حضور ﷺ کی وسعتِ علمی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں

فان من جودک الدنیا و ضرتها
و من علومک علم اللوح و القلم

ترجمہ: بے شک دنیا و عقبیٰ آپ کے جود و سخاوت کے مرہون منت ہیں اور آپ کے علوم باطنی، لوح و قلم پر محیط ہیں۔

عقیدۂ صحیحہ کی رو سے سرورِ دو جہاں ﷺ اپنے وصال کے بعد بھی اپنی امت کے احوال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور ان حالات سے پوری طرح واقف ہیں جن سے ملت اسلامیہ گزر رہی ہے۔ بلاشبہ فیضانِ مصطفیٰ ﷺ آج بھی جاری و ساری ہے اور آپ ﷺ کے تقرب اور باریابی سے اولیاء کرام اور صلحائے امت پر بھی مغیبات منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ ان کشف و کرامات کو حضور ﷺ کے فیضِ نبوت پر محمول کیا جاتا ہے' سو کسی امتی کا کسی غیب پر مطلع ہو جانا آقائے دو جہاں ﷺ کے فیضان ہی کا نتیجہ ہے۔ اس پر حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ قول شاہدِ عادل ہے، آپ فرماتے ہیں:

نظرت الی بلاد اللہ جمعا
کخردلة علی حکم اتصالی

ترجمہ: میں اللہ کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح ہتھیلی پر رائی کا دانہ۔

علم غیب کا صحیح عقیدہ بالاختصار اوپر بیان کیا گیا ہے اسے دلائل کے ساتھ بالتفصیل آئندہ صفحات میں زیر بحث لایا جائے گا۔

حصہ اول

علم غیب کا حقیقی تصور

ایمانیات کے باب میں عقیدہ علم غیب کو ایک بنیادی اہمیت حاصل ہے بلکہ اگر اسے اساسِ ایمان قرار دیا جائے تو چنداں مبالغہ نہ ہوگا۔ مگر مقامِ افسوس ہے کہ اتنے اہم مسئلے پر بعض حضرات نے شعوری یا غیر شعوری طور پر ٹھوکریں کھائی ہیں وہ ان مغالطے کا شکار ہوئے کہ علمِ غیب خاصۂ الوہیت ہے اور اللہ کے سوا کسی غیر کے لئے اس کا اثبات کفر و شرک کے مترادف ہوگا وہ نادانی میں اس امر سے انکاری ہیں کہ خصوصیاتِ نبوت میں ایک بنیادی خصوصیت بطورِ وہبی عطا کے علم غیب بھی ہے جسے نصوصِ قرآن وسنت کی روشنی میں بجا طور پر لازمہ و خاصۂ نبوت کہا جا سکتا ہے اور جس طرح مسلمہ طور پر نبوت کسبی نہیں وہبی صفت ہے' بعینہٖ علم غیب کے بغیر نبوت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے بصراحت ایمان اور کفر و شرک کے مابین ایک حد فاصل (Line of Demarcation) کھینچ دی ہے۔ اس کی رو سے کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ ایمان و شرک کا خود ساختہ معیار وضع کر کے تکفیر سازی کے ذریعے کسی دوسرے کو اپنی صوابدید پر کافر و مشرک قرار دینے لگے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا سے اطلاع علی الغیب کا عقیدہ قرآن وسنت سے ثابت ہے جس سے انکار قرآن وحدیث سے انکار کے مترادف ہوگا۔ علمِ غیب عطائی بلاشک وریب لازمۂ نبوت اور وہ وحی الٰہی پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ان انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے موجود ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے علم غیب سے نوازا' زیرِ نظر کتاب کے حصہ اول میں بالاستیعاب ان مباحث کا ذکر شرح و بسط سے کیا گیا ہے۔ باب اول علم غیب کے معنی و مفہوم پر مشتمل ہے' باب دوم اور سوم میں اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی حقیقت و ماہیت کا بیان ہے' باب چہارم میں علم غیب ذاتی اور عطائی میں فرق واضح کیا گیا ہے جبکہ پانچویں' چھٹے اور ساتویں باب میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علم غیب کے متعلق سیر حاصل تفصیلات درج کی گئی ہیں جن کا مطالعہ ان شاء اللہ العزیز علم غیب کے حوالے سے تمام اشکالات کے ازالہ کا باعث ہوگا۔

بابِ اول

علمِ غیب کی تعریف و اقسام

علمِ غیب جیسے اہم اور دقیق موضوع کی تفہیم (Comprehension) کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ''علمِ غیب'' کی اصطلاح کو لغوی طور پر سمجھا جائے۔ ''علمِ غیب'' ترکیبِ اضافی ہے۔ ''علم'' مضاف اور ''غیب'' مضاف الیہ ہے۔ غیب کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کرنے سے قبل لفظِ علم کی تشریح جان لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ لفظِ علم کے حوالے سے چند بنیادی معلومات (Fundamentals) درج ذیل ہیں۔

''علم'' کی لغوی تعریف

''علم'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ فنی طور پر یہ باب عَلِمَ یَعْلَمُ سے مصدر ہے اور ''ع، ل، م'' اس کا مادۂ اشتقاق (Origin) ہے۔ اس سے تَفْعِیل کے وزن پر تعلیم اور تَفَعُّل کے وزن پر تعلُّم آیا ہے اسی مادے سے علیم اور علاّم بطورِ مبالغہ اور اسم فاعل عالِم کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ ''معلوم'' اسم مفعول جس کی جمع ''معلومات'' ہے بھی اسی سے مشتق ہے۔ المنجد میں لفظِ علم کا معنی اِدرَاکُ الشَّیءِ بِحَقِیْقَتِہٖ (کسی شے کی حقیقت کو جان لینا) اور اَلْیَقِیْنُ وَ الْمَعْرِفَۃُ (یقین اور معرفت) مذکور ہے۔ اردو میں لفظ علم کا ترجمہ ''جاننا، واقفیت، آگاہی حاصل کرنا'' کیا گیا ہے۔ علم کی ضد ''جہل'' ہے۔

''علم'' کی اصطلاحی تعریف

اہلِ علم وفن کے درمیان علم کی تعریف (Definition) کے بارے میں خاصا

تجربی، فکری ونظری اختلاف (Empirical & Theoretical difference) پایا جاتا ہے۔ چونکہ اس کا احاطہ مشکل ہے اور نفسِ مضمون میں طوالت کا باعث بھی، لہذا زیادہ تفصیل میں جائے بغیر ہم یہاں صاحبانِ علم کی جستہ جستہ رائے اور مشاہدے کے بالاختصار بیان پر ہی اکتفا کریں گے۔ بعض نے علم کو ایک ایسی صفت قرار دیا جس کے ذریعے حقائقِ اشیاء کی معرفت وحقیقت کا ادراک ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ عالم اور معلوم کے مابین صفتِ اضافیہ کا نام علم ہے۔ بعض نے تصور کو بعض نے تصدیق کو علم کہا اور بعض کی رائے میں علم یقین ہے۔ کسی کے نزدیک علم ثبوت ہے اور کسی نے کہا کہ علم صورۃ الشئ فی الذھن (ذہن میں کسی شے کی صورت) ہے۔ کسی نے کلی ادراک کو علم کہا خواہ وہ حکماً ہو یا مفہوماً۔

علم کی کثرتِ تعریفات نقطہ ہائے نظر کے اختلاف کی پیداوار ہے۔ مختصر یہ کہ ہر اہل علم وفن نے اپنے علمی وفنی ذوق، مہارت اور پس منظر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے علم کی تعریف وضع کی۔ تعریفاتِ علم کی کثرت کا ظہور اس بنا پر ہوا کہ ان صاحبانِ علم میں کوئی اصولی تھا تو کوئی منطقی وفلسفی، کوئی صوفی تھا تو کوئی علم الکلام کے کسی شعبے سے وابستہ۔ ان کثیر تعریفات کے باوصف کسی نے بھی علم کی قطعی اور جامع ومانع تعریف پیش نہیں کی۔

امام فخر الدین رازیؒ اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''تفسیر کبیر'' میں علماء کی وضع کردہ متعدد تعریفات کو دلائل سے باطل (void) قرار دیتے ہوئے آخر میں رقم طراز ہیں:

ولما ثبت ان التعریفات التی ذکرھا الناس باطلة فاعلم ان العجز عن التعریف قد یکون لخفاء المطلوب جدا و قد یکون فی بلوغه فی الجلاء الی	جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ تمام تعریفات جو علماء نے بیان کی ہیں باطل ہیں تو جان لیجئے کہ کسی شے کی تعریف سے عاجز آ جانا کبھی تو مطلوب کے بہت زیادہ مخفی ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس

حيث لا يوجد شئ اعرف منه ليجعل معرّفا له والعجز عن تعريف العلم لهذا الباب[۱]

قدر واضح ہونے کی وجہ سے کہ اس سے زیادہ واضح کوئی شے نہ پائی جائے جو اس کی تعریف کر سکے۔ تعریفِ علم سے عاجز آجانا بھی اسی قبیل سے ہے۔

امام موصوف کی حتمی رائے یہ ہے کہ علم کا لفظ بذاتِ خود اتنا واضح ہے کہ کوئی دوسرا لفظ اس کی تعریف نہیں کر سکتا۔ اپنے نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

والحق ان ماهية العلم متصورة تصور بديهيا جليا فلا حاجة فى معرفته الى معرف[۲]

حقیقتِ علم کا تصور از خود اتنا واضح اور روشن ہے کہ اس کی پہچان کیلئے کسی تعریف کی ضرورت ہی نہیں۔

John cook wilson (1849-1915) اور اس کے شاگرد H.A. Prichard (1871-1947) کے نزدیک بھی علم کی تعریف ممکن نہیں۔

The concept of knowledge is primitive and indefinable

(The Encyclopedia of Philosophy Vol.4: Page: 348)

''علم کا تصور قدیم اور نا قابل تعریف ہے۔''

صاحبانِ علم وفن نے علم کی قطعی اور جامع و مانع تعریف سے احتراز کیا ہے تاہم انہوں نے جو تعریفات پیش کی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱- امام راغب اصفہانیؒ کی تعریف

العلم ادراک الشئ بحقيقته[۳]

کسی شے کو اس کی حقیقت کے حوالے سے جان لینا علم ہے۔

---

۱ التفسیر الکبیر، ۲: ۲۰۳

۲ التفسیر الکبیر، ۲: ۲۰۳

۳ المفردات: ۳۴۳

۲-امام اشعریؒ کی تعریف

ادراک المعلوم علی ما هو به[۱]

کسی شئے کو اس حقیقت و ماہیت کے حوالے سے جس پر وہ قائم ہے جان لینا علم ہے۔

۳-امام غزالیؒ کی تعریف

معرفة المعلوم علی ماهو به[۲]

کسی شئے کو اس حقیقت و ماہیت کے حوالے سے جس پر وہ قائم ہو پہچان لینا علم ہے۔

۴-امام جرجانیؒ کی تعریف

هو الاعتقاد الجازم المطابق للواقع[۳]

علم وہ پختہ اعتقاد ہے جو واقعہ کے عین مطابق ہو۔

۵۔امام ابن حزمؒ کی تعریف

هو تيقن الشئ علی ما هو عليه[۴]

کسی شے کی اس حقیقت پر یقین کرنا علم ہے جس پر وہ قائم ہو۔

---

[۱] بحوالہ دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۳: ۴۴۵

[۲] المستصفیٰ، ۱: ۲۴

[۳] التعریفات: ۲۰۰

[۴] الاحکام فی اصول الاحکام، ۱: ۳۶

۶۔انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی کی تعریف

Knowledge is justified true belief

(The Encyclopaedia of Philosophy Vol 4. Page. 347)

علم وہ درست عقیدہ ہے جو امرِ واقعہ کے مطابق ہو۔

مذکورہ بالا تعریفات کے مطابق علم کسی شے کو اس کی حقیقت کے حوالے سے جان لینے کا نام ہے یعنی علم ایک ایسا ذہنی قضیہ اور تصور ہے جو عالم خارج (Physical world) میں موجود کسی نہ کسی حقیقت کو جان لینے سے عبارت ہے۔

محولہ بالا تمام تعریفات پر غور وخوض کے بعد علم کی درج ذیل تین صورتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ادراک (Perception)

۲۔تصور (Conception)

۳۔یقین (Conviction)

امام راغب اصفہانیؒ اور امام اشعریؒ کی دی گئی تعریفات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ کسی شے کی حقیقت کا ادراک علم ہے اور ادراک حواس کی مدد سے کسی شے کے بارے میں جاننے سے عبارت ہے۔ امامِ غزالیؒ اُس سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محض ادراک کو علم قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ کسی شے کی حقیقت کی معرفت (Cognition) کا نام علم ہے جسے تصور (Conception) کہا جائے گا۔ امام جرجانیؒ اس سے بھی ایک قدم آگے گئے ہیں۔ ان کے نزدیک نہ تو محض ادراک علم ہے اور نہ ہی معرفت کو علم کہا جا سکتا ہے بلکہ علم کسی شے کے بارے میں وہ پختہ و راسخ اعتقاد (Conviction) ہے جو کسی امرِ واقعہ کے مطابق ہو۔ یعنی جس شے کی موجودگی کے بارے میں انسان کو علم حاصل ہو رہا ہے وہ شے فی

الواقع موجود ہو۔ اسی طرح اگر کسی شئے کے معدوم (نہ ہونے) کے بارے میں علم حاصل ہوا ہے تو وہ شئے فی الواقع موجود نہ ہو۔ آخری دو تعریفات بھی اسی کی تائید کر رہی ہیں۔

علم کی اقسام

علم کی کثرتِ تعریفات کی طرح اس کی اقسام بھی کثیر ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ نے المفردات میں علم کی حسب ذیل چند تقسیمات بیان کی ہیں۔

تقسیم اول

کسی شئے کے ادراک کے حوالے سے علم کی دو اقسام ہیں۔

۱ – ادراک ذات الشئ — کسی شئے کی ذات کا ادراک کر لینا۔

اس صورت میں لفظ علم کا مفعول ایک ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ [1] — جن (کی چھپی دشمنی) کو تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو آگاہ فرما رہا ہے کہ تم منافقین کی اندرونی کیفیات کو نہیں جانتے اس کا علم فقط اللہ تعالیٰ کو ہے، وہی جانتا ہے کہ یہ لوگ در پردہ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، یہ ظاہری طور پر دھوکہ دینے کے لئے مسلمانی کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں لیکن اندر سے مسلمانوں کے خطرناک دشمن ہیں۔

۲ – الحکم علی شئ بوجود شئ هو موجود له او نفی شئ هو منفی عنه — ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا جو (فی الواقع) اس کے لئے ثابت ہو یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو (فی

---

[1] الانفال، ۸: ۶۰

الواقع) اس سے منفی ہو۔

ایسی صورت میں لفظ علم کے دو مفعول ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ [1]

پھر اگر تمہیں ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو تلقین فرمائی جا رہی ہے کہ کفار کی عورتیں اپنا وطن چھوڑ کر تمہارے پاس آئیں، تو تم ان کے بارے میں تحقیق کر لیا کرو اگر تمہیں ان کے صاحبِ ایمان ہونے کے بارے میں یقین آ جائے تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ بھیجو۔

آیت کریمہ میں مذکورہ عورتوں پر صفت ایمان سے متصف ہونے کا حکم لگایا جا رہا ہے کہ ایمان کی صفت ان کے اندر موجود ہونی چاہیئے۔ آیت میں لفظِ علم کے دو مفعول ہیں "هن" اور "مومنت"

تقسیم ثانی

دوسری تقسیم بھی دو قسموں پر مشتمل ہے۔

ا......علم نظری

ما اذا علم فقد کمل

نظری وہ علم ہے جو حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے۔

علم نظری نظر و تامّل سے حاصل ہوتا ہے جیسے موجوداتِ کائنات کا علم کہ زمین، آسمان، چاند ستاروں وغیرہ کا علم انسان نظر و فکر سے حاصل کرتا ہے

---

[1] الممتحنہ، ۶۰: ۱۰

۲......علمِ عملی

ما لا یتم الا بان یعمل وہ علم جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے

علم عملی عمل و تجربہ سے حاصل ہوتا ہے جیسے عبادات کا علم، اخلاقیات کا علم، اقتصادیات کا علم اور سیاسیات کا علم وغیرہ۔ ان سب کا تعلق عمل اور تجربہ سے ہے۔

تقسیم ثالث

تیسری تقسیم میں بھی دو ہی قسمیں ہیں۔

ا۔......علم عقلی

وہ علم جو صرف عقل کی بنیاد پر حاصل کیا جائے۔

جیسے علمِ منطق (Logic)، علمِ ریاضی (Mathematics) علمِ طبعیات (Physics) وغیرہ۔ اسی طرح جیسے ہم نے دھویں کو دیکھا تو ہماری عقل نے فیصلہ دیا کہ کہیں آگ جل رہی ہے۔

۲......علمِ سمعی

وہ علم جو محض عقل سے حاصل نہ ہو بلکہ بذریعہ نقل و سماعت حاصل کیا جائے سمعی علم کے ذیل میں آتا ہے۔

جیسے علمِ تفسیر، علمِ حدیث، علمِ فقہ و اصول فقہ، علمِ وراثت، علمِ کلام وغیرہ یہ علوم انسان نقل و سماعت کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔[1]

---

[1] المفردات فی غریب القرآن: ۳۴۳

امام جرجانیؒ کے نزدیک علم کی اقسام

امام جرجانیؒ نے علم کی بنیادی طور پر دو اقسام بیان کی ہیں۔

ا۔......علمِ قدیم

هو القائم بذاته و لا يشبه بالعلوم المحدثة للعباد

یہ وہ علم ہے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور بندوں کے علومِ حادثہ سے اس کی کوئی نسبت نہیں۔

قدیم وہ ہوتا ہے جس کی کوئی ابتداء نہ ہو اور وہ ذات صرف اللہ تعالیٰ ہے۔علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کی تمام صفات قائم بالذات ہیں چنانچہ علمِ الٰہی ہی علمِ قدیم ہے

۲۔......علمِ حادث

دوسری قسم علمِ حادث ہے۔اس کی تین اقسام ہیں۔

ا......علم بدیہی

مالا يحتاج الى تقديم مقدمة

بدیہی وہ علم ہے جس میں کسی مقدمہ کے پیش کرنے کی ضرورت نہ ہو

جیسے علم کے وجود کو ثابت کرنے کیلئے کسی مقدمے یا دلیل کی ضرورت نہیں کہ جس سے ثابت ہو کہ یہ علم ہے علم از خود ظاہر ہے۔

اس کی دوسری مثال کل اور جز کی ہے کہ یہ ثابت کرنے کیلئے کہ کل جز سے بڑا ہوتا ہے کسی دلیل کی ضرورت نہیں یہ ایک طے شدہ امر ہے۔

۲......علم ضروری

مالا یحتاج فیه الی تقدیم مقدمة	علمِ ضروری بھی وہ علم ہے کہ جس میں تقدیمِ مقدمہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔

جیسے حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل ہونے والا علم کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ خوشبو کو سونگھ کر ناک نے فوری فیصلہ دے دیا کہ یہ خوشبو ہے۔

۳۔......علم استدلالی

ما یحتاج الی تقدیم مقدمة [۱]	یہ وہ علم ہے جس میں تقدیم مقدمہ کی ضرورت پیش آتی ہے

جو علم نظر و فکر اور استدلال کے ذریعے حاصل ہو استدلالی یا اکتسابی کہلاتا ہے اس کے ثبوت کیلئے دلیل کی ضرورت پیش آتی ہے جیسے خالقِ کائنات کے ثبوت کا علم کہ وہ ذات باقی ہے اور کائنات کی فنا کا علم کہ رب ذوالجلال کے سوا ہر شئے فانی ہے۔ یہ ثابت کرنے کیلئے دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

علماء نے مذکورہ اقسام کے علاوہ بھی علم کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ بعض نے کہا کہ علم حصولی ہے اور علم حضوری ہے۔ علم حصولی مدرِک کے ہاں کسی شے کی صورت کا حصول ہے' اسے علمِ انطباعی بھی کہا گیا ہے جبکہ علمِ حضوری عالم کے پاس اشیاء کا فی نفسہ حاضر اور موجود ہونا ہے جیسے ہمیں اپنی ذات اور اس کے متعلقات کا علم۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات اور موجوداتِ کائنات کا علم بھی علمِ حضوری ہے کیونکہ اسے اپنی ذات اور کائنات کی ہر شئ کا کلی علم بالذات حاصل ہے اس میں انتقال ذہنی نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح

---

[۱] التعریفات: ۲۰۰

علم کی ایک تقسیم فعلی اور انفعالی کے طور پر بھی کی گئی ہے۔ علمِ فعلی وہ علم ہے جو لایؤخذ عن الغیر (غیر سے حاصل نہ کیا جائے) اور علم انفعالی وہ علم ہے جویؤخذ عن الغیر (غیر سے حاصل کیا جائے) اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا علم فعلی ہے اور مخلوق کا علم انفعالی ہے۔[1]

متذکرہ بالا تعریفات وتقسیمات سے لفظِ علم کی فصاحت و بلاغت اور معنوی وسعت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لفظ کی جامعیت اور ہمہ گیریت کا یہ عالم ہے کہ اس نے تمام دنیاوماسویٰ کے تمام علوم وفنون کو اپنے بسیط دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

علم اشیاء کی حقیقتوں کو جان لینے سے عبارت ہے۔ چونکہ باری تعالیٰ اشیاء کو ان کی حقیقتوں سمیت پیدا فرمانے والا ہے اس لئے اصلاً ہر شئے کی حقیقت کا علم صرف اسی کے پاس ہے اور انسان کا سارا علم ربِ جلیل کا عطا کردہ ہے۔ اس نے انسان کو حصولِ علم کے مختلف ذرائع عطا فرما رکھے ہیں۔ ان میں کچھ باتوں کا علم اسے فطری وجبلی طور پر حاصل ہوتا ہے جس میں اس کی کدوکاوش کا سرے سے کوئی دخل نہیں ہوتا جبکہ کچھ باتوں تک اس کی رسائی وجدان کے ذریعے ہوتی ہے اور کچھ باتیں حواسِ خمسہ اور عقل پر مبنی استدلال، استنباط اور نظروفکر سے حاصل ہوتی ہیں۔ مگر علم کا سفر یہاں ختم نہیں ہو جاتا کیونکہ وہ حقائق جو فطرت ووجدان، عقل وخرد اور نظروفکر سے ماوراء ہیں ان تک ابھی انسان کی رسائی نہیں ہوئی لہٰذا انسان کا علم اپنے کمال پر اس وقت پہنچتا ہے۔ جب وحی کے ذریعے ان حقائق کی خبر دے دی جاتی ہے اس سے ہم حتمی طور پر اس نتیجے پر پہنچے کہ علم بالوحی ہی اصل ہے جبکہ باقی تمام علوم اس کی فرع ہیں۔

لفظ علم کا قرآنی مفہوم

صاحبِ قاموس القرآن ''الدامغانی'' کے مطابق قرآن مجید میں لفظ علم تین

---

[1] المعجم الفلسفی للدکتور جمیل صلیبا ۲:۱۰۲

صورتوں میں آیا ہے۔

۱۔علم بمعنی رؤیت (دیکھنا)

اس پر درج ذیل قرآنی ارشادات بطور دلیل کے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

۱- وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ [۱]

اور البتہ ہم تم لوگوں کو آزمائیں گے تاکہ معلوم کریں کہ تم میں مجاہد کون ہیں؟

۲- اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ ○ [۲]

کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ تم (یونہی) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو پرکھا ہی نہیں اور نہ ہی صبر کرنے والوں کو جانچا ہے

۳- وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً [۳]

حالانکہ (ابھی) اللہ نے ایسے لوگوں کو متمیز نہیں فرمایا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور اللہ کے سوا اور اس کے رسول کے سوا اور اہل ایمان کے سوا (کسی کو) محرم راز نہیں بنایا۔

آیات مذکورہ میں لفظِ علم رؤیت کے معنی میں آیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے مجاہد اور صابر ہونے کا علم تو ہے مگر وہ تمہیں عملاً جہاد کرتے ہوئے اور صبر کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔

---

[۱] محمد، ۴۷: ۳۱

[۲] آل عمران، ۳: ۱۴۲

[۳] توبہ، ۹: ۱۶

۲۔علم بمعنی جاننا

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ O [۱] — اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔

اس آیت میں لفظِ علم بعینہ علم کے معنی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے اور ظاہر باتوں کو بھی۔

۳۔علم بمعنی اذن

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ [۲] — تو یقین رکھو کہ قرآن فقط اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے

یہاں بعلم اللہ سے مراد باذن اللہ ہے یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے اذن سے اتارا گیا ہے۔[۳]

مترادفاتِ علم

علم کے مترادفات کثیر ہیں ان میں سے صرف تیس مترادفات جن کا ذکر امام رازیؒ نے کیا ہے درج ذیل ہیں یہ مترادفات آیات قرآنیہ سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ادراک(Perception)	۲۔شعور(Conscious)
۳۔تصور(Conception)	۴۔حفظ (To learn by heart)
۵۔تذکر(Recollection)	۶۔ذکر(Remembrance)

---

۱ النمل، ۱۶: ۱۹

۲ ھود، ۱۱: ۱۴

۳ قاموس القرآن للدامغانی: ۳۳۰

۷۔معرفت(Congnizance)	۸۔فہم(Comprehension)
۹۔فقہ(Understanding)	۱۰۔عقل(Intellect)
۱۱۔درایت(Knowledge)	۱۲۔حکمت(Wisdom)
۱۳۔(i) علم الیقن	۱۳۔(ii) عین الیقین
۱۳۔(iii) حق الیقین	۱۴۔ذہن(Mind)
۱۵۔فکر(Thought)	۱۶۔حدس(Guess)
۱۷۔ذکاء(Acumen)	۱۸۔الفطنۃ(Sagacity)
۱۹۔الخاطر(Notion)	۲۰۔وھم(Concept, Imagination)
۲۱۔ظن(Supposition)	۲۲۔خیال(Idea)
۲۳۔البدیہۃ(Self-evident)	۲۴۔اولیات
۲۵۔الرویۃ(Vision)	۲۶۔الکیاسۃ(Intelligence, Intellect)
۲۷۔الخبرۃ(Intimation)	۲۸۔الرای(Opinion, View)
۲۹۔فراست (الہامی)(Intuition)	۳۰۔فراست (استدلالی)(Foresight)[۱]

علم .... بنائے شرفِ آدم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ وہ پہلو جو انسان کو دیگر تمام مخلوقات سے ممیز کرتا ہے اس کا صفت علم سے متصف ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علمی فضیلت کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائک ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

۱۔ التفسیر الکبیر، ۲: ۲۰۴

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا [۱]	اور اللہ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیئے۔

امام ابن کثیرؒ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔

هذا مقام ذكر الله تعالى فيه شرف آدم على الملائكة بما اختصه من علم اسماء كل شئ دونهم [۲]	اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اس فضیلت کو بیان فرمایا ہے کہ جو انہیں فرشتوں کے مقابلے میں علم الاسماء کی خصوصیت کے باعث حاصل ہوئی۔

اس فضیلتِ علمی کے باب میں امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

فی هذه الاية دليل على فضل العلم و اهله [۳]	اس آیت میں علم اور اہل علم کی فضیلت کی دلیل پائی جاتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو نہ صرف علم الاسماء سے نوازا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آپ کی علمی برتری کا عملی مشاہدہ بھی کرایا۔

ارشاد فرمایا:

قَالَ يَا اٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ [۴]	اللہ نے فرمایا اے آدم (اب تم) انہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کرو۔

حضرت آدم علیہ السلام نے استفسار پر تمام اشیاء کے نام بتا دیئے۔ یہ مشاہدہ فرشتوں کے لئے ایک ایسی تجربی توثیق (Experimental Verification) کا درجہ رکھتا تھا

---

[۱] البقرہ، ۲: ۳۱

[۲] تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۷۳

[۳] الجامع لاحکام القرآن، ۱: ۲۸۸

[۴] البقرہ، ۲: ۳۳

جس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت اور اس کی بناء پر ان کے استحقاقِ خلافت کی نسبت کسی شک وشبہ اور حیرت واستعجاب کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اس سے ملائکہ پر یہ حقیقت آشکار کرنا مقصود تھا کہ بنی آدم میں صرف خونریزی اور فساد انگیزی کا ہی مادہ موجود نہیں بلکہ اسے علم وشعور کی وہ استعداد عطا کی گئی ہے جس کے باعث وہ کائنات کی تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھ سکتا ہے۔ اچھائی اور برائی میں واضح امتیاز کر سکتا ہے اور اشیائے عالم کو اپنے تصرف میں لا کر ان کے خواص وافعال جاننے کی وجہ سے انہیں اپنے اختیار سے نیک یا بد مقاصد (Objectives) کے حصول کے لئے استعمال بھی کر سکتا ہے۔ اس کے اسی علم و آگہی اور شعور ومعرفت کی بنا پر اسے کرۂ ارضی کی خلافت عطا کی گئی۔ چونکہ وہ خیر وشر کی دونوں قوتوں اور ان کی خاصیتوں سے شناسا ہے اس لئے وہ ان سے نہایت کامیابی کے ساتھ نمٹنے کی اہلیت وصلاحیت بھی رکھتا ہے۔

علم .... ہدایت انسانی کا نقطۂ آغاز

علم کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ کلامِ الٰہی کا وہ سلسلہ جسے حضور ﷺ پر نازل کیا گیا اور باری تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب کے ذریعے جس کلام کو انسانی رابطے کا نقطۂ آغاز قرار دیا اور جہاں سے ہدایتِ ربانی عالمِ انسانی کی طرف اترنا شروع ہوئی۔ اس کا پہلا پیغام ہی پیغامِ علم تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ	(اے حبیب ﷺ!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیئے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا اس نے انسان کو (رحمِ مادر میں) جونک کی طرح معلق

يَعْلَمْ٥ [1]

وجود سے پیدا کیا۔ پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایا، جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس پہلی وحی اور پہلے پیغام سے انسانیت کی رشد و ہدایت کا آغاز ہوا اور یہ بات واضح کر دی گئی کہ اسلام اول تا آخر علم کا پیغام ہے۔

علم............انسان کی امتیازی خصوصیت

اسلام علم پر اس قدر زور دیتا ہے کہ کسی سطح پر جہالت کو گوارا نہیں کرتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان اور حیوان کے درمیان عقل و علم کا استعمال ہی بنیادی فرق کا حامل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ٥ [2]

آپ فرما دیجئے کہ سمجھ والے اور بے سمجھ کہیں برابر ہوتے ہیں؟

عالم اور جاہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ علم روشنی اور جہالت تاریکی ہے۔ علم ہدایت ہے اور جہالت گمراہی ہے۔ علم انسان میں احساس بندگی کو جا گزیں کر کے اس کے اندر سے احساسِ برتری اور غرور و تکبر کو چن چن کر نکال دیتا ہے۔

علم............خشیتِ الٰہی کا باعث

علم سے انسان کے اندر خوف و خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔

---

[1] العلق، ۹۶: ۱-۵

[2] الزمر، ۳۹: ۹

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا[1] — اللہ کے بندوں میں سے جو علم والے ہیں وہ اللہ ہی سے ڈرتے ہیں۔

اہلِ علم کیلئے بلندی درجات کا وعدہ

اللہ تعالیٰ کس طرح اہلِ علم کے درجات بلند فرماتا ہے اس کا اظہار اس ارشاد ربانی سے ہوتا ہے:

يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ[2] — اور اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے درجے بلند کرے گا۔

جب بارگاہ خداوندی سے انسان کو علم عطا ہوتا ہے تو وہ احساس ممنونیت کے پانیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ اس کی جبینِ نیاز اپنے مالک کے حضور جھک جاتی ہے اور وہ سجدۂ شکر بجالا کر اپنی بندگی کا اظہار کرتا ہے۔ اگر علم اور عبادت کے زعم میں وہ حکم عدولی پر اتر آئے اور اس کی گردن اکڑ جائے تو یہ سمجھ لیجئے کہ وہ شیطان مردود کا پیرو بن گیا، اس لئے کہ جھکنے میں ہی رفعت اور سربلندی ہے۔ جب انسان اپنے اللہ کے سامنے جھکتا ہے تو پھر اسے عزت اور بلندی سے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔ مخلوق خدا اس کی طرف علم کی پیاس بجھانے کے لئے کشاں کشاں چلی آتی ہے۔ جوں جوں انسان اپنے آپ کو جھکاتا چلا جاتا ہے اس کے اندر علم کی پیاس بڑھتی چلی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے بلند سے بلند تر کرتا چلا جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

---

[1] فاطر، ۳۵: ۲۸ [2] المجادلہ، ۵۸: ۱۱

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہئے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

مرتبۂ علمِ نبوت

کوئی فردِ بشر تکمیل علم کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ایسا کرنا بے معنی سی چیز ہوگی۔ علم تو ایک سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ علم اکتسابی بھی ہوتا ہے اور عطائی بھی، اللہ رب العزت اپنے برگزیدہ رسولوں اور نبیوں کو علم کا وہ نور عطا کرتا ہے جو عام انسانوں کے حصے میں نہیں آتا۔ ان کے لئے علم کے وہ سربستہ دروازے بھی کھول دیئے جاتے ہیں جو عام انسانوں پر مقفل ہوتے ہیں۔ انہیں وحی کے ذریعے ان مغیبات کا علم بھی عطا کردیا جاتا ہے جس تک عام انسانوں کی رسائی ممکن نہیں۔ علم درجات اور مراتب پر مشتمل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۝[1] — اور ہر صاحب علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے۔

یہ بات ذہن میں مستحضر رہے کہ تمام مراتب علم جہاں پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں وہاں سے مرتبۂ علم نبوت کا آغاز ہوتا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے مراتبِ علم جہاں پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں وہاں سے مرتبۂ علمِ مصطفیٰ ﷺ کا آغاز ہوتا ہے۔ گویا کہ مرتبۂ علمِ مصطفیٰ ﷺ کائنات کے مراتبِ علم سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس کے اوپر مرتبۂ علمِ الوہیت ہے جس کا تصور بھی ذہنِ انسانی میں آنا محال ہے اس شانِ کمال علم کے باوجود اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو یہ ہدایت فرما رہا ہے

---

[1] یوسف، ۱۲ : ۷۶

قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ؀ ۔ اور آپ (رب کے حضور یہ) عرض کیا کریں کہ میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھادے۔

حضور ختمی مرتبت ﷺ محبوب ربِ دو جہاں ہیں۔ اللہ کے آخری رسول ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کے نعلین پاک کی خیرات ہے۔ رب کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کو کن کن علوم سے نوازا اور کتنا نوازا یہ ہمارے حیطہ شعور سے باہر ہے۔

سب کچھ عطا کیا ہے خدا نے حضورؐ کو
سب کچھ ریاضؔ دامنِ خیر البشرؐ میں ہے

غیب کی لغوی تعریف

''غیب'' غاب یغیب (ض) سے مصدر ہے۔ جو چیز آنکھ سے مخفی ہو غیب کہلاتی ہے۔

امام ابن منظور الافریقیؒ لفظ غیب کے تحت لکھتے ہیں۔

والغَیْبُ کلُّ ماغاب عنک ابو اسحق فی قوله تعالیٰ: یومنون بالغیب ای یؤمنون بما غاب عنهم مما أخبرهم به النبی ﷺ من امر البعث والجنة والنار و کل ماغاب عنهم مما أنبأهم به

جو چیز تم سے غائب ہو وہ غیب ہے امام ابو اسحاق نے ''یومنون بالغیب'' کی تفسیر میں کہا ہے جو چیز متقین سے غائب تھی اور نبی ﷺ نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے جیسے مرنے کے بعد اٹھنا، جنت، دوزخ اور ہر وہ چیز جو ان سے غائب

؀ طٰه، ۲۰: ۱۱۴

فهو غیب۔[۱]	تھی اور نبی ﷺ نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے۔

اور امام ابن منظور ابن الاعرابی کے حوالے سے غیب کے معنی کے بارے میں مزید لکھتے ہیں۔

والغیب ایضاً ماغاب عن العیون و ان کان محصّلاً فی القلوب[۲]	اور وہ چیز بھی غیب ہی ہے جو آنکھوں سے تو غائب ہو مگر دلوں میں موجود ہو

امام قرطبیؒ غیب کی لغوی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

الغیب فی کلام العرب کل ما غاب عنک، غابت الشمس تغیب و الغیبة معروفة و اغابت المرأة فھی مغیبة اذا غاب عنھا زوجھا و وقعنا فی غیبة و غیابة ای ھبطة من الارض والغیابة الاجمة و ھی جماع الشجر یغاب فیھا و یسمی المطمئن من الارض الغیب لانه غاب عن البصر[۳]	محاورہ عرب میں غیب وہ ہے جو آپ کی نظروں سے پوشیدہ ہو۔ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں ''غابت الشمس'' اور غیبت کا معنیٰ تو معروف ہے (یعنی کسی کی غیر موجودگی میں اس کی عیب گوئی کرنا) اور جب کسی عورت کا شوہر غائب ہو جائے تو کہا جاتا ہے ''اغابت المراة'' وہ عورت ''مغیبه'' کہلاتی ہے۔ اور ہم ''غیبة و غیابه'' میں گر گئے سے مراد ہے کہ ہم گڑھے میں گر گئے اور ''الغیابه'' درختوں کے جھنڈ کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس

۱۔ ا۔ لسان العرب، ۱: ۶۵۴
۲۔ تاج العروس، ۱: ۶۱۶
۲۔ لسان العرب ۱: ۶۵۴
۳۔ الجامع لاحکام القرآن، ۱: ۱۶۳

میں ایک جگہ کافی درخت جمع ہوتے ہیں
جن کے اندر چھپا جاسکتا ہے اور پست
زمین کو ''الغیب'' کہا جاتا ہے کیونکہ زمین
کا یہ حصہ نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی درج ذیل آیات کریمہ غیب کے مذکورہ بالا لغوی معنی پر دلالت کر رہی ہے۔

١- فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ○[١]	پھر ہم ان پر (اپنے) علم سے (ان کے سب) حالات بیان کریں گے اور ہم (کہیں) غائب نہ تھے (کہ انہیں دیکھتے نہ ہوں)
٢- اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ[٢]	وہ جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اس جہان میں دکھائی نہیں دیتی، اس کے موجود ہونے کا علم نظر واستدلال سے حاصل ہوتا ہے۔

غیب کی اصطلاحی تعریف

لغوی طور پر تو ہر وہ شے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو غیب کے زمرے میں آتی ہے مگر اصطلاحی طور پر غیب کا اطلاق صرف ان اشیاء پر ہوتا ہے جن کا علم نہ تو حواس خمسہ سے حاصل ہو سکے اور نہ ہی بداہتِ عقل کے ذریعے معلوم ہوں بلکہ ان کی خبر انبیاء علیہم السلام کے ذریعے حاصل ہو۔ پاکستان کے باشندوں کیلئے مدینہ منورہ غیب نہیں کیونکہ یا تو

---

١ الاعراف، ٧: ٧ ٢ الانبیاء، ٢١: ۴٩

انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے اس کی زیارت کی ہوگی یا پھر کسی زائر کی زبانی اس شہرِ حبیب ﷺ کا تذکرہ سنا ہوگا مگر یہ کہ اس وقت مدینہ منورہ کے فلاں گھر کے فلاں کمرے میں یہ ہو رہا ہے بلا کسی ذریعہ علم کے غیب ہے۔ یا مثلاً بغیر کسی ذریعۂ علم کے دُور دراز علاقہ میں بیٹھ کر یہ بتانا کہ اس وقت فلاں گھر میں، مسجد میں دکان میں ادارے میں یہ کام ہو رہا ہے، فلاں شخص فلاں ملک میں فلاں مقام پر اس وقت یہ سوچ رہا ہے، یہ کر رہا ہے، یہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے، غیب ہے۔ بغیر کسی ظاہری اسباب کے یہ بتانا کہ فلاں کے پیٹ میں یہ ہے بھی غیب، پس مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ وغیرہ کا علمِ اجمالی تو غیب نہیں مگر اس کی تفاصیل بلا کسی سبب ظاہری کے صحیح صحیح بتا دینا علم غیب ہے۔ علمِ غیب کی یہ تعریف جمہور مفسرین کی متفق علیہ ہے چند مفسرین کی تعریفات حسب ذیل ہیں۔

امام راغب اصفہانیؒ غیب کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

۱۔ ما لا يقع تحت الحواس ولا تقتضيه بداية العقول و انما يعلم بخبر الانبياء عليهم السلام [۱]

غیب وہ ہوتا ہے جو حواس خمسہ میں نہ آ سکے اور نہ ہی عقل کی تیزی اس کا ادراک کر سکے اور وہ صرف انبیاء علیہم السلام کی خبر سے معلوم ہو۔

۲۔ قاضی ناصر الدین بیضاویؒ غیب کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

والمراد به (اى بالغيب) الخفى الذى لا يدركه الحس ولا يقتضيه بديهة العقل [۲]

غیب سے مراد ہر وہ مخفی شئے ہے جس کا ادراک نہ تو حواس کر سکیں اور نہ ہی وہ عقل کی سریع الفہمی کے دائرے میں آ سکے۔

۳۔ امام فخر الدین رازیؒ نے غیب کی تعریف اس طرح کی ہے:

---

[۱] المفردات فی غریب القرآن: ۳۶۷ [۲] انوار التنزیل، ۱: ۲۸

ان الغیب هو الذی یکون غائبا عن الحاسة [1]	غیب وہ ہے جو حواس سے غائب ہو۔

۴۔ علامہ زمخشریؒ غیب کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔

والمراد به الخفی الذی لا ینفذ فیه ابتداء الا علم اللطیف الخبیر و انما نعلم منه ما اعلمناه او نصب لنا دلیلا علیه [2]	غیب سے مراد وہ مخفی چیز ہے جس کی ابتداء کا صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے اور ہمیں اس میں سے صرف انہی چیزوں کا علم ہوتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم دیا ہے یا جن کے علم پر دلیل قائم فرمائی ہے۔

۵۔ امام قرطبیؒ غیب کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

الغیب کل ما اخبر به الرسول علیه السلام مما لا تهتدی الیه العقول من اشراط الساعة و عذاب القبر و الحشر و النشر و الصراط و المیزان و الجنة و النار [3]	غیب وہ سب کچھ ہے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ان امور میں سے جن تک عقل راہ یاب نہیں ہو سکتی یعنی علاماتِ قیامت، عذابِ قبر، حشر نشر، پل صراط، میزان، جنت اور دوزخ۔

۶۔ امام نسفیؒ ''یؤمنون بالغیب'' کی تفسیر میں غیب کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔

---

[1] التفسیر الکبیر، ۲: ۲۷

[2] الکشاف، ۱: ۳۹

[3] الجامع لاحکام القرآن، ۱: ۱۶۳

(بالغيب) بما غاب عنهم مما انبأهم به النبی ﷺ من امر البعث و النشور و الحساب و غير ذلک[1]

غیب سے مراد وہ امور ہیں جو متقین کی نظروں سے پوشیدہ تھے اور حضور ﷺ نے انہیں ان امور کی خبر دی جیسے مرنے کے بعد اٹھایا جانا، حشر نشر، حساب اور دیگر امور غیبیہ۔

۷۔ شیخ اسماعیل حقیؒ غیب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وهو ما غاب عن الحس و العقل غيبة كاملة بحيث لا يدرک لواحد منهما ابتداء بطريق البداهة[2]

غیب سے مراد وہ امور ہیں جو حواس اور عقل سے مکمل طور پر اس طرح پوشیدہ ہوں کہ ابتداءً بدیہی طور پر ان کا ادراک کسی کو نہ ہو سکے۔

۸۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ غیب کا مفہوم ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

والمراد به ما غاب عن ابصارهم من ذات الله و صفاته و الملائكة و البعث و الجنة والنار و الصراط، والميزان و عذاب القبر و غير ذلک[3]

غیب سے مراد وہ ہے جو لوگوں کی نظروں سے غائب ہے جیسے ذات وصفات باری تعالیٰ، ملائکہ، بعث، جنت، دوزخ، پل صراط، میزان، عذاب قبر اور اسی طرح کے دیگر امور۔

---

[1] مدارک التنزیل، ۱: ۱۳

[2] تفسیر روح البیان، ۱: ۳۲

[3] التفسیر المظهری، ۱: ۲۰

علم غیب کیا ہے؟

علم غیب ان حقیقتوں کا علم ہے جو نہ تو بداہتِ عقل سے حاصل ہوں اور نہ انسان کے حواس خمسہ کے ذریعے ان تک رسائی ہو سکے۔ دوسرے لفظوں میں وہ نہ آنکھ سے نظر آئیں، نہ کان سے سنائی دیں، نہ ناک سے سونگھ کر یا زبان سے چکھ کر ان کا علم ہو سکے اور نہ ہاتھ سے چھو کر ان کو محسوس کیا جا سکے اور نہ فطرت و وجدان ہی ان کی حقیقت و ماہیت کو جان سکیں یہاں تک کہ انسان کی ساری خلقی، طبعی اور کسبی استعدادیں جواب دے جائیں جبکہ ان حقائق غیبیہ کا علم اللہ تعالیٰ کو از خود ہے یعنی وہ اپنے علم میں کسی ذریعہ اور وسیلہ کا محتاج نہیں۔ اس کے برعکس نبوت وحی کے ذریعے ان پر مطلع ہوتی ہے اور ان پوشیدہ حقائق کی خبر اہلِ عالم کو پہنچاتی ہے۔ اسی طرح وہ امور بھی غیب کے ضمن میں آتے ہیں جن کا حصول انسانی ذرائع علم سے ممکن ہو مگر واقعۃً ان کا علم ان ذرائع کے بغیر اطلاع خداوندی سے ہو رہا ہو۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات جن میں غیب کا ذکر ہے اسی معنی پر دلالت کرتی ہیں ان آیات کا ذکر آئندہ صفحات میں مختلف عنوانات کے تحت کیا جائے گا۔

علم غیب کے معنی کی نسبت ایک مغالطہ کا ازالہ

علم غیب کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ایسا علم جو کسی کو معلوم نہ ہو بلکہ اس سے مراد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکے۔ اس کی وضاحت قرآن مجید میں مذکور دو مثالوں کے ذریعے پیش کی جاتی ہے۔

پہلی مثال: حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کا علم انسانی ذرائع علم کے بغیر عطا فرمایا۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہ وہ واقعات تھے

جنہیں دنیا دیکھ چکی تھی، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو علم غیب سے تعبیر کیا اور فرمایا:

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ ؕ ۱؎ (اے حبیب مکرم) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ کی طرف وحی فرما رہے ہیں

اسی طرح آسمانوں میں موجود چیزوں کو قرآن میں غیب کہا گیا ہے۔ یہ ہمارے لئے تو مخفی ہیں مگر آسمانوں میں فرشتے انہیں دیکھ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں لہذا وہ اشیاء جسے لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں مخلوق دیکھ رہی ہے وہ زمین والوں کے لئے غیب ہے۔

دوسری مثال: حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور بیت المقدس کی تعمیر کا واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے جنات کو ان کے قبضے میں دے رکھا تھا۔ آپ نے جنات کو حکم دیا وہ مزدوری کرنے لگے اور خود عصا کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اسی اثناء میں آپ علیہ السلام وفات پا گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کو جنات پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ آپ لکڑی کی ٹیک کے ساتھ کھڑے رہے۔ جسدِ مبارک زمین پر نہ گرا، خدا جانے کتنا عرصہ بیت گیا۔ جنات یہ سمجھتے رہے کہ آپ بدستور ان کی نگرانی فرما رہے ہیں۔ یہ تو جب لکڑی کو دیمک نے کھانا شروع کر دیا اور بالآخر جب دیمک نے لکڑی کو کھا لیا اور وہ ٹوٹ کر نیچے گر پڑی تو جسمِ اقدس بھی زمین پر آ گیا جنات کو تب معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو مدت ہوئی وفات پا چکے تھے، اس پر جنات نے جو کہا قرآن حکیم نے اسے یوں بیان فرمایا ہے:

فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ مَادَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْکُلُ پھر ہم نے جب ان کے لئے موت کا حکم صادر فرمایا تو کسی چیز نے ان (جنات)

۱؎ یوسف، ۱۲: ۱۰۲

مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ [1]

کو ان کی موت سے آگاہ نہ کیا بجز ایک گھن کے کیڑے کے جو سلیمان علیہ السلام کے عصا کو کھاتا رہا (جس کے سہارے وہ عبادت میں مہینوں مشغول رہا کرتے) پھر (جب مسجد کی تعمیر ہوگئی اور) جب وہ گر پڑے تب جنوں کو معلوم ہوا (کہ حضرت سلیمان علیہ السلام) وفات پا چکے ہیں اور ان پر یہ بھی عقدہ کھلا) کہ اگر وہ غیب (کا علم) جانتے ہوتے تو اس ذلت کی تکلیف میں نہ (پھنسے) رہتے۔

مذکورہ بالا آیہ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے واقع ہونے کے بعد اس مدت کو جس کے دوران وہ ان کی آنکھوں کے سامنے کھڑے رہے غیب کہا ہے حالانکہ ان کے بے جان جسم کو حواس اور آنکھیں دیکھ رہی تھیں مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں اس کی حقیقت کے بارے میں علم نہیں تھا۔

قرآن حکیم سے استنباط کرتے ہوئے ہمیں معلوم ہوا کہ غیب کا تعلق فقط اس علم سے ہے جو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ غیب کی دو صورتیں ہیں:

۱- جو آنکھوں کے سامنے ہو مگر اس کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں علم نہ ہو۔

۲- جو آنکھوں سے تو اوجھل ہو مگر اس کے بارے میں علم ہو۔ یہ دونوں صورتیں غیب ہی کہلائیں گی گو ان کی نوعیت مختلف ہے۔

---

[1] السباء، ۳۴: ۱۴

علم غیب عطا ہو کر بھی غیب ہی کہلاتا ہے

بعض اہل علم کو اس مقام پر یہ مغالطہ ہوا کہ جو علم دے دیا جائے وہ علم عطائی غیب نہیں رہتا۔ یہ تصور اس لئے غلط ہے کہ قرآن مجید کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جب حضور نبی اکرم ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کی خبر دی تو اس باب میں ارشاد فرمایا:

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ [1]	(اے حبیب مکرم) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ کی طرف وحی فرما رہے ہیں

سو معلوم ہوا کہ علم غیب وحی کے ذریعے عطا ہونے کے بعد بھی قرآن کی اصطلاح میں "غیب" ہی کہلاتا ہے۔ بنابریں تمام مندرجات قرآن کا علم بھی حضور ﷺ کے غیب میں سے ہے۔ چنانچہ امام ابن کثیر اس حوالے سے ایک قول نقل فرماتے ہیں:

قال سفیان الثوری عن عاصم عن زر قال الغیب القرآن [2]	سفیان ثوری نے عاصم سے اور انہوں نے زر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا غیب سے مراد قرآن ہے۔

علم غیب کی اقسام

قرآن مجید کی رو سے علم غیب کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔

۱۔ علم غیب حقیقی

۲۔ علم غیب اضافی

ذیل میں ان دونوں اقسام کی تعریف و توضیح سے ان کے بارے میں ضروری معلومات بہم پہنچائی جائیں گی۔

---

[1] یوسف، ۱۲:۱۰۲

[2] تفسیر ابن کثیر، ۱:۴۱

ا۔علم غیب حقیقی

علم غیب حقیقی ان امور کا علم ہے جو نوع انسانی کے ہر فرد کے لئے غیب ہوں اور ان پر کوئی دلیل قائم ہو سکے جیسے ذات وصفات باری تعالیٰ، ملائکہ، جنت، دوزخ، عالم برزخ، حیات بعد الممات، قیامت، احوال قیامت، یہ سب امور غیب حقیقی ہیں اور ان کے اثبات پر قرآن مجید کی آیات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ان امور غیبیہ کی خبریں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیھم السلام کے ذریعے انکی امتوں کو دی ہیں اور ان سے ان پر ایمان بالغیب کا مطالبہ کیا ہے۔

قرآن مجید نے اہلِ ایمان متقین کی صفات میں ایمان بالغیب کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ [۱]	جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

آیہ مذکورہ میں جمہور مفسرین کے نزدیک غیب سے مراد غیب حقیقی ہے اور یہ غیب بذریعہ نبی مکرم ﷺ اور قرآن عامۃ المسلمین کو بلا تخصیص حاصل ہوتا ہے۔

امام بیضاویؒ ''یؤمنون بالغیب'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

والایمان فی اللغة عبارة عن التصدیق ......و قد یطلق بمعنی الوثوق وکلا الوجھین حسن فی یؤمنون بالغیب [۲]	ایمان لغۃً تصدیق سے عبارت ہے اور کبھی اس کا اطلاق یقین اور وثوق کے معنی پر بھی کیا جاتا ہے اور یہ دونوں صورتیں یہاں مستحسن ہیں۔

یہاں پر ایمان کا معنی تصدیق ہے جبکہ تصدیق علم ہی کی ایک قسم ہے چنانچہ یؤمنون بالغیب کا معنی ہوگا ''یعلمون الغیب'' یعنی وہ غیب کو جانتے ہیں لیکن وہ

---

[۱] البقرہ، ۲: ۳   [۲] انوار التنزیل، ۱: ۲۷

بلا دلیل غیب کو نہیں جان سکتے۔ پس یہاں پر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ان غیوب کی اطلاع دینا ہی سب سے مضبوط دلیل ہے۔

امام زرقانیؒ فرماتے ہیں:

وما کلفنا الله الایمان بالغیب الا وقد یفتح لنا باب غیبه [۱]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان بالغیب کا مکلّف نہیں ٹھہرایا مگر اس طرح کہ وہ اپنے غیب کا دروازہ یقیناً ہمارے لئے کھول دیتا ہے۔

اور نسیم الریاض شرح الشفاء میں ہے۔

ولم یکلفنا الله الایمان بالغیب الا وقد فتح لنا باب غیبه [۲]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان بالغیب کی تکلیف نہیں دی مگر یوں کہ قطعاً ہمارے لئے اپنے غیب کا دروازہ کھول دیا۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں۔

واما الذی علیه دلیل فلا یمتنع ان تقول نعلم من الغیب ما لنا علیه دلیل و یفید الکلام ولا یلتبس [۳]

اور وہ غیب جس پر دلیل ہے پس آپ کا یہ کہنا منع نہیں کہ غیب سے ہم وہ جانتے جس پر ہمارے لئے دلیل ہے یہ کلام مفید ہے اور اس میں کوئی التباس نہیں۔

۲۔علمِ غیب اضافی

علمِ غیب کی دوسری قسم علمِ غیب اضافی ہے۔ وہ شئے جو کسی ایک کے لئے تو غیب

---

[۱] الزرقانی علی المواهب، ۷: ۲۰۱

[۲] نسیم الریاض من شرح الشفاء، ۳: ۵۵۱

[۳] التفسیر الکبیر، ۲: ۲۸

ہومگر کسی دوسرے کے لئے حاضر ہو غیبِ اضافی ہوگی۔ جیسے اگر کوئی شخص کمرے کے اندر بیٹھا ہو تو وہ کمرے سے باہر والوں کے لئے حاضر نہیں بلکہ غیب ہے اور کمرے کے اندر والوں کے لئے حاضر ہے۔ کسی ایسی شئے کے بارے میں جاننا جو کسی ایک کے لئے تو غیب ہو مگر کسی دوسرے کے لئے حاضر ہو اور اس پر کوئی دلیل بھی قائم نہ ہو علم غیب اضافی کہلاتا ہے۔ جیسے قیام قیامت کا علم، رحم مادر میں بچے کا علم کہ وہ سعید ہے یا شقی، ان امور کے بارے میں کوئی دلیل قائم کرنا ممکن نہیں جس کے ذریعے انہیں معلوم کیا جا سکے۔ اس دوسری قسم کے غیب کو مفاتح الغیب کہا گیا ہے۔

امام بیضاویؒ نے علم غیب کی مذکورہ اقسام کو یوں بیان کیا ہے۔

وهو قسمان قسم لا دليل عليه وهو المعنى بقوله تعالى "وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو" و قسم نصب عليه دليل كالصانع وصفاته واليوم الاخر و احواله [1]

غیب کی دو اقسام ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ فرمان باری تعالیٰ وعنده مفاتح ... الخ سے یہی مفہوم ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس پر کوئی دلیل قائم ہو جیسے صانع (ذات باری تعالیٰ) اور اس کی صفات، یوم آخرت اور احوال قیامت۔

امام رازیؒ نے بھی یہی دو اقسام بیان کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

ثم هذا الغيب ينقسم الى ما عليه دليل و الى ما ليس عليه دليل [2]

غیب کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جس پر دلیل قائم ہو اور دوسری وہ جس پر دلیل قائم نہ ہو۔

صاحب روح البیان امام اسماعیل حقیؒ غیب کی اقسام کا ذکر ان الفاظ میں کرتے

---

[1] انوار التنزیل، ۱: ۲۷

[2] التفسیر الکبیر، ۱: ۲۷

ہیں:

وھو قسمان قسم لا دلیل علیه و ھو الذی ارید بقوله سبحانه و عنده مفاتح الغیب لا یعلمها الاھو و قسم نصب علیه دلیل کالصانع و صفاته[1]

غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر دلیل قائم نہ ہو اور فرمان الٰہی وعنده مفاتح الغیب ...... الخ سے یہی مراد ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل قائم ہو جیسے صانع اور اس کی صفات۔

علم غیب اضافی کی اقسام

علم غیب اضافی کو زمانہ کے لحاظ سے پھر تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ علم غیب اضافی باعتبار ماضی

۲۔ علم غیب اضافی باعتبار حال

۳۔ علم غیب اضافی باعتبار مستقبل

قرآن مجید کی آیات بینات کے حوالے سے تینوں اقسام کی توضیح و تشریح کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ علم غیب اضافی باعتبار ماضی

زمانہ ماضی میں وقوع پذیر ہونے والے وہ واقعات جو اس وقت نہ تو کسی مشاہدے کی صورت میں موجود ہوں نہ کسی کتاب میں درج ہوں نہ ہی ان واقعات کی کسی نے خبر دی ہو اور انسانی ذرائع علم بشمول فطرت، وجدان، حواس خمسہ اور عقل ان کی خبر دینے سے عاجز ہوں اور ماسوائے وحی الٰہی والہام ان کے جاننے کا کوئی اور امکانی ذریعہ بھی موجود

---

[1] تفسیر روح البیان، ۱: ۳۲

نہ ہو، ان واقعات کا علم اور بیان علم غیب اضافی باعتبار ماضی کے ذیل میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ماضی میں پیش آمدہ واقعات اور قصص کا تذکرہ موجود ہے جیسے قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہوا۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنۡبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَہُمۡ اَیُّہُمۡ یَکۡفُلُ مَرۡیَمَ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ ۝ [1]

(اے محبوب ﷺ!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں حالانکہ آپ (اس وقت) ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے طور پر) اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ ان میں کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیہ کریمہ واضح اور بین انداز میں یہ بیان فرما رہی ہے کہ ماضی میں گزرا ہوا کوئی واقعہ جس کا تعلق خواہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہو یا وہ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ہو یا اوپر درج کردہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کا معاملہ، بلاشبہ یہ سب امور غیب میں سے ہیں جن کا علم حضور ﷺ کو وحی الٰہی کے ذریعے دیا گیا۔

۲۔ علم غیب اضافی باعتبارِ حال

وہ غیبی امور جن کا تعلق ہو تو زمانہ حال کے کسی لمحہ موجود سے مگر ان کا علم ظاہری ذرائع کی بجائے وحی الٰہی کے ذریعہ دیا جا رہا ہو، علم غیب اضافی باعتبار حال کے ضمن میں آتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درج ذیل کلام ہے جو آپ

---

[1] آل عمران، ۳: ۴۴

بطور معجزہ اپنے ہم عصر لوگوں سے کرتے ہیں۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [1]	اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں (وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں بے شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

علم غیب اضافی باعتبار حال کی دوسری نمایاں مثال مافی الارحام کا علم ہے جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ [2]	اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے۔

شکم مادر کے اندر جو کچھ ہے وہ مغیبات حال میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر وہ بغیر کسی ظاہری ذریعے کے اس کا علم اپنے بندے کو عطا فرما دے تو اس کے لئے یہ علم غیب باعتبار حال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو یہ علم بھی عطا فرما رکھا تھا جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

علمِ غیب اضافی باعتبار مستقبل

ایسے واقعات جو آج تک رونما نہیں ہوئے لیکن انہیں مستقبل میں ظہور پذیر ہونا ہے ان کا علم بغیر کسی ظاہری ذریعے کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ہو جانا علم غیب اضافی باعتبار مستقبل کہلائے گا۔ ایسا علم انبیاء کرام علیہم السلام کو ارزانی ہوا جیسا کہ درج ذیل آیات قرآنیہ سے اس کا واضح ثبوت مہیا ہو رہا ہے۔

---

[1] آل عمران، ۳: ۴۹ [2] لقمان، ۳۱: ۳۴

١- وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰاةِ وَ مُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ[1]

اور (اسی طرح وہ واقعہ یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں (جو) تمہاری طرف (بھیجا گیا ہوں) میں تصدیق کرنے والا تورات کا ہوں جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایک رسول کو جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہے۔

اس آیہ کریمہ میں اس خوشخبری کی ذکر ہے جو حضور ﷺ کی آمد کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو دی تھی۔

٢- قَالَ يٰبُنَىَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ[2]

انہوں نے کہا اے میرے بیٹے اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی پُرفریب چال چلیں گے۔

محولہ بالا آیہ کریمہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے نورِ نظر حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ہاتھوں مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ فرما دیا تھا۔

علم غیب اضافی کی ایک جامع مثال

علم غیب اضافی کے باب میں قرآن حکیم میں مذکور حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ علم غیب اضافی کی تینوں اقسام پر مشتمل ایک جامع مثال ہے جب حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طے شدہ شرط کے مطابق اپنی معیت سے رخصت

---

[1] الصف، ٦١: ٦

[2] یوسف، ١٢: ٥

فرماتے ہیں تو گذشتہ پیش آمدہ واقعات کی توجیہہ قرآن کے الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ
اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَ هُمْ مَّلِكٌ
يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ○ وَاَمَّا
الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ
فَخَشِيْنَا اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا
وَّكُفْرًا ○ فَاَرَدْنَا اَنْ يُّبْدِلَهُمَا
رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ
رُحْمًا ○ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ
لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ
وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ
اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ
يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا
كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا
فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا
لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ○[1]

وہ جو کشتی تھی سو وہ چند غریب لوگوں کی تھی وہ دریا میں محنت مزدوری کیا کرتے تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار کر دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے ایک (جابر) بادشاہ (کھڑا) تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی (مالکوں سے بلا معاوضہ) چھین رہا تھا اور وہ جو لڑکا تھا تو اس کے ماں باپ صاحب ایمان تھے۔ پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ (اگر زندہ رہا تو کافر بنے گا اور) ان دونوں کو (بڑا ہو کر) سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا رب انہیں (ایسا) بدل عطا فرمائے گا جو پاکیزگی میں (بھی) اس (لڑکے) سے بہتر ہو اور شفقت و رحم دلی میں (بھی والدین سے) قریب تر ہو اور وہ جو دیوار تھی تو وہ شہر میں (رہنے والے) دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں

---

[1] الکہف، ۱۸: ۷۹–۸۲

کے لئے ایک خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا
باپ صالح (شخص) تھا سو آپ کے رب
نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ
جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے وہ
اپنا خزانہ (خود ہی) نکالیں اور میں نے (جو
کچھ بھی کیا) وہ از خود نہیں کیا۔ یہ ان
(واقعات) کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر
نہ کر سکے۔

آیاتِ مذکورہ سے علمِ غیب اضافی باعتبار ماضی، حال اور مستقبل تینوں کی تائید و توثیق بتمام وکمال ہو جاتی ہے۔ ان میں دیوار کے نیچے دو یتیم لڑکوں کے پوشیدہ خزانہ کی خبر دینا علم غیب باعتبار حال ہے۔ ان کے باپ کے نیک ہونے کی خبر دینا، علم غیب باعتبار ماضی ہے جبکہ اس بات کی خبر دینا کہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے والدین کو سرکشی اور کفر کی طرف دھکیل دے گا علم غیب باعتبار مستقبل کی واضح مثال ہے۔

گذشتہ باب میں ہم ائمہ لغت اور ائمہ تفسیر کے ہاں علم غیب کا معنی و مفہوم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی رُو سے علم غیب کی اقسام کا تذکرہ کر چکے ہیں، جس سے ''علمِ غیب'' کا اصطلاحی مفہوم سمجھانا مقصود تھا اور یہ کہ ''علم غیب'' کا اطلاق کس شئے پر ہوتا ہے اور کس پر نہیں، کون سے امور ایسے ہیں جو علم غیب کے دائرے میں آتے ہیں اور کون سے علم غیب کے دائرے سے خارج ہیں۔ اس بحث میں اٹھائے گئے نکات کو سمجھ لینے سے ان اشکالات کا ازالہ ہو جائے گا جو مسئلہ علم غیب کے حوالے سے ذہن میں جنم لیتے ہیں۔

باب دوم

علم الٰہی کی حقیقت و ماہیت

فصل اوّل:

توحید فی العلم کا تصور

اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق و مالک، رب اور مدبرِ امورِ کل ہے۔ وہ ذات ہر شئے پر قادرِ مطلق، حی و قیوم، سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں وحدہ لاشریک ہے۔ اس کی نہ کوئی مثل ہے اور نہ کوئی مثال۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں، وہ لم یزل اور لایزال ہستی ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ نہ کوئی اس کی ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہا۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا مطیع و منقاد اور تابع فرمان ہے۔ وہ امرِ کن سے کائنات کی ہر شئے کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ وہی معبود و مقصودِ حقیقی ہے۔ پورا نظام عالم اسی کی بے مثال حکمت اور تدبیر سے چل رہا ہے۔ کائنات ارض و سما کے اندر ہر طرف اسی کی ذات و صفات کے مظاہر دکھائی دیتے ہیں۔

توحید باری تعالیٰ ایمانیات کے باب میں دین اسلام کی اساس ہے۔ یہ وہ بنیادی حقیقت ہے جس کے لوازم و خواص کی تفہیم کے بغیر کوئی شخص معتقدات کی شاہراہ پر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ قرآن مجید نے توحید باری تعالیٰ اور اس کے جمیع لوازم و خواص کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ انتہائی دلنشیں، حکیمانہ اور بصیرت آموز انداز میں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بیان میں توحید فی الذات اور توحید فی الصفات لا ینفک اجزاء کے طور پر شامل ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے میں کوئی اس کا ہمسر نہیں اسی طرح اس کی صفات مختصہ میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ توحید فی الصفات پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صفات جو اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاصہ ہیں ان کو فقط اسی کے لئے مانا جائے

اوران صفات وخواص کا اثبات واختصاص کسی غیر کے لئے نہ کیا جائے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ توحید فی العبادہ، توحید فی الدعا اور توحید فی العلم توحید کی مختلف جہتیں ہیں اور ان میں ہر جہت اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

توحید فی العلم

جس علم کا اثبات خالصۃً اللہ کے لئے ہے اس کو اللہ کا حق تسلیم کرنا اور کسی غیر اللہ کے لئے اس طرح کے علم کی نفی کا عقیدہ رکھنا توحید فی العلم ہے۔

اس بارے میں قرآن حکیم کا یہ ارشاد

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ط [1]

اور غیب کی کنجیاں (یعنی وہ راستے جن سے کسی پر غیب آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت وملکیت میں) ہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ٥ [2]

آپ فرما دیجئے اللہ کے سوا جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ غیب کی بات نہیں جانتا اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔

---

[1] الانعام، ٦: ٥٩ [2] النمل، ٢٧: ٦٥

شرک فی العلم

شرک فی العلم یہ ہے کہ جس علم کا اثبات خالصۃً اللہ کے لئے ہو اس علم کو غیر اللہ کے لئے ثابت کیا جائے یا اس کے لئے ویسے ہی علم کا عقیدہ رکھا جائے تاہم مخلوق میں سے کسی بندۂ خدا کو اس کے حسبِ حال اللہ کی عطا سمجھ کر علم ثابت کیا جانا شرک نہیں۔ مخلوق کے لئے علم کا اثبات کسی حقیقت و مجاز کے اجراء کا متقاضی نہیں کیونکہ یہ بات مسلّمہ ہے کہ اللہ رب العزت کا علم ذاتی اور مخلوق کا علم عطائی ہے۔ اللہ رب العزت کے علم اور مخلوق کے علم میں کوئی نسبت نہیں۔ اللہ جل شانہٗ اپنی مخلوق میں سے انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام، علماء اور مخلوق میں سے جس کو چاہے ہر ایک کے حسب حال درجہ بہ درجہ علم کی دولت عطا فرماتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ○ [1]

اور ہر صاحب علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ خود بھی علیم ہے اور اس نے انسان کو بھی علم کی نعمت سے بہرہ یاب کیا ہے لیکن یہ صفت انسان کو اس کے حسب حال عطا ہوئی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے لئے جس علمِ غیب کا اثبات ہے وہ مطلع علی الغیب ہونا ہے اور یہ بات نص قرآنی سے ثابت ہے جس کا شرح وبسط کے ساتھ ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔

علمِ الٰہی کی صفات

توحید فی العلم اور شرک فی العلم کے ضمن میں علم الٰہی کی درج ذیل صفات کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔

---

[1] یوسف، ۱۲: ۷۶

۱۔ اللہ تعالیٰ کا علم محیط بالکل ہے۔

۲۔ علم الٰہی ذاتی ہے، عطائی نہیں۔

۳۔ علم الٰہی علم بالقدرۃ ہے۔

یعنی وہ ایسا علم ہے کہ جس کے ساتھ اسے نفع ونقصان کے بدلنے پر بلا شرکت غیرے پوری قدرت حاصل ہے۔

پس وہ علم جو ان تینوں صفات کے ساتھ متصف ہو اس علم کو اللہ رب العزت کے لئے ثابت کرنا توحید اور اللہ کے غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

عطائے الٰہی اور اِذنِ الٰہی شرک نہیں

مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا اور اذن سے علم کا ثابت کرنا شرک نہیں البتہ اللہ کے غیر کے لئے یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ بالذات علم رکھنے، علم دینے، فیض پہنچانے، ذاتی تصرف سے کسی کو کوئی چیز عطا کرنے یا اس کی مشکل دور کرنے پر قادر ہے، شرک ہوگا۔ اس کے برعکس اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ بندے کا علم، فیض اور تصرف اس کا ذاتی نہیں بلکہ محض عطائے الٰہی ہے اور بندے کے ہاتھ اور زبان سے جو اذن جاری ہو رہا ہے وہ اذنِ الٰہی کے تابع ہے اور اس میں بندے کا اپنا کوئی کمال نہیں تو یہ ہرگز شرک نہیں ہوگا۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کی عطا اور اذن کا ذکر موجود ہے۔

متقین کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝ [۱]

اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ پر) خرچ کرتے ہیں۔

---

[۱] البقرہ، ۲: ۳

مفسرین نے اس مقام پر رزقنھم کی تفسیر ''اعطیناھم'' کی ہے اور رزق سے ہر نفع رساں شئے مراد لی گئی ہے۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں:

قوله ''ومما رزقنھم'' ای اعطیناھم، والرزق اسم لکل ما ینتفع به حتی الولد و العبد۔ ؎۱

فرمانِ الٰہی ''ومما رزقنھم'' سے مراد ''اعطیناھم'' (اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے) اور رزق ہر اس شئے کا نام ہے جس سے نفع حاصل کیا جائے یہاں تک کہ اولاد اور غلام بھی اس کے زمرے میں آجاتے ہیں۔

علامہ محمد رشید رضا رزق کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

الرزق فی اللغة النصیب والعطاء یطلق علی الحسی والمعنوی۔ ؎۲

لغت میں رزق سے مراد حصہ اور بخشش ہے خواہ حسی طور پر ہو یا معنوی طور پر۔

لہٰذا رزق سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ تمام نعمتیں ہیں جو اس نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائلِ رزق میں چاہے مال و دولت ہو یا حکومت و سلطنت، صحت و توانائی ہو یا علم و ہنر۔ مذکورہ بالا آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اے بندے جو کچھ تیرے پاس ہے فی الواقع تیرا نہیں بلکہ یہ میرا عطا کردہ ہے اور تجھے چاہئے کہ اس میں سے محروموں کو بھی فیض یاب کرے۔ تیرے مال میں غریبوں، ناداروں، مفلسوں اور مفلوک الحال لوگوں کا بھی حصہ ہے۔ تیرا فرض بنتا ہے کہ تو ان کا یہ حصہ ان تک پہنچائے۔ اگر میں نے تجھے علم و ہنر کی دولت عطا کی ہے تو تجھ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ دوسروں کو علم و ہنر سکھا کر اس نعمت کو عام کردے۔ اگر میں نے تجھے حکمت و

؎۱ معالم التنزیل، ۱: ۴۷ ؎۲ تفسیر المنار، ۱: ۱۲۹

تدبر سے نوازا ہے تو تجھے چاہئے کہ اس سے مخلوقِ خدا کو بھی نفع پہنچائے۔

آیہ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کی عطا کو خاص نہیں بلکہ عام رکھا گیا ہے۔ اس ارشاد ربانی کی رو سے مُنعَم علیہ کے لئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر عطا کردہ نعمت سے محروم افراد کو متمتع ہونے کا موقع فراہم کرے کہ اس پر سب کا حق برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سلطنت اور علم و حکمت عطا فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

وَاٰتٰـهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ[1]	اور اللہ نے ان کو (یعنی داؤد کو) حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں جو چاہا سکھایا۔

علم و حکمت اور حکومت اصلاً سب اللہ کے لئے ہے اور اس میں سے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے:

اسی مضمون پر مشتمل دیگر آیاتِ قرآنی میں سے کچھ آیات درج ذیل ہیں:

۱- وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا[2]	اور ہم نے سب کو حکمت اور علم سے نوازا تھا۔
۲- وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا[3]	اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو (غیر معمولی) علم عطا کیا۔
۳- وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا[4]	اور جب وہ اپنے کمال شباب پر پہنچ گیا (تو) ہم نے اسے حکم (نبوت) اور علم (تعبیر) عطا فرمایا۔

---

۱ البقرہ، ۲: ۲۵۱
۲ الانبیاء، ۲۱: ۷۹
۳ النمل، ۲۷: ۱۵
۴ یوسف، ۱۲: ۲۲

۴- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۱؎

اور جب وہ پورے شباب پر پہنچے اور (ذہنی صلاحیتوں سے) درست ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا۔

۵- وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۲؎

اور اللہ اپنی سلطنت (کی امانت) جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔

۶- يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۳؎

(اللہ) جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرما دیتا ہے۔

۷- وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۴؎

اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہو گئی۔

۸- فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۵؎

تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر) کو پا لیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی (دینی اسرار و معارف کا الہامی علم) سکھایا تھا۔

۱؎ القصص، ۲۸: ۱۴
۲؎ البقرہ، ۲: ۲۴۷
۳؎ البقرہ، ۲: ۲۶۹
۴؎ البقرہ، ۲: ۲۶۹
۵؎ الکہف، ۱۸: ۶۵

سب کو ملتا ہے فقط ان کی رضا کا صدقہ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انتہائی مہربان ہے۔ اس کی رحمت و رافت اور مغفرت و بخشش کی چادر گنہگاروں پر سایہ فگن ہے۔ اس کی عطا اور بخشش کے دروازے ہر ایک کے لئے ہر وقت کھلے ہیں لیکن سب کچھ محبوبِ خدا ﷺ کے واسطے، وسیلے اور صدقے سے ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ [1]

ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔ ان ہم (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیب مکرم ﷺ! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لئے) ممنوع اور بند نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں اپنے بندوں کو سب کچھ عطا فرماتا ہوں۔ اگر کوئی آخرت کی کامیابی کا طلبگار ہو تو اسے اخروی کامیابی عطا فرماتا ہوں۔ اگر کوئی دنیوی نعمتوں کا آرزومند ہو تو اسے دنیوی نعمتوں سے سرفراز کر دیا جاتا ہے لیکن میری عطائیں، نوازشیں اور عنایتیں محبوبِ کریم ﷺ کے واسطے سے ہیں۔ جب تک آپ ﷺ کا واسطہ موجود رہے گا آپ کی امت پر میری عطا اور بخشش کی بارشوں کا نزول ہوتا رہے گا۔

واضح رہے کہ آیہ مذکورہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی عطا خاص نہیں بلکہ عام ہے اس کی عطا کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے دربار سے کوئی سائل خالی دامن نہیں لوٹتا۔ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۰

اپنی عطاؤں کے لامحدود خزانے اپنے محبوبِ کریم ﷺ کے تصرف میں دے دیئے ہیں اور وہ اپنے بے پناہ جود و کرم سے جس پر چاہیں وہ خزانے لٹا سکتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ [1] — اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

مالک کل نے اپنے حبیب ﷺ کو کوثر کی صورت میں خیر کثیر کا مالک بنا دیا۔

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ [2] — بے شک ہم نے آپ کو (ہر خیر و فضیلت میں) بے انتہا کثرت بخشی ہے۔

اور آپ ﷺ کو ہر شئے کی کثرت عطا فرما دی۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما انا قاسم و الله يعطى [3] — میں تو صرف تقسیم کرتا ہوں اور اللہ رب العزت عطا فرماتا ہے۔

کارفرما و کارساز ذات کی بندہ نوازیاں

اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ اور مقرب بندوں کو مقام ماذونیت پر سرفراز فرماتا ہے۔ اس مقام پر جو کچھ بندے سے صادر ہوتا ہے اس میں اذنِ الٰہی اور عطائے الٰہی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزاتی طور پر مٹی سے پرندے کی صورت بنا کر اس میں

---

[1] الضحیٰ، ۹۲: ۵

[2] الکوثر، ۱۰۸: ۱

[3] صحيح البخاری، ۱: ۱٦، کتاب العلم

پھونکتے تو وہ اللہ کے اذن سے اڑنے لگتا جیسا کہ قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بیان فرماتا ہے:

اِنِّی اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًام بِاِذْنِ اللّٰهِ[1]

میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں، پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے۔

ہر شئے کا خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ آیہ مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فعل خلق کی نسبت اپنی طرف کرنا اور ان کی پھونک کے اثر سے بے جان مٹی کا پرندہ بن کر مائل بہ پرواز ہو جانا درحقیقت اذنِ الٰہی کا ہی صدور تھا جس کا ثبوت باذن اللہ کے الفاظ سے ملتا ہے۔ یہاں فعلِ خلق کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مجازاً کی گئی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اسی نسبت کے بارے میں واضح ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَکُوْنُ طَیْرًام بِاِذْنِیْ.[2]

اور جب تم میرے حکم سے مٹی کے گارے سے پرندے کی شکل کی مانند (مورتی) بناتے تھے پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ (مورتی) میرے حکم سے پرندہ بن جاتی تھی۔

آیہ مذکورہ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے مقرب بندے اور رسول ہیں کے عبد ماذون ہونے کی تصدیق خود اللہ رب العزت نے فرمائی ہے۔ آپ کو رب ذوالجلال نے

---

[1] آل عمران، ۳: ۴۹ [2] المائدہ، ۵: ۱۱۰

مسیحائی کا وہ اعجاز اور کمال تصرف عطا کر رکھا تھا کہ آپ مادر زاد اندھوں کو بینا اور برص زدہ مریضوں کو شفایاب کر دیتے اور مردے اللہ کے حکم سے آپ کے حرف **"قم"** پر زندہ ہو جاتے تھے۔

قرآن مجید میں اس کمالِ عیسوی کا ذکر خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے ان الفاظ میں منسوب ہے۔

وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ. [1]	اور میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفایاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کرتا ہوں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ان افعال کی نسبت اپنے عبد ماذون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بایں الفاظ بیان فرمائی ہے:

وَ تُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِيْ. [2]	جب تم مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں (یعنی برص زدہ مریضوں) کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا کر دیتے تھے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے ہونے والے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزاتی تصرفات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ متذکرہ بالا افعال کا باذن اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صادر ہونا ہرگز شرک نہیں۔ کوئی بھی خارق العادت کام جو اللہ کے حکم سے اس کے کسی مقرب بندے سے صادر ہوا سے ہرگز شرک قرار نہیں دیا جا سکتا۔

---

[1] آل عمران، ۳: ۴۹ [2] المائدہ، ۵: ۱۱۰

واقعہ موسیٰ و خضر علیہما السلام میں اذن الٰہی کا حضرت خضر علیہ السلام سے جاری ہونا بھی اسی ذیل میں آتا ہے اور اس کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں فرمایا گیا ہے:

أ- فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا. ١	پس دونوں چل دیئے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) اس (کشتی) میں شگاف کر دیا۔

اس سے آگے فرمایا

ب- فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ. ٢	پھر وہ دونوں چل دیئے یہاں تک کہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضر نے) اسے قتل کر ڈالا۔

پھر فرمایا:

ج- فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ ن اسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ. ٣	پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب دونوں ایک بستی والوں کے پاس آ پہنچے دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان دونوں کی میزبانی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرنا چاہتی تھی تو (خضر نے) اسے سیدھا کر دیا۔

ان آیات کریمہ سے بخوبی واضح ہے کہ مذکورہ واقعہ میں تمام امور جو حضرت خضر

---

١ الکھف، ١٨: ٧١ ٣ الکھف، ١٨: ٧٧
٢ الکھف، ١٨: ٧٤

علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے انجام دیئے درحقیقت اذنِ الٰہی سے تھے اوران کا صدور آپ علیہ السلام کے افعال سے ہوا جیسا کہ اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان تمام باتوں کی حقیقت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ ذٰلِکَ تَاوِیْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَلَیْهِ صَبْرًا ؁۱

اور میں نے (جو کچھ بھی کیا) وہ از خود نہیں کیا۔ یہ ان واقعات کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

مقامِ ماذونیت کی تائید صحیح بخاری میں موجود ایک حدیث قدسی سے ہوتی ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اس ارشاد کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے منسوب فرمایا ہے:

ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها و ان سألنی لاعطینه. ؁۲

میرا بندہ مسلسل نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر اس کے کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھے سوال کرے تو میں ضرور اسے عطا فرماتا ہوں۔

بندہ فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات کی مداومت کے نتیجے میں

؁۱ الکهف، ۱۸: ۸۲ ؁۲ صحیح البخاری، ۲: ۹۶۳، کتاب الرقاق، باب التواضع

اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مقام کسی کافر، مشرک اور بت پرست کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس مقام سے انبیاء علیھم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے عظام علیھم الرحمہ کو ہی سرفراز کیا جاتا ہے۔ حدیث قدسی کے مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی بندہ نیابت الٰہیہ کے درجہ و منصب پر فائز کیا جاتا ہے تو پھر اللہ رب العزت اس میں اپنا اذن جاری کرتا ہے جس کے بعد وہ بندہ صاحبان اذن میں سے ہو جاتا ہے۔ پھر اس مقام پر جو کچھ اس سے صادر ہوتا ہے وہ اللہ کے اذن اور اس کی عطا سے ہوتا ہے اور وہ بندہ جو کچھ بھی کرتا ہے اسے اذن الٰہی گردانا جاتا ہے۔ اس مقام کو مولانا رومؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس بندے کا بولنا اللہ کا بولنا ہو جاتا ہے باوجود اس کے کہ بات بندے کی زبان سے نکل رہی ہوتی ہے مگر وہ کلام اس کی زبان پر آ کر اذن الٰہی بن جاتا ہے اور یہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک اللہ کی مشیت اس کے شامل حال رہتی ہے۔ اس لئے کہ کوئی بندہ مطلقاً اذنِ الٰہی کا مالک نہیں بن جاتا۔

شانِ رسالت اور مقامِ تکوین

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، قدرتِ کاملہ کا مالک ہے۔ وہ جس شئے کو چاہے امر کن کے ذریعے عدم سے وجود میں لے آئے۔ اس کی یہ شان کسی کی عطا کردہ نہیں بلکہ بالذات اس میں پائی جاتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ (اس کے یہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے)

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ٥ [1]	اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز (کو پیدا کرنے) کا ارادہ کرتا ہے اس سے کہتا ہے ہو جا پس وہ جاتی ہے۔

محولہ بالا آیہ کریمہ میں مقام تکوین کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شان انبیاء اور اولیاء کو ان کے حسب حال عطا فرمائی ہے۔ حضور ﷺ کی نسبت متعدد ایسے معجزات منقول ہیں جن سے آپ کی شان تکوین کا اظہار ہوتا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱- ایک غزوہ میں صحابہ کے پاس تلواریں نہیں تھیں، فقط چھڑیاں تھیں جو آپ ﷺ کے فرمان سے کاٹ دار تلوار کی شکل اختیار کر گئیں۔ روایت کے الفاظ ہیں:

قال لعسيب النخل كن سيفا فكان سيفا. [2]	آپ ﷺ نے کھجور کی شاخ سے فرمایا اے چھڑی! تلوار بن جاؤ۔ پس وہ تلوار بن گئی۔

صحابہ کرام ان چوبی تلواروں سے دشمن پر حملہ آور ہوتے اور ان کی گردنیں تن سے جدا کر دیتے۔

۲- جنگ بدر میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی تو آپ ﷺ نے ان کو درخت کی ایک شاخ دے کر فرمایا کہ اضرب یعنی اس شاخ کے ساتھ جہاد کرو۔

آگے روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ شاخ ان کے دست حق پرست میں شمشیر آبدار بن گئی جس سے وہ کافروں کے ساتھ مصروف جہاد ہو گئے۔

فعاد في يده سيفا صارما طويل	پس وہ شاخ ان کے ہاتھ میں سفید لمبی تیز

---

[1] یٰسین، ۳۶: ۸۲ [2] الیواقیت و الجواہر لعبد الوہاب الشعرانی، ۱: ۱۴۷

القامة ابيض شديد المتن۔[1] دھار تلوار بن گئی۔

قرآن وسنت کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اور مقرب بندوں کو ان کے حسبِ حال خارق العادت صفات اور کمالات سے نوازتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے بعض برگزیدہ بندے قدرت وتصرف کی محیر العقول صفات سے بھی بہرہ مند کردیئے جاتے ہیں۔ اگر ان صفات وکمالات کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ ان کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہیں تو یہ شرک نہیں اور عقیدہ توحید کو اس سے کوئی ضعف نہیں پہنچتا کیونکہ نکتہ توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی تمام صفات ذاتی ہیں اور بندے کی تمام صفات عطائی ہیں۔ عطائے الٰہی اور اذنِ الٰہی سے بندے میں جو صفات پیدا ہو جاتی ہیں ان پر شرک کا احتمال نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] الشفاء، ۱: ۴۶۶

فصل دوم

علم الٰہی کی وسعت کا قرآنی تصور

شانِ خالقیت و مالکیت اور تصورِ علم

اللہ تعالیٰ کا علم، علم محض نہیں بلکہ ایسا علم ہے جس میں اس کی صفات خالقیت و مالکیت اور قدرت وتصرف کے سارے اختیارات بھی شامل ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے علم کی حقیقت و ماہیت اور وسعت کا ذکر متعدد مقامات پر مختلف اسلوب اور انداز سے آیا ہے۔

سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا:

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ○ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى○ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى○ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى ○ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى○[1]

یہ اس (اللہ) کی طرف سے اتارا ہوا ہے جس نے زمین اور بلند و بالا آسمان پیدا فرمائے۔ (وہ) نہایت رحمت والا (ہے) جو عرش (جملہ نظامہائے کائنات کے اقتدار) پر متمکن ہو گیا (پس) جو کچھ آسمانوں (کی بالائی نوری کائناتوں اور خلائی مادی کائناتوں) میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان (فضائی اور ہوائی کروں

---

[1] طٰہٰ، ۲۰: ۴-۸

میں) ہے اور جو کچھ سطحِ ارضی کے نیچے
آخری تہہ تک ہے سب اسی کے (نظام
اور قدرت کے تابع) ہیں اور اگر آپ
ذکر و دعا میں جہر (یعنی آواز بلند کریں تو
بھی کوئی حرج نہیں) وہ تو سر (یعنی دلوں
کے رازوں) اور اخفیٰ (یعنی سب سے
زیادہ مخفی بھیدوں) کو بھی جانتا ہے (تو
بلند التجاؤں کو کیوں نہیں سنے گا۔ اللہ
(اسی کا اسم ذات) ہے جس کے سوا کوئی
معبود نہیں۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی صفت خالقیت بیان کرتے ہوئے زمین، آسمانوں، عرش، ماتحت العرش اور مافوق العرش عوالم کی تخلیق کا ذکر کیا اور جو عالم زیریں میں زمین کے نیچے ہے اس کے لئے اپنی صفت مالکیت بیان کی۔ ان دونوں صفات کا ذکر کرنے کے بعد باری تعالیٰ نے ساتویں آیت میں اپنا تصور علم بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے کوئی شے مخفی نہیں

سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

۱ - اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَىْءٌ	یقیناً اللہ ہر زمین اور آسمان کی کوئی بھی
فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ○	چیز مخفی نہیں۔ وہی ہے جو (ماؤں کے)
هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ	رحموں میں تمہاری صورتیں جس طرح
كَيْفَ يَشَآءُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ	چاہتا ہے بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی

الْحَكِيْمُ○ [1]

لائقِ پرستش نہیں (وہ) بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

۲- اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ○ [2]

اللہ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

۳- وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ○ [3]

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔

۴- وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ○ [4]

اور اللہ ان (سب باتوں) کو جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

۵- يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ○ [5]

جو تمہاری پوشیدہ اور تمہاری ظاہر (سب باتوں) کو جانتا ہے۔

۶- اِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ○ [6]

بے شک وہ بلند آواز کی بات بھی جانتا ہے اور وہ (کچھ) بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔

علمِ الٰہی کے وسیع و بسیط ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا علم وسیع اور بسیط ہے۔ اس پر دلالت کرنے والی بعض آیات درج ذیل ہیں۔

---

[1] آل عمران، ۳: ۵-۶
[2] البقرہ، ۲: ۷۷
[3] النحل، ۱۶: ۱۹
[4] النور، ۲۴: ۲۹
[5] الانعام، ۶: ۳
[6] الانبیاء، ۲۱: ۱۱۰

۱- رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا۔[۱]

اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

۲- وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا۔[۲]

میرے رب نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے احاطہ میں لے رکھا ہے۔

۳- وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍo[۳]

اور وہ ہر اس چیز کو (بلاواسطہ) جانتا ہے جو خشکی میں اور دریاؤں میں ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا (مگر) وہ اسے جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب میں (سب کچھ لکھ دیا گیا)

۴- اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍo عَالِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِo سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌ بِالنَّهَارِo[۴]

اللہ جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھاتی ہے اور رحم جس قدر سکڑتے اور جس قدر بڑھتے ہیں اور ہر چیز اس کے ہاں مقرر حد کے ساتھ ہے وہ ہر نہاں اور عیاں کو جاننے والا ہے۔ سب سے برتر (اور) اعلیٰ مرتبہ والا ہے تم میں سے جو شخص آہستہ بات کرے اور جو رات (کی تاریکی) میں چھپا ہوا اور جو دن (کی

---

[۱] المومن، ۴۰: ۷
[۲] الانعام، ۶: ۸۰
[۳] الانعام، ۶: ۵۹
[۴] الرعد، ۱۳: ۸-۱۰

روشنی) میں چلتا پھرتا ہو (اس کے لئے)
سب برابر ہیں

۵۔ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝ [1]

اور آپ کے رب (کے علم) سے ایک ذرہ برابر بھی (کوئی چیز) نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس (ذرہ) سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی مگر واضح کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں درج ہے۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے

اس پر درج ذیل آیات دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ [2]

میں آسمانوں کی اور زمین کی (سب) مخفی حقیقتوں کو جانتا ہوں۔

۲۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ [3]

جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر (ان سے) فرمائے گا کہ تمہیں (تمہاری امتوں کی طرف سے دعوت دین کا) کیا جواب دیا گیا تھا وہ (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک تو ہی غیب کی سب باتوں

---

[1] یونس، ۱۰: ۶۱
[2] البقرہ، ۲: ۳۳
[3] المائدہ، ۵: ۱۰۹

کا خوب جاننے والا ہے۔

۳- تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَافِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ○ لے

تو ہر اس بات کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں ان (باتوں) کو نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ بے شک تو ہی غیب کی سب باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۴- اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ○ ۲ے

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ان کے بھید اور ان کی سرگوشیاں جانتا ہے اور یہ کہ اللہ سب غیب کی باتوں کو بہت خوب جاننے والا ہے۔

۵- وَ يَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ○ ۳ے

اور وہ (اب اسی مہلت کی وجہ سے) کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر ان کے رب کی طرف سے کوئی (فیصلہ کن) نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی۔ آپ فرما دیجئے غیب تو محض اللہ ہی کے لئے ہے۔ سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

لے المائدہ، ۵: ۱۱٦ — ۳ے یونس، ۱۰: ۲۰

۲ے التوبہ، ۹: ۷۸ — ۴ے ہود، ۱۱: ۱۲۳

۷- قُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَہٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِہٖ وَاَسْمِعْ ۔[۱]	فرما دیجئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت (وہاں) ٹھہرے رہے۔ آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں اسی کے علم میں ہیں۔ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے۔
۸- اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝[۲]	بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ بے شک وہ (لوگوں کے) دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔
۹- اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝[۳]	بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کے سب چھپے بھیدوں کو جانتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو بھی دیکھ رہا ہے۔

مذکورہ بالا آیات اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب ذاتی پر دلالت کر رہی ہیں۔ وہ آیات جن میں غیر خدا سے علمِ غیب کی نفی کا ذکر ہے وہ علمِ غیب ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔

۱۔ الکہف، ۱۸: ۲۶
۲۔ فاطر، ۳۵: ۳۸
۳۔ الحجرات، ۴۹: ۱۸

باب سوم

آیت الکرسی
اور
تصور علم غیب

مسئلہ علم غیب کی تفہیم میں آیۃ الکرسی کی اہمیت

مسئلہ علم غیب کو سمجھنے کے لئے آیۃ الکرسی کو مرکزی وکلیدی اہمیت حاصل ہے۔ اس موضوع پر ذہن میں پائے جانے والے بہت سے ابہامات واشکالات کو دور کرنے کے لئے اس آیہ کریمہ کے مطالب ومفاہیم تک رسائی حاصل کرنا از بس ضروری ہے۔ اگر یہ سمجھ میں آ جائیں تو انشاء اللہ العزیز علم غیب کے حوالے سے بہت سی گتھیاں سلجھ جائیں گی اور تشکیک کے مارے ہوئے ذہنوں میں تیقّن کے چراغ روشن ہوں گے۔

پہلے یہ بات سمجھ لی جائے کہ آیۃ الکرسی اللہ جل مجدہ کی ذات وصفات کے حوالے سے ایک جامع آیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی ابتداء میں رب ذوالجلال کے اسم ذاتی ''اللہ'' کا ذکر کر کے متلاشیانِ حق کو بتلایا جا رہا ہے کہ یہ وہ ذات ہے جو واجب الوجود، قدیم بالذات، تمام صفات کمالیہ کی جامع اور ہر نقص وعیب سے پاک ومبرا اور تنہا عبادت کے لائق ہے۔ پھر اس کی الوہیت کا اثبات معبودان باطلہ کی نفی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس کی صفات کا ذکر بایں طور کیا گیا ہے کہ وہ از خود زندہ وقائم ہے۔ جو اپنی حیات اور قیام میں کسی کا محتاج و دست نگر نہیں۔ وہ حی وقیوم ذات اونگھ، غنودگی اور نیند کی تمام تر کیفیات وعوارض سے پاک ہے۔ کائنات بالا وزیریں میں ہر جگہ اس کی حکمرانی اور عملداری ہے۔ اذنِ الٰہی کے بغیر اور اسکی منشاء کے خلاف کوئی اس کی بارگاہ میں شفاعت کرنے کی مجال اور قدرت نہیں رکھتا۔

ان صفات کو بیان کرنے کے بعد اللہ جل شانہ کی شان علم کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔ ۱؎	جو کچھ مخلوقات کے سامنے (ہو رہا ہے یا ہو چکا) ہے اور جو کچھ ان کے بعد (ہونے والا) ہے (وہ) سب جانتا ہے اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔

''هُمْ'' ضمیر کا مرجع اور مفسرین کے اقوال

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ'' میں ''ھم'' ضمیر کا مرجع کیا ہے اور اس سے کیا معنی مراد لیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ''ھم'' ضمیر کا پہلا مرجع اسی آیت کریمہ میں مذکور کلمات ''لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ'' ہیں۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو ''ھم'' ضمیر سے مراد عوالم بالا و زیریں یعنی آسمانوں اور زمین میں بسنے والی وہ ساری مخلوق ہے جو عقل و شعور کی حامل اور حصول علم کی صلاحیت رکھتی ہے۔ گویا اس میں جمیع صاحبان عقل و شعور، انبیاء، ملائکہ، جنات، انسان اور وہ ساری مخلوق شامل ہے جو علم کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو سکتی ہے۔

''ھم'' ضمیر کا دوسرا مرجع اسی آیہ کریمہ کا پچھلا حصہ ''مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ'' قرین فہم ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ''ھم'' ضمیر سے شفعاء یعنی شفاعت کرنے والے مراد ہو سکتے ہیں جو انبیاء اور ملائکہ پر مشتمل ہیں۔ اس مرجع کے

۱؎ البقرہ، ۲: ۲۵۵

اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ اللہ رب العزت شفاعت کرنے والے انبیاء اور ملائکہ سے جو کچھ پہلے ہے اور جو کچھ ان کے بعد میں ہے اس سے پوری طرح باخبر ہے اور ہر چیز اس کے علم میں ہے۔

اگر دوسرے مرجع کو مانا جائے اور اسے انبیاء و ملائکہ تک محدود کر دیا جائے تو مخلوق کے کئی بلکہ بیشتر ذی شعور طبقات خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان علم ان کے لئے بھی اسی طرح ہے جیسے وہ انبیاء و ملائکہ کے لئے ہے۔ اس بناء پر پہلے مرجع کو ترجیح دینا زیادہ بہتر اور قرین انصاف ہوگا کہ اس طرح انبیاء و ملائکہ سمیت اولین و آخرین جمیع مخلوقات اس میں از خود شامل ہو جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے بھی ''ھم'' ضمیر کے یہ دونوں مراجع بیان کئے ہیں لیکن پہلے مرجع کو ترجیح دی ہے۔ ذیل میں بعض مفسرین کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ امام اسماعیل حقیؒ لکھتے ہیں۔

والضمير لما في السموٰت وما في الارض لان فيهم العقلاء فغلب من يعقل على غيره او لما دل عليه من ذا من الملائكة والانبياء فيكون للعقلاء خاصة[۱]

اور ضمیر (ھم) ما فی السموت وما فی الارض (جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) کے لئے ہے کیونکہ ان میں عقل والے رہتے ہیں۔ پس ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر فوقیت حاصل ہے یا یہ ضمیر ''ذا'' کے مدلول ملائکہ اور انبیاء کے لئے ہے۔ بایں صورت عقل والوں کے ساتھ خاص ہو گی۔

---

[۱] روح البیان، ۱: ۴۳

۲۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قوله تعالی (یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم) الضمیر ان عائد ان علی کل من یعقل من تضمنه قوله: له ما فی السموت وما فی الارض [1]

فرمان خداوندی یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم میں دونوں ضمیریں (هم) ہر اس صاحب عقل کی طرف لوٹتی ہیں جو فرمان خداوندی له ما فی السموت وما فی الارض کے ضمن میں آتا ہے۔

۳۔ علامہ سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں:

و ضمیر الجمع یعود علی ما فی (السموت)الخ الا انه غلب من یعقل علی غیره و قیل للعقلاء فی ضمنه فلا تغلیب و جوز ان یعود علی مادل علیه (من ذا) من الملائكة والانبياء و قیل الانبیاء خاصة [2]

جمع کی ضمیر (هم) ما فی السموت ...... الخ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے کی طرف لوٹتی ہے مگر ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ حاصل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ضمیر صرف عقلاء کے ساتھ خاص ہے۔ اس طرح اس میں تغلیب کا پہلو نہیں رہتا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا مرجع ''من ذا'' کا مدلول ملائکہ اور انبیاء یا صرف انبیاء ہوں۔

۴۔ امام ابن جوزیؒ نے ''هم'' ضمیر سے مراد جمیع خلق ہی لیا ہے۔ وہ آیت کے اس

---

[1] الجامع لاحکام القرآن، ۳: ۲۷۶

[2] روح المعانی، ۳: ۹

حصے کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں:

(یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم) ظاھر الکلام یقتضی الاشارۃ الی جمیع الخلق[1]	''یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم'' میں ظاہر کلام کا تقاضا ہے کہ (ھم ضمیر کا) اشارہ جمیع خلق کی طرف ہو۔

متذکرہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ مفسرین نے پہلے مرجع کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ ضمیر جمع ''ھم'' اس آیت کریمہ کے پچھلے کلمات ''لہ مافی السموت وما فی الارض'' کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد آسمانوں اور زمین میں موجود وہ تمام مخلوق ہے جسے عقل و شعور کی نعمت ودیعت کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے ان کلمات کا مفہوم یہ ہوگا کہ آسمانوں اور زمین کی تمام عاقل اور باشعور مخلوق کے سامنے اور پیچھے جو کچھ ہے اللہ سب جانتا ہے۔

''مابین ایدیھم وما خلفھم'' سے کیا مراد ہے؟

اب یہاں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''مابین ایدیھم وما خلفھم'' (جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے) سے کیا مراد ہے؟ اس سوال کے کئی جواب اور مفہوم ہیں جنہیں ہم مختلف تفاسیر کی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔

پہلا مفہوم

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ **مابین ایدیھم** سے مراد وہ امر دنیا ہے جو اہل بینش کی نظروں کے سامنے گزر چکا ہے اور **وما خلفھم** سے مراد وہ سب کچھ ہے جو بعد میں ہوگا اور اب اہل عالم کی نظروں سے مخفی و پوشیدہ ہے۔ اس میں وہ سب امور شامل ہیں جو اخروی

---

[1] زاد المسیر، ۱: ۳۰۳

زندگی میں پیش آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان دنیوی احوال کو بھی جانتا ہے جو ان کی نظروں کے سامنے گزر چکے ہیں اور ان اخروی معاملات کو بھی جو ان کی نظروں سے ابھی پوشیدہ ہیں۔

۱- امام ابن جریر طبریؒ اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

یعلم ما بین ایدیھم ما مضی من الدنیا وما خلفھم من الآخرۃ [۱]

ما بین ایدیھم سے مراد ہے وہ دنیوی امور ہیں جو گزر چکے ہیں اور **وما خلفھم** سے مراد امور آخرت ہیں۔

امام طبریؒ کے دوسرے قول کے مطابق **ما بین ایدیھم** سے مراد وہ امور دنیا ہیں جو گزر چکے ہیں اور **وما خلفھم** سے مراد (مخلوق کے بعد والے دنیوی اور اخروی) احوال ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

قولہ یعلم ما بین ایدیھم ما مضی امامھم من الدنیا وما خلفھم ما یکون بعدھم من الدنیا والآخرۃ [۲]

فرمان خداوندی **یعلم ما بین ایدیھم** سے مراد ہے جو کچھ ان کے سامنے امور دنیا میں سے گزر چکا ہے اور **ما خلفھم** سے مراد ہے جو کچھ ان کے بعد کے دنیوی اور اخروی حالات ہیں۔

۲- امام رازیؒ نے مجاہد، عطا اور سعدی علیھم الرحمہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

(مابین ایدیھم) ما کان قبلھم من امور الدنیا (وما خلفھم) ما یکون بعدھم من امر الاخرۃ [۳]

ما بین ایدیھم سے مراد ہے جو کچھ امور دنیا میں سے ان سے پہلے گزر چکا ہے اور (**وما خلفھم**) سے مراد ہے جو کچھ ان کے بعد امر آخرت میں سے ہے۔

۱- جامع البیان، ۳: ۷

۲- جامع البیان، ۳: ۷

۳- التفسیر الکبیر، ۷: ۱۰

۳۔ علامہ محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں:

(یعلم ما بین ایدیھم) ای امر الدنیا (وما خلفھم) ای امر الاخرۃ [1]

ما بین ایدیھم (جو کچھ ان کے آگے ہے) سے مراد امر دنیا ہے اور وما خلفھم (جو کچھ ان کے پیچھے ہے) سے مراد امر آخرت ہے۔

دوسرا مفہوم

دنیا اور آخرت کے لحاظ سے "ما بین ایدیھم و ما خلفھم" کا ایک مفہوم اس سے قبل بیان کردہ مفہوم کے برعکس بھی ہے یعنی "مابین ایدیھم" (جو کچھ ان کے سامنے ہے) اس سے مراد آخرت ہے اور "وما خلفھم" (جو کچھ ان کے پیچھے ہے) سے مراد وہ سب کچھ ہے جو وہ عالم آخرت میں جانے کے بعد اپنے پیچھے چھوڑ کر آئیں گے اور یہ دنیا ہی ہے جو پیچھے رہ جائے گی۔

امام رازیؒ دوسرے مفہوم کے ذیل میں لکھتے ہیں:

(یعلم ما بین ایدیھم) یعنی الاخرۃ لانھم یقدمون علیھا (وما خلفھم) الدنیا لانھم یخلفونھا وراء ظھورھم [2]

یعلم ما بین ایدیھم سے مراد آخرت ہے کیونکہ وہ آخرت میں آئیں گے اور ما خلفھم سے مراد دنیا ہے کیونکہ وہ اسے اپنی پس پشت چھوڑ آئیں گے۔

متذکرہ بالا دونوں مفاہیم سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی جمیع مخلوق جو اہل عقول ہے کے دنیوی امور و احوال کو بھی جانتا ہے اور

---

[1] روح المعانی، ۳: ۹

[2] التفسیر الکبیر، ۷: ۱۰

ان کے اخروی حالات و واقعات سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ دونوں صورتوں میں بات ایک ہی ہے اور اس سے ہم ایک ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

تیسرا مفہوم

"ما بین ایدیھم" سے مراد حاضر و مشہود ہے اور اس کا معنی وہ سب کچھ ہے جو آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے یعنی وہ عالم جو ہم بچشمِ سر دیکھتے ہیں اسے حاضر و مشہود کہتے ہیں۔ اس کے برعکس "وماخلفھم" سے مراد غائب ہے کہ جو پیچھے ہوتا ہے اور ہماری نظروں سے اوجھل ہے اسے غائب کہا جاتا ہے۔

۱۔ امام رازیؒ آیت کے اس حصہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عطاؒ کا قول نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے سیدنا حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

(یعلم ما بین ایدیھم) من السماء الی الارض (وما خلفھم) یرید ما فی السموت [1]

"یعلم ما بین ایدیھم" سے مراد ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان سے زمین تک ہے اور "وما خلفھم" (جو کچھ ان کے پیچھے ہے) سے مراد ہے جو کچھ آسمانوں کے اندر ہے (اللہ اسے بھی جانتا ہے)۔

آسمان سے لے کر زمین تک جو کچھ ہے وہ مخلوق خدا کے لئے حاضر اور مشہود ہے اور جو کچھ آسمانوں کے اندر ہے وہ مستور اور آنکھوں سے غائب ہے۔

۲۔ امام ابوحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں:

ما بین ایدیھم ما اظھروا وما

مابین ایدیھم سے مراد ہے جو کچھ ان

---

[1] التفسیر الکبیر، ۷: ۱۰

خلفھم ما کتموہ ؎۱ — کے سامنے ظاہر ہے اور وما خلفھم سے مراد ہے جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے۔

اسی حاضر اور غائب کے مفہوم کو امام ابوحیان اندلسیؒ ایک دوسرے انداز میں بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

مابین ایدیھم الحاضر من افعالھم و احوالھم وما خلفھم ما سیکون ؎۲ — ''ما بین ایدیھم'' سے مراد ہے جو کچھ ان کے افعال واحوال سے حاضر ہے اور ''وما خلفھم'' سے مراد ہے جو کچھ عنقریب واقع ہوگا۔

اس اعتبار سے ''مابین ایدیھم وما خلفھم'' کا معنی یہ ہوا کہ جو کچھ مخلوق کے مشاہدے کے لئے حاضر ہے خواہ وہ ان کے افعال ہوں یا احوال، اللہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ان کی نظروں سے اوجھل اور غائب وہ اسے بھی جانتا ہے۔ یہاں غیوبت اور شہادت دونوں چیزیں پہلو بہ پہلو ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت کی اس شان کا تذکرہ یوں ہوا ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؎۳ — پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے۔

چوتھا مفہوم

''ما بین ایدیھم'' سے مراد خلقِ مخلوق سے پہلے کے احوال ہیں اور ''ما خلفھم'' سے مراد خلق مخلوق کے وہ احوال ہیں جو بعد میں وقوع پذیر ہوں گے۔

؎۱ البحر المحیط، ۲: ۲۷۹

؎۲ البحر المحیط، ۲: ۲۷۹

؎۳ الزمر، ۳۹: ۴۶

۱۔ ابوحیان اندلسیؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

مابین ایدیھم ھو ما قبل خلقھم وما خلفھم ھو ما بعد خلقھم[1]

"ما بین ایدیھم" سے مراد ہے جو کچھ ان کی تخلیق سے قبل تھا اور "ماخلفھم" سے مراد ہے جو کچھ ان کی تخلیق کے بعد ہوگا۔

۲۔ علامہ بیضاویؒ اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں:

یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ما قبلھم و ما بعدھم[2]

"یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم" کا معنی ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان سے پہلے تھا اور جو کچھ ان کے بعد ہوگا۔

۳۔ شیخ اسماعیل حقیؒ نے "مابین ایدیھم" سے مراد مخلوق کی موت کے بعد پیش آنے والے تمام واقعات لئے ہیں جبکہ "ما خلفھم" سے انہوں نے تخلیق سے پہلے جو کچھ تھا وہ مراد لیا ہے۔

وہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ما بین ایدیھم بعد انقضاء اجالھم وما خلفھم ای ما کان قبل ان یخلقھم[3]

"مابین ایدیھم" سے مراد ہے جو کچھ ان کی اموات کے بعد ہو گا اور "ماخلفھم" سے مراد ہے جو کچھ ان کی تخلیق سے پہلے تھا۔

اس لحاظ سے "یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم" کا معنی یہ ہوا کہ اللہ

---

[1] البحر المحیط، ۲: ۲۷۹

[2] انوار التنزیل، ۱: ۲۱۶

[3] روح البیان، ۲: ۲۰۲

تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کی تخلیق سے پہلے جو کچھ تھا اسے بھی جانتا ہے اور ان کی تخلیق کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اسے بھی جانتا ہے۔

پانچواں مفہوم

''مابین ایدیھم'' سے مراد ہے جو کچھ تمہارے علم میں ہے اور ماخلفھم سے مراد ہے جو کچھ تمہارے علم میں نہیں۔

علامہ بیضاویؒ اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم۔ او ما یدرکونه وما لا یدرکونه [1]	یعلم ما بین ایدیھم وماخلفھم سے مراد ہے کہ جو کچھ وہ جانتے ہیں اور جو کچھ وہ نہیں جانتے سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بھی یہی مفہوم مراد لیا ہے:

مایدرکونه وما لا یدرکونه [2]	جو کچھ وہ جانتے ہیں اور جو کچھ وہ نہیں جانتے سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

تو پانچواں مفہوم یہ ہوا کہ لوگو! جو کچھ تمہارے علم میں ہے اس سے کہیں بہتر بدرجہ اولیٰ اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی ہے اور جو کچھ تمہارے علم میں نہیں اللہ اسے بھی جانتا ہے۔

چھٹا مفہوم

تفسیر روح البیان میں امام اسماعیل حقیؒ نے مذکورہ بالا مفاہیم کے علاوہ ایک اور

---

[1] انوار التنزیل، ۱: ۲۱۶

[2] التفسیر المظھری، ۱: ۳۵۸

مفہوم بیان کیا ہے۔ یہ مفہوم ان کلمات کی تفسیر صوفیانہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(یعلم) محمد ﷺ ما بین ایدیھم من الامور الاولیات قبل خلق اللہ الخلائق کقولہ (اول ما خلق اللہ نوری) وما خلفھم من احوال القیامۃ و فزع الخلق و غضب الرب و طلب الشفاعۃ من الانبیاء و قولھم نفسی نفسی و حوالۃ الخلق بعضھم الی بعض حتی بالاضطرار یرجعون الی النبی ﷺ لاختصاصہ بالشفاعۃ ؎

حضور نبی کریم ﷺ جانتے ہیں جو کچھ مخلوق سے پہلے ہوا یعنی وہ امور جو پہلے ہو گزرے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی مخلوق کو پیدا ابھی نہیں فرمایا تھا جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا'' اور ما خلفھم اور جو ان کے بعد ہوگا جیسے قیامت کے ہولناک معاملات و احوال، مخلوق کی گھبراہٹ اور اللہ تعالیٰ کا غضب میں ہونا، انبیاء علیہم السلام سے شفاعت کا طلب کیا جانا اور ان کا نفسی نفسی پکارنا پھر مخلوق کا ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف جانا یہاں تک کہ سخت پریشانی کے عالم میں سرور عالم ﷺ کے حضور باریاب ہونا کیونکہ شفاعت کبریٰ صرف آپ سے ہی مخصوص ہے۔

مندرجہ بالا پہلے پانچ مفاہیم سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے کہ علمِ الٰہی کی شان یہ ہے کہ کائنات ارض و سماوات میں جتنی مخلوق آباد ہے اس کے اگلے پچھلے، ظاہری، باطنی تمام حالات نیز ان کی زندگی کے جملہ معاملات و احوال کا اللہ تعالیٰ کو

؎ روح البیان، ۱: ۴۰۳

مکمل علم ہے اور اسکی شان یہ ہے کہ اسکا یہ علم من کل الوجوہ محیط ہے۔

امام ابن کثیرؒ اس پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

(یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم) دلیل علی احاطة علمه بجمیع الکائنات ما فیها و حاضرها و مستقبلها [1]

یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات اور اس کے اندر جو کچھ ہے اور جو کچھ اس کائنات میں حاضر ہے اور جو کچھ اس کائنات کا مستقبل ہے سب پر محیط ہے۔

امام موصوف کے بقول علمِ الٰہی کی شان یہ ہے کہ وہ جمیع مخلوق کے جملہ معاملات پر کلیتًا حاوی اور محیط ہے۔

امام ابوحیان اندلسیؒ اس موضوع پر لکھتے ہیں:

فالمعنی انه تعالی عالم سائر احوال المخلوقات لا یعزب عنه شیٔ فلا یراد بما بین الایدی ولا بما خلفهم شیٔ معین کما ذهبوا الیه [2]

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے تمام احوال کو جاننے والا ہے اور اس کے علم سے کوئی شئے بھی غائب نہیں۔ پس ''جو کچھ سامنے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے'' سے کوئی معین چیز مراد نہیں جیسا کہ جمہور مفسرین کا موقف ہے۔

اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور آئندہ جو واقعات پردہ غیب سے ظہور پذیر ہونے والے ہیں وہ سب بلا استثناء اور بغیر کم و کاست اللہ رب العزت کے علم میں ہیں۔ اگر

---

[1] تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۰۹

[2] البحر المحیط، ۲: ۲۷۹

اللہ تعالیٰ کی اس شانِ علم کا کما حقہ ادراک کر لیا جائے تو پھر اس فیصلے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ اس خالق کائنات جو علیم وخبیر ہے کی طرف سے کونسا علم مخلوق کے لئے ثابت کیا جا سکتا ہے اور کونسا علم ہے جس کا مخلوق کے لئے اثبات ممکن نہیں۔ اس پر مستزاد یہ تعین کرنا بھی ممکن ہے کہ انسان کے لئے کس علم کے ثابت کرنے سے شرک واقع ہوتا ہے اور کس علم کے ثابت کرنے سے شرک واقع نہیں ہوتا۔ اللہ کی شان علم پوری طرح سمجھ لی جائے تو کوئی مسئلہ لاینحل نہیں رہتا اور ہر عقدہ خود بخود وا ہو جاتا ہے۔

احاطہ علم کی نفی اور مخلوق کا مرتبہ علم

آگے ارشاد فرمایا:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَآءَ۔[1]

اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔

آیہ کریمہ کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ کے اپنے علم کے بارے میں یہ بات طے ہے کہ اس کا علم ہر شئے پر حاوی اور محیط ہے۔ اس سے آگے اب اللہ تعالیٰ کی شان علم کے ساتھ مخلوق کے مرتبہ علم کی بات ہو رہی ہے کیونکہ یہاں **ولا یحیطون** کا فاعل انبیاء، ملائکہ اور دیگر جمیع مخلوق ہے۔

امام اسماعیل حقیؒ **ولا یحیطون** کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

(ولایحیطون) ای لا یدرکون یعنی من الملائکة والانبیاء وغیرهم۔[2]

(اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے) کا مطلب ہے کہ وہ یعنی ملائکہ، انبیاء اور دیگر مخلوق ادراک نہیں کر سکتے۔

---

[1] البقرہ، ۲: ۲۵۵

[2] تفسیر روح البیان، ۱: ۴۰۳

اس سے مطلقاً علم مخلوق کی نفی نہیں بلکہ احاطہ علم کی نفی ہے۔ **من علمه** میں ''ہ'' ضمیر کا مرجع ''اللہ'' ہے اور من تبعیض کے لئے ہے اور ''شئی'' پھر تبعیض ہے جبکہ شئے کے آخر میں آنے والی تنوین تنکیر کا فائدہ دے رہی ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ وہ اللہ کے علم میں سے کسی معمولی شئے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔

علم اور احاطہ علم میں فرق

علم اور احاطہ علم میں کیا فرق ہے۔ یہ جاننے کے لئے ضروری ہے کہ علم اور احاطہ علم کے لغوی معانی اچھی طرح سمجھ لئے جائیں۔

العلم ادراک الشئ بحقیقته [۱]	کسی شئے کی حقیقت کو جاننا علم ہے۔

اور

الاحاطة ادراک الشئ بکماله ظاهرا و باطنا۔ [۲]	کسی شئے کو ظاہراً و باطناً مکمل طور پر جاننا احاطہ کہلائے گا۔

امام ابوحیان اندلسیؒ لفظ احاطہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

الاحاطة تقتضی الحفوف بالشئ من جمیع جهاته والاشتمال علیه [۳]	احاطہ کسی شئے کو اس کی تمام جہات اور مشتملات سمیت گھیر لینے کا تقاضا کرتا ہے۔

امام ابن جوزیؒ اس کی شرح یوں بیان کرتے ہیں:

یقال لکل من احرز شیئا او بلغ	ہر اس شخص کے لئے جو کسی شئے کو اپنے علم

---

۱. المفردات

۲. التعریفات، ۳۲

۳. البحر المحیط، ۲: ۲۷۹

علمه اقصاه قد احاط به [۱]	کے دائرے میں جمع کر لے یا اس کا علم اس شئے کی آخری حدوں تک پہنچ جائے کہا جاتا ہے کہ اس نے اس شئے کا احاطہ کرلیا ہے۔

علامہ محمود آلوسیؒ احاطہ علم کا مفہوم ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

الاحاطة بالشئ علما علمه كما هو على الحقيقة والمعنى لا يعلم احد من هؤلاء كنه شئ ما من معلوماته تعالى (الا بماشاء) ان يعلم [۲]	علماً کسی شئے کا احاطہ کرنا اس شئے کی حقیقت کو جاننا ہے اور مذکورہ کلمات کا معنی ہے کہ یہ سب (ملائکہ انبیاء اور دیگر مخلوق) اللہ تعالیٰ کی معلومات میں سے کسی شئے کی کنہ کو نہیں جانتے مگر اتنا جتنا اللہ چاہے کہ وہ جان لیں۔

علم اور احاطہ کے باہم تقابل سے معلوم ہوا ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے کسی شئے کی حقیقت کو جاننا علم اور کسی شئے کی حقیقت کو اس طرح جاننا کہ اس شئے کی حقیقت کا کوئی پہلو کوئی گوشہ کوئی سمت اور کوئی جہت حتیٰ کہ کوئی جزو بھی علم سے کسی وقت بھی خارج نہ ہو، احاطہ علم کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے شانِ علم سے تو نوازتا ہے مگر احاطہ علم فقط اس کی اپنی شان ہے جس میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں اور یہ شان مخلوق میں سے کسی فرد کو بھی حاصل نہیں۔

---

۱ زاد المسیر، ۱: ۳۰۴

۲ روح المعانی، ۳: ۹

علمِ محیط خالق کی اور علمِ محاط بندے کی صفت ہے

جس علم میں احاطہ علم کی صفت موجود ہو اسے علم محیط کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے مگر جو علم کل نہ تھا آج آ گیا یا آج نہیں کل آ جائے گا یعنی اس کی حدود وقت کے ساتھ پھیلتی جاتی ہوں وہ علم محاط ہے' یہ مخلوق کی شان ہے۔

اس کی مثال دائرہ سے دی جا سکتی ہے۔ دائرے کے اندر کا کل رقبہ اور چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی محاط ہے جبکہ دائرہ تشکیل دینے والی پرکار سے کھینچی ہوئی لکیر اس کا محیط ہے۔ محاط نسبت کے اعتبار سے کل تو ہو سکتا ہے محیط نہیں ہو سکتا۔ محیط وہ ہے جو محاط کے اوپر ہے اس لئے کل اور جز دونوں محاط کے اندر آ سکتے ہیں۔

علم محیط اور علم محاط میں یہ فرق ہے کہ علم محیط اللہ کی شان اور صفت ہے جبکہ علم محاط بندے کی صفت ہے۔ اب علم محاط خواہ پوری ارضی مخلوق کے علم پر حاوی ہو وہ مخلوق کے لئے جائز ہو گا کیونکہ اس کا دائرہ محیط جو کہ علم الٰہی ہے سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کو یوں بیان فرمایا گیا:

۱۔ اِنَّ اللهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۞[۱] — جو کچھ وہ کر رہے ہیں بے شک اللہ اس پر احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

۲۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۞[۲] — اور اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں (اسے) احاطہ کئے ہوئے ہے۔

---

[۱] آل عمران، ۳: ۱۲۰

[۲] النساء، ۴: ۱۰۸

۳۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ۝[۱] — اور اللہ ہر چیز کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

۴۔ اِنَّ رَبِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝[۲] — بے شک میرا رب تمہارے (سب) کاموں کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

۵۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔[۳] — اور اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے (یعنی وہ ہر شئے) کو اپنے علم سے گھیرے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ چونکہ مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے دائرے میں شامل ہے اس لئے مخلوق کا علم علم محاط ہوگا۔ مخلوق کے علم کے بارے میں قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝[۴] — اور تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَ فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ [۵] — اور ہر صاحب علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے۔

اس میں علم کی حدود اور درجہ بندی کو بیان کیا گیا ہے۔ علم کا سیکھنا اور سکھانا ایک ارتقائی عمل ہے۔ ہر صاحب علم کے اوپر درجہ بدرجہ اور علم والے موجود ہوتے ہیں مگر ایک ہی

---

۱ النساء، ۴: ۱۲۶
۲ هود، ۱۱: ۹۲
۳ الطلاق، ۶۵: ۱۲
۴ الاسراء، ۱۷: ۸۵
۵ يوسف، ۱۲: ۷۶

ذات ہے جسے علیم مطلق کہا جا سکتا ہے جسے قرآن حکیم نے اللہ جل شانہ کے حوالے سے یوں بیان فرمایا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۝ ۱ — اور اللہ ہر چیز سے بہت واقف ہے۔

مخلوق کا علم قلیل ہے اور اپنے اندر تدریج کا پہلو رکھتا ہے اس لئے جو علم قلیل ہو اور تدریجی سطح پر آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ علم علم محیط نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا علم علمِ محاط ہو گا۔

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خانؒ اپنی کتاب مستطاب میں رقم طراز ہیں۔

فعلم المخلوق الحاصل بالفعل و ان کثر ماکثر حتی یشمل کل مافی العرش والفرش من اول یوم الی الیوم الاخر والوف الاف امثال ذلک لا یکون قط الا متناهیا بالفعل لان العرش و الفرش حدان حاصران و اول یوم الی الیوم الاخر حدان اخران وما کان محصورا بین حاصرین لا یکون الا متناهیا ۲

مخلوق کا علم اگرچہ کتنا ہی کثیر و بسیار ہو یہاں تک کہ عرش و فرش میں روز اول سے روز آخر تک اور اس سے کروڑوں مثل سب کو محیط ہو جائے پھر بھی محدود بالفعل ہو گا اس لئے کہ عرش و فرش کے دو کنارے گھیرنے والے ہیں اور روز اول سے روز آخر تک یہ دوسری دو حدیں ہوئیں اور جو چیز دو گھیرنے والوں میں گھری ہو وہ نہ ہو گی مگر متناہی۔

یہ بات ذہن میں مستحضر رہے کہ آیۃ الکرسی کے زیر نظر حصے میں بھی اللہ جل شانہ نے بشمول انبیاء، صلحاء، ملائکہ اور سب مخلوق کے لئے احاطہ علم کی نفی فرمائی ہے۔ مطلقاً علم کی

---

۱ المائدہ، ۵: ۹۶

۲ الدولۃ المکیۃ بالمادہ الغیبیہ : ۲۴

نفی نہیں فرمائی۔ اگر مخلوق کے لئے مطلق علم کی نفی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ''ولا یحیطون'' کی بجائے ولا یعلمون فرماتا۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ولم یقل ولا یعلمون شیئا تنبیھا علی ان العلم التام المحیط بکنہ الاشیاء کلھا مختص بہ تعالی ولا یوجد احاطۃ علم غیرہ بکنہ شئ الا نادرا۔[۱]

اور یہ نہیں فرمایا و لایعلمون شیئا (اور وہ کسی چیز کو نہیں جانتے) اس بات کی طرف متنبہ فرماتے ہوئے کہ تمام اشیاء کی کنہ کا علم تام اور محیط اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے علم کا کسی شئے کی کنہ کو محیط ہونا (جزواً بھی) نادرالوقوع ہے۔

مخلوق کے لئے علم کا اثبات ''الا بما شاء'' سے بھی ہو رہا ہے:

یہاں پر مخلوق کیلئے نفی علم محیط کی گئی ہے علم محاط کی نہیں، مخلوق کیلئے دونوں ثابت ہیں اس میں کلی محاط بھی اور جزئی محاط دونوں شامل ہیں اور علم کی دونوں سرحدیں محیط علم کو نہیں چھو سکتیں اس لئے کہ ان کا احاطہ کوئی متنفس نہیں کر سکتا۔

جزئی علمِ محاط

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے تمام اشیاء کو پیش فرمایا اور حکم دیا۔

أَنۢبِـُٔونِى بِأَسْمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ○[۲]

مجھے ان اشیاء کے نام بتا دو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہو۔

---

[۱] التفسیر المظھری، ۱: ۳۵۸

[۲] البقرہ، ۲: ۳۱

تو فرشتے عرض کرنے لگے۔

سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ O [1]

تیری ذات (ہر نقص سے) پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر اسی قدر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے بیشک تو ہی (سب کچھ) جاننے والا حکمت والا ہے۔

فرشتوں نے یہ اقرار کر کے اس بات کا اعتراف کرلیا کہ باری تعالیٰ اپنی بارگاہ میں سے جو علم معلومات تو نے ہمیں عطا کیا ہے ہم صرف وہی جانتے ہیں پس ثابت ہوا کہ اللہ کی معلومات میں سے علم حاصل ہوسکتا ہے البتہ ان کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ اگر احاطہ ہونا تسلیم کرلیا جائے تو بندہ لامحالہ طور پر اللہ تعالیٰ کی صفت علم میں شریک ہوجائے گا یہ عقیدہ رکھنا کفر اور شرک ہے۔

اس آیہ کریمہ میں علم کا مطلب ہے کہ جو اشیاء امتحان کیلئے پیش کی جارہی ہیں ان کے بارے میں جتنا علم تو نے ہمیں دیا ہے ہم وہی جانتے ہیں اور جو نہیں دیا وہ نہیں جانتے یہ جزئی علم محاط کی صفت مخلوق کو ارزانی کی گئی ہے۔

کلی علم محاط

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان تمام اشیاء کی معلومات پہلے ہی عطا فرمادی تھیں جو فرشتوں کے سامنے پیش کی گئیں اور جن کے بارے میں انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ قرآن کا یہ فرمان

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا [2]

اور اللہ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیئے۔

---

[1] البقرہ' ۲:۳۲ [2] البقرہ' ۲:۳۱

اس امر کا مظہر ہے کہ یہاں پر لفظ کل کا استعمال آدم علیہ السلام کو کل اسماء کا علم عطا کرنے کی دلیل ہے اور اس سے علم محاط کے باب میں کل کا اثبات کیا جا رہا ہے۔

امام ابن کثیرؒ آیہ مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

الصحیح انه علمه اسماء الاشیاء کلها ذواتها و صفاتها و افعالها کما قال ابن عباس حتی الفسوة والفسیة یعنی ذوات الاسماء و الافعال المکبر و المصغر [1]	صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے ناموں ان کی شکلوں ان کی خصوصیات اور افعال کا علم عطا فرما دیا تھا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیالی اور پیالے تک کا علم عطا فرما دیا تھا یعنی تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے ناموں اور افعال کا علم عطا فرما دیا تھا۔

صحیح بخاری میں حدیث شفاعت میں مذکور ہے کہ جب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو یوں عرض کریں گے۔

انت أدم ابو الناس خلقک الله بیده واسکنک جنته و اسجد لک ملائکة و علمک اسماء کل شئ فاشفع لنا عند ربک حتی	آپ انسانوں کے باپ حضرت آدمؑ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا اور اپنے فرشتوں سے آپ کیلئے سجدہ کروایا اور آپ کو تمام چیزوں کے

---

[1] (تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۷۳)

يريحنا من مكاننا هذا الخ [۱]

نام سکھائے آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمادیں تاکہ ہمیں آج اس جگہ سے نجات ملے۔

اس حدیث مبارکہ میں بھی لفظ کل استعمال ہوا ہے اللہ رب العزت نے نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کا علم کلی دینے کی بات کی بلکہ عملی طور پر ان کے بیان کر دینے سے اس کو ثابت بھی کر دیا۔ ارشاد فرمایا

فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَاءِ هِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [۲]

جب آدم نے انہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کیا تو (اللہ نے) فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں کی اور زمین کی (سب) مخفی حقیقتوں کو جانتا ہوں

جب حضرت آدم علیہ السلام تمام اشیاء کے بارے میں بیان کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے علم کو اپنے علم غیب کی دلیل قرار دیتے ہوئے فرشتوں پر یہ واضح فرمادیا کہ میں عالم الغیب ہوں یہ میرے اختیار میں ہے کہ میں جس کو جتنا چاہتا ہوں دے دیتا ہوں۔ تمہیں علم محاط کے درجے میں جزئی علم دے دیا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم محاط کے درجے میں کلی علم عطا کر دیا۔ دونوں صورتوں میں شرک نہ ہوا کیونکہ ان دونوں درجوں پر میرا علم محیط اور حاوی ہے میرا علم ہر جز پر اسی طرح محیط ہے جس طرح وہ محاط والے کلی علم پر محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے محاط کے درجے میں جزئی علم عطا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا

---

[۱] صحيح البخاری، ۲: ۱۱۰۸ کتاب التوحيد

[۲] البقرہ، ۲: ۳۳

ہے محاط کے درجے میں کلی علم سے نواز دیتا ہے اور یہ سارے کل اور جز مل کر بھی اللہ کی شان علم کے مقابلے میں اس کی معلومات کے جز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مثال سے وضاحت

اس کی مثال یوں ہے کہ اللہ پاک اولیاء کو جو علم محاط عطا کرتا ہے وہ سارے کا سارا علم مل کر بھی انبیاء علیہم السلام کے علم کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے سات سمندروں کے مقابلے میں ایک قطرہ درآنحالیکہ ان کا علم بعضوں کی نسبت سے کل ہوگا۔ اور اولیاء کا علم محاط کے درجے میں کل ہو کر بھی انبیاء کے علم کے مقابلے میں جز رہے گا۔ اور تمام انبیاء کا علم اپنی اپنی سطح اور مرتبے پر کل ہو کر بھی علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے سات سمندروں کے مقابلے میں ایک قطرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم محاط کے درجے میں انبیاء علیہم السلام کی طرف سے کل ہو کر بھی علم الٰہی کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے سات سمندروں کے مقابلے میں ایک قطرہ ہو۔ سمندروں کی مثال سمجھانے کی غرض سے ہے ورنہ لیس کمثله شیٔ۔ اللہ تعالیٰ کسی تمثیل سے پاک ہے۔ کوئی تشبیہ اور کوئی استعارہ اس کی مثلیت کو بیان نہیں کر سکتا۔

معلومات الٰہیہ میں سے کسی معلوم کا احاطہ مخلوق کیلئے ممکن نہیں لیکن اگر وہ علم محاط ہو تو ذات باری تعالیٰ جتنا چاہے عطا فرما دے اس کی عطا پر کوئی قدغن نہیں' الا بما شاء میں کلمہ ما عام ہے اللہ ایک دانے سے لیکر کروڑوں' عربوں' کھربوں دانوں پر بھی ما کا اطلاق ہوتا ہے۔ علم محیط کسی کو عطا نہیں کیا جاتا جبکہ علم محاط عطا تو ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ اپنی معلومات کے سمندر میں سے جتنا چاہے عطا کر دے' دست قدرت سے کسی کو چلو بھر عطا کر دے کسی کو چاہے تو سمندر عطا کر دے یہ اس کی شان کریمی ہے۔

علمہ سے کیا مراد ہے؟

قرآن نے ارشاد فرمایا:

وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖ۔ [۱]

وہ اللہ کے علم میں سے کسی شئے کا احاطہ نہیں کرتے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''علمہ'' سے کیا مراد کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر علمہ کے تین معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

پہلا معنی: معلومات الٰہیہ

ولا یحیطون بشیء من علمہ میں ''علمہ'' سے وہ معلومات الٰہیہ مراد ہیں جن کی نوعیت اور جامعیت کا کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ اکثر مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس معنی کو ترجیح دی ہے۔

۱۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

المراد بالعلم ھھنا المعلوم والمعنی ان احدا لا یحیط بمعلومات اللہ تعالی۔ [۲]

یہاں پر علم سے مراد معلوم ہے اور معنی آیت یہ ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی معلومات کا احاطہ نہیں کرتا۔

۲۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

العلم ھنا بمعنی المعلوم ای ولا یحیطون بشیء من معلوماتہ۔ [۳]

یہاں پر علم بمعنی معلوم ہے یعنی وہ معلومات الٰہیہ میں سے کسی شئے کا احاطہ نہیں کرتے۔

---

۱. البقرہ، ۲:۲۵۵

۲. التفسیر الکبیر، ۷: ۱۱

۳. الجامع لاحکام القرآن، ۲: ۲۷۶

۳۔ امام ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

والمراد بالعلم ھاھنا المعلوم۔[۱] یہاں پر علم سے مراد معلوم ہے۔

۴۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا یحیطون بشیٔ من علمه ای من معلوماته۔[۲] ار وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں سے یعنی معلومات میں سے کسی شئے کا احاطہ نہیں کرتے۔

معلومات کا معنی مفسرین نے بایں طور کیا ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت قائمہ ہے اور اسے صرف اللہ رب العزت کے ساتھ ہی خاص کیا گیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کی تبعیض ممکن نہیں یعنی اس کے علم کا کوئی جز نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جز صرف معلومات کا ہوتا ہے اور آگے الا بما شاء (مگر جس قدر اللہ چاہے) کی صورت میں جو حرفِ استثناء آیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت قائمہ ہے، اس میں مخلوق میں سے کسی کے لئے استثناء نہیں ہوسکتا۔

امام رازیؒ نے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علم کے اثبات کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

احتج بعض الاصحاب بھذه الایة فی صفة العلم للہ تعالیٰ وھو ضعیف لوجوہ احدھا انکلمة "من" للتبعیض و ھی داخلة ھھنا علی العلم، فلو کان

کچھ علماء نے اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علم کو ثابت کیا ہے اور یہ قول ان وجوہات کی بناء پر ضعیف ہے پہلا یہ کہ کلمہ ''من'' جزئیت کے لئے آتا ہے اور یہاں یہ کلمہ علم پر داخل ہے۔ اگر

---

[۱] زاد المسیر، ۱: ۳۰۴

[۲] التفسیر المظھری، ۱: ۳۵۸

المراد من العلم نفس الصفة لزم دخول التبعيض فی صفة اللہ تعالی وھو محال (والثانی) ان قولہ (بما یشاء) لا یاتی فی العلم انما یاتی فی المعلوم (والثالث) ان الکلام انما وقع ھھنا فی المعلومات والمراد انہ تعالی عالم بکل المعلومات و الخلق لایعلمون کل المعلومات بل لا یعلمون منھا الا القلیل.[1]	یہاں علم سے مراد نفس صفت لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی صفت میں جزئیت لازم آئے گی جو کہ محال ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان الا بماشاء (استثناء) کا اطلاق صفت علم پر نہیں ہو سکتا بلکہ معلومات پر ہوگا۔ تیسرے یہ کہ یہاں پر کلام معلومات کے لئے وارد ہوا ہے جس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا جاننے والا ہے اور مخلوق تمام معلومات کو نہیں جانتی بلکہ وہ تو اس میں سے بہت ہی کم جانتی ہے۔

علمہ کے پہلے معنی کے لحاظ سے ''ولایحیطون بشیء من علمہ الا بماشاء'' کا معنی ہوگا کہ وہ معلومات الٰہیہ میں سے کسی شئے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے اس پہلے معنی سے اللہ تعالیٰ کی جمیع معلومات اور علم محیط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ذات الٰہی معلوم نہیں علیم ہے

معلوم وہ ہو سکتا ہے جو علم کے احاطہ میں ہو۔ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطہ میں ہے اس لئے وہ معلوم کا درجہ رکھتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی کے علم کے احاطہ میں نہیں لہٰذا اس کے لئے معلوم نہیں کہا جائے گا۔

---

[1] التفسیر الکبیر، ۷: ۱۱

قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۔[1] اور وہ (اپنے) علم سے اس (کے علم) کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

یہاں ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات معلوم نہیں تو پھر وہ کیا ہے۔
اس کا جواب یہ ہے اور یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ وہ ذات علیم ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

وَاَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ○[2] اور اللہ ہر چیز سے بہت واقف ہے۔

دوسری جگہ پر فرمایا:

اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ○[3] آپ کا رب ہی سب کو پیدا فرمانے والا خوب جاننے والا ہے۔

جب بھی ذات باری تعالٰی کی بات ہو گی اس کے لئے لفظ معرفت بولا جائے گا کیونکہ مخلوق کو ذاتِ خدا کا علم نہیں بلکہ معرفت نصیب ہوتی ہے۔

علم اور معرفت میں فرق

علم جاننا اور معرفت پہچاننا ہے۔ علم کی تعریف پہلے بیان ہو چکی اور معرفت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

المعرفة و العرفان ادراک الشئ بتفکر و تدبر لاثره و هو اخص من العلم و یضاده

معرفت اور عرفان کے معنی ہیں کسی چیز کی علامات و آثار پر غور و فکر کر کے اس ادراک کر لینا۔ یہ علم سے اخص ہے یعنی

---

[1] طه، ۲۰: ۱۱۰
[2] المائده، ۵: ۹۷
[3] الحجر، ۱۵: ۸۶

الانکار و یقال فلان یعرف اللہ ولا یقال یعلم اللہ۔ [1]	کم درجہ رکھتا ہے اور یہ الانکار کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے فلان یعرف اللہ تو کہا جاتا ہے مگر فلان یعلم اللہ استعمال نہیں ہوتا۔

چونکہ ذات باری تعالیٰ وہ ہستی ہے جس کا علم نہیں بلکہ معرفت حاصل ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا بن دیکھے مان لیا جانا ہی عقیدہ توحید کی اساس ہے اور یہی ایمان بالغیب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی نسبت سوچنے اور غور وفکر کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے اس لئے یہ تلقین کی گئی ہے۔

تفکروا فی آلاء اللہ و لا تفکروا فی ذات اللہ۔ [2]	اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر نہ کیا کرو۔

خدا تعالیٰ کی ذات میں سوچنا اور تفکر کرنا گمراہی کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ وہ ذات معلوم نہیں بلکہ علیم ہے۔ جو معلوم ہو وہ محاط ہوتا ہے اور جو علیم ہو وہ محیط ہوتا ہے اور تصور اس کا کیا جا سکتا ہے جو تصور کے احاطے میں آ سکے اور وہ ذات جو تصورات کی رسائی سے بلند اور ماوراء ہو بلکہ تصورات پر بھی محیط ہو تو پھر اس کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کا علم نہیں بلکہ معرفت حاصل ہوتی ہے اور معرفت کا حصول علامتوں اور نشانیوں سے ممکن ہوتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کو براہ راست نہیں جانا جا سکتا بلکہ اس کی پہچان کسی ذریعہ سے ممکن ہے کیونکہ اگر اس کا علم ہونا ممکن ہوتا تو براہ راست ہو جاتا۔ چونکہ اس کی

---

1. المفردات فی غریب القرآن، ۳۴۰
2. الجامع الصغیر، ۱: ۱۳۲

معرفت ہوتی ہے اور معرفت براہ راست نہیں بلکہ ذرائع، وسائل اور مظاہر سے ہوتی ہے اس لئے اس کی ذات کے جلوے کسی میں چمکتے اور منعکس ہوتے دکھائی دیتے ہیں اور اس کے جلووں کو دیکھ کر ہی اس کی خبر ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں ذات باری تعالیٰ کے اثبات میں ارشاد فرمایا گیا:

سَنُرِيهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ [۱]

ہم عنقریب ان کو دنیا میں خود ان کی ذات میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر کھل جائے گا کہ وہ ذات حق ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ [۲]

اور (اے لوگو!) خود تمہارے نفسوں میں بھی (اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں) پھر کیا تم غور نہیں کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی معرفت کسی کو براہ راست نہیں ہو سکتی بلکہ وہ اسے اس کے اندر سے ملے گی یا خارج سے ملے گی۔ اب جو شخص درمیانی واسطے اور ذریعے کا انکار کر کے خدا کی معرفت حاصل کرنا چاہے تو اس کا حال یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کا علم تو اس کے لئے پہلے ہی ناممکن تھا۔ اب معرفت کے دروازے بھی اس پر بند ہو گئے۔ معرفت کے لئے واسطہ شرط ہے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ واسطہ مخلوق کا ہوتا ہے خالق کا نہیں کیونکہ خالق تو مقصود ہے۔

---

۱ حٰمٓ السجدہ، ۴۱: ۵۳

۲ الذاریات، ۵۱: ۲۱

ایک مثال سے وضاحت

اس کو ایک مثال سے یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ آپ کسی شہر جانا چاہتے ہیں تو وہ شہر واسطہ نہیں بلکہ آپ کا مقصود ہوگا۔ یاد رہے کہ واسطہ ہمیشہ درمیان میں ہوتا ہے اور مقصود تک پہنچنے کے لئے واسطے سے کما حقہ آگاہی حاصل کرنا لازمی ولابدی امر ہے۔ اگر واسطے کا پتہ چل جائے تو مقصود تک پہنچنے کے راستے معلوم ہو جائیں گے اور وہاں تک رسائی میں کوئی مشکل حائل نہیں ہوگی۔ اس تمثیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ذات باری تعالیٰ کی معرفت کے لئے درمیانی واسطہ لازمی ہے اور وہ واسطہ مخلوق ہے۔ اب جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ بندے اور خالق کے مابین جو کچھ ہے وہ واسطہ ہے اور جو کوئی اللہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے بتلائے ہوئے واسطوں میں سے کوئی واسطہ اپنائے اور سب سے بہتر واسطہ وہ ہوتا ہے جو اللہ سے زیادہ قریب ہو۔ دریا، پہاڑ، سمندر، میدان اور دیگر مظاہر فطرت اور مخلوقات بہتر واسطے ہیں لیکن ان سے بھی بہتر واسطے اولیاء و اصفیاء ہیں اور ان سے بھی زیادہ بہتر واسطے خالق تک رسائی کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات بہترین واسطہ ہیں کہ جہاں جا کر سارے واسطے ختم ہو جاتے ہیں۔ کسی اور واسطے کی ضرورت نہیں رہتی۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے جتنا زیادہ گہرا اور دائمی تعلق استوار ہوگا اتنی زیادہ اللہ کی معرفت نصیب ہوگی۔ فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت نے یہ کہہ کر بات ختم کردی:

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

معلوماتِ الٰہیہ کا علم

علم اور احاطۂ علم کے فرق اور الا بماشاء کے استثناء سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ

کی معلومات کا احاطہ ممکن نہیں۔اب جہاں تک معلومات الٰہیہ کے علم تک رسائی کا تعلق ہے وہ رب ذوالجلال کی عطاء سے مخلوق کو حاصل ہوتا ہے۔البتہ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ معلومات الٰہیہ کا علم کسی کو تھوڑا نصیب ہوتا ہے اور کسی کو زیادہ یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہے۔

علمہ کا دوسرا معنیٰ: علم غیب

"ولا یحیطون بشی من علمه" میں لفظ "علمه" کا ایک معنیٰ اللہ تعالیٰ کا علم خاص بھی ہے اور علم خاص سے مراد علم غیب ہی ہے۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

۱. والمراد بعلمه العلم المختص به وهوالغيب فهم لا يحيطون بشئ من علم الغيب [۱]	علمہ سے مراد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور وہ علم غیب ہے پس وہ علم غیب کا احاطہ نہیں کرتے۔

۲۔ علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

و جوزان يراد من علمه معلومه الخاص و هو كل ما في الغيب [۲]	اور جائز ہے کہ علمہ سے اللہ تعالیٰ کا معلوم خاص مراد لیا جائے اور معلوم خاص وہ سب کچھ ہے جو غیب کے ضمن میں آتا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے مراد اس کا علم ذاتی ہے اور علم غیب ذاتی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے کہ کوئی دوسرا اس میں اس کا ساجھی اور حصہ دار نہیں۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ آگے فرماتے ہیں:

و عطفت هذه الجملة على	اور اس جملے کا عطف بوجہ مغائرت پہلے

---

۱ التفسیر المظھری، ۱:۳۵۸

۲ روح المعانی، ۳: ۹

ماقبلها لمغايرتها له، لان ذلك يشعر بانه سبحانه يعلم كل شئ و هذه تفيد انه لا يعلمه غيره و مجموعها دال علی تفرده تعالٰی بالعلم الذاتی الذی هو من اصول صفات الکلمال التی يجب ان يتصف الاله تعالی شانه بالفعل [1]

جملے پر ہے کیونکہ پہلے جملہ (يعلم ما بين ايديهم الخ) کا معنی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر شئے کو جانتا ہے اور اس جملے کا مفہوم ہے کہ اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور دونوں جملے اللہ تعالیٰ کے اس علم ذاتی پر دلالت کرتے ہیں جو اس کی ان صفات کمالیہ میں سے ہے جن کے ساتھ وہ بالفعل متصف ہے۔

۳۔ علامہ بیضاویؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعطفه علی ما قبله لان مجموعهما يدل علی تفرده بالعلم الذاتی التام الدال علی وحدانيته [2]

اس جملے کا عطف ماقبل پر ہے کیونکہ دونوں جملے اللہ تعالیٰ کے اس علم ذاتی تام کے ساتھ متفرد ہونے پر دلالت کرتے ہیں جو اس کی وحدانیت پر دال ہیں۔

۴۔ امام محمد العمادیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وعطفه علی ما قبله لما انهما جميعا دليل علی تفرده تعالی بالعلم الذاتی التام الدال علی وحدانيته [3]

اور اس جملے کا عطف ماقبل پر ہے کیونکہ دونوں جملے اللہ تعالیٰ کے اس علم ذاتی تام کے ساتھ مخصوص ہونے پر دلالت کرتے ہیں جو اسکی وحدانیت پر دال ہے

---

[1] روح المعانی، ۳: ۹

[2] انوار التنزیل، ۱: ۲۱٦

[3] تفسير ابی السعود، ۱: ۲۴۸

۵۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں:

والواو فی ولا یحیطون اما للحال من فاعل یعلم ما بین ایدیھم او للعطف وانما ذکر بالعطف لان مجموع الجملتین یدل علی تفردہ بالعلم الذاتی التام المحیط باحوال خلقه الدال علی وحدانیته۔ [1]

اور ولا یحیطون میں واؤ یا تو یعلم کے فاعل سے حال کیلئے ہے یا عطف کے لئے ہے۔ عطف کے لئے اس لئے مذکور ہے کہ دونوں جملے اللہ تعالیٰ کے اس علم ذاتی تام کے ساتھ مختص ہونے پر دلالت کرتے ہیں جو اس کی تمام مخلوق کے احوال کو محیط ہے اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے۔

مندرجہ بالا تفاسیر کی روشنی میں یہ معلوم ہوا ہے کہ علمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ علم غیب ذاتی ہے جو محیط بالکل ہے۔ اس کی ذات کا خاصہ اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

علم غیب عطائی کا اثبات

زیر نظر آیت میں مخلوق کے لئے نفی کا اطلاق اسی ذاتی علم غیب پر ہوتا ہے نہ کہ علم غیب عطائی پر بلکہ اس کا الا بماشاء کے ساتھ اثبات ہو رہا ہے۔

۱۔ امام بغویؒ لکھتے ہیں:

(ولا یحیطون بشیٔ من علمه) ای من علم اللہ (الا بماشاء) ان یطلعھم علیه یعنی لا یحیطون بشیٔ من علم الغیب الا بما شاء

اور وہ اس کی یعنی اللہ تعالیٰ کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے اس پر انہیں مطلع فرما دے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ علم غیب

---

[1] التفسیر المظہری، ۱: ۳۵۸

مما اخبر بہ الرسل کما قال اللہ تعالی (فلا یظھر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول) ؎۱

میں سے کسی شئے کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے اس میں سے اپنے رسولوں کو خبر دیدے۔ جیسا کہ فرمایا (فلایظھر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول)

۲۔ امام رازیؒ الا بما شاء کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

اما قوله "الا بماشاء" ففیه قولان (احدهما) انهم لایعلمون شیئا من معلومات الا ما شاء هو ان یعلمهم کما حکی عنهم قالوا (لا علم لنا الا ما علمتنا) والثانی انهم لایعلمون الغیب الا عند اطلاع الله بعض انبیائه علی بعض الغیب کما قال (عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول) ؎۲

اللہ تعالیٰ کے فرمان "الا بما شاء" کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معلومات میں سے کچھ نہیں جانتے مگر اس قدر جتنا اللہ انہیں علم عطا فرما دے جیسا کہ فرشتوں نے عرض کیا۔ "ہمیں کچھ علم نہیں مگر اسی قدر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ غیب کو نہیں جانتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ بعض انبیاء کو بعض غیب پر مطلع فرما دے جیسا کہ فرمایا عالم الغیب فلا یظھر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول

؎۱ معالم التنزیل، ۱: ۲۳۹

؎۲ التفسیر الکبیر، ۷: ۱۱

آیت کی متذکرہ بالا شرح سے معلوم ہوا کہ یہاں پر نفی علم غیب ذاتی کی ہے، مطلق علم اور اطلاع علی الغیب کی نفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنی معلومات میں سے بھی جتنا چاہے علم عطا کرتا ہے اور غیب پر بھی مطلع فرماتا ہے۔

علمه کا تیسرا معنی......علم بمعنی اسم مصدر

تیسرے معنی کی رو سے لفظ ''علم'' اسم مصدر ہے اور **علمه** (اس کا علم) کی اضافت کا معنی ہے ان العلم کله لله تعالیٰ یعنی علم سارے کا سارا اللہ کا ہے۔ **علمه** اس لئے فرمایا کہ واضح ہو جائے کہ علم کا مالک اللہ ہے اور حقیقتاً اور اصلاً ایسا ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو علم حاصل نہیں۔

علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ لکھتے ہیں:

ولا یحیطون بشئ من علمه الا بما شاء علی تقدیر ان یراد بالعلم المعنی المصدری او معنی اسم المصدر. دلالة علی ان العلم کله لله ولا یوجد من العلم عند عالم الا وهو شئ من علمه تعالیٰ [۱]

''ولایحیطون بشئ من علمه'' میں علم سے مراد معنی مصدری یا اسم مصدر ہے۔ اس چیز پر دلالت کرنے کی وجہ سے کہ علم سارے کا سارا اللہ کے لئے ہے اور کسی عالم کے پاس علم نہیں پایا جا سکتا مگر یہ کہ وہ اللہ ہی کے علم کا پرتو ہے۔

''وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهٖ'' میں مخلوق کے لئے اس علم کی نفی کی جا رہی ہے کہ جو علم اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اس کے ایک ذرے کا بھی کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ ''وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهٖ'' کا معنی یہ ہوا کہ از خود کوئی عالم نہیں ہو سکتا یا از خود کوئی علم

---

[۱] المیزان، ۲: ۳۳۵

پر متصرف نہیں ہوسکتا۔ **الا بماشاء** اس استثناء کا معنی ہوگا **ولا یوجد من العلم عند عالم الا وھوشیٔ من علمه تعالی** کہ کوئی شخص اصلاً اور حقیقتاً علم نہیں رکھتا کہ علم سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہی کے پاس ہے مگر مخلوق میں سے جس کے پاس جتنا علم ہے وہ اللہ ہی کا علم ہے۔ وہ اسی کے علم کا پرتو ہے۔ اس معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو یہاں علم کی تقسیم کی نفی کی جا رہی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور یہ مخلوق کا علم ہے بلکہ یوں کہا جائے گا کہ علم کی مالک فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور مخلوق کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے ہی علم کا مظہر اور پرتو ہے۔

صفاتِ الٰہیہ کی شانِ مظہریت

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور پسندیدہ بندوں کو اپنی صفات کی مظہریت سے متصف کر دیتا ہے۔ ان پر اپنی صفاتی تجلیات کا پرتو ڈالتا ہے جس کو جتنا پرتو نصیب ہوتا ہے اسے اتنی ہی بلند شان حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس شان کی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

۱۔ مظہرِ عزت

عزت صرف اللہ کے لئے ہے، قرآن فرماتا ہے:

أَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ [۱]	کیا یہ ان (کافروں) کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ پس عزت تو ساری اللہ (تعالیٰ) کے لئے ہے۔

اس آیت کریمہ میں اسلوب استفہام انکاری کا ہے جس سے حصر اور قصر کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ یہ سوال کہ کیا وہ کافروں کے پاس عزت تلاش کرنے کے لئے جاتے

---

[۱] النساء، ۴: ۱۳۹

ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں عزت تو صرف اللہ کے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں۔ آیت کے اگلے حصے فان العزۃ میں حرف ''فا'' تاکید کے لئے ہے اور ''اِنَّ'' بھی تاکید کے لئے ہے اور یہ جملہ اسمیہ ہے جس میں دوام اور استمرار کا معنی پایا جاتا ہے کہ عزت جب اللہ کے لئے ثابت ہے تو ازل سے ابدالآباد تک اسی کے لئے ثابت ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک لمحے کے لئے بھی عزت کسی اور کے لئے ثابت ہو اور ''جمیعا'' تاکید کی پانچویں صورت ہے کہ ساری کی ساری عزت کا مالک اللہ ہی ہے اور کوئی نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں پانچ تاکیدوں کے ساتھ یہ واضح فرمادیا کہ عزت صرف اور صرف اس کا خاصہ ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب وسنت میں انبیاء ورسل، والدین، اولیاء، علماء، صلحاء اور اکابرین امت کو لائق عزت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کے رسول اور مومنین کے لئے عزت کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ٥ [۱]	عزت اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے ہے۔

اس آیت کے مطابق عزت اللہ جل شانہ کے علاوہ اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کے لئے بھی ثابت ہو رہی ہے۔ بظاہر متذکرہ بالا دونوں آیات میں تعارض اور تناقض نظر آ رہا ہے حالانکہ ایسا حقیقت میں نہیں ہے کیونکہ کلامِ الٰہی ہر قسم کے تضاد، تعارض اور تناقض سے مبرا ہے۔ ذرا بنظر غائر دیکھا جائے تو ان آیات کا مفہوم ذاتی اور عطائی کے طور پر لیا جا سکتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ [۲]	اور تو جسے چاہے عزت عطا فرمادے اور جسے چاہے ذلت دے، ساری بھلائی تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور

---

[۱] المنافقون، ۶۳ : ۸ [۲] آل عمران، ۳:۲۶

بیشک تو ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا ازالہ

مذکورہ آیات کی رُو سے عزت اللہ تعالیٰ کی ذاتی جبکہ بندے کی عطائی صفت ہے لیکن اگر ان آیات کو علمہ کے تیسرے معنی کے تناظر میں دیکھا جائے تو ذہن میں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ ایک طرف حصر اور قصر کے ساتھ عزت کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر دینے کے بعد دوسری طرف اللہ کے رسول اور مومنین کو بھی عزت کا حصہ دار بنا دیا جائے اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا جائے کہ اللہ جسے چاہتا ہے عزت سے سرفراز کرتا ہے اور جسے چاہے ذلت سے نامراد کرتا ہے تو متذکرہ بالا آیت میں حصر اور قصر کا استعمال چہ معنی دارد؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فی الحقیقت عزت کا مالک اللہ ہی ہے اور اصلاً و واقعتاً عزت اسی کے لئے خاص ہے مگر دنیا جہان میں جس کسی کو بھی عزت ملتی ہے وہ اللہ رب العزت ہی کی عزت کا پرتو اور مظہر ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ معز بھی ہے اور مذل بھی۔ جس پر اللہ کی شان معزیت کا پرتو پڑتا ہے وہ صاحب عزت ہو جاتا ہے اور جس پر اس کی مذلیت کا پرتو پڑتا ہے وہ صاحب ذلت ہو جاتا ہے۔

۲۔ مظہر قوت

تمام قوتوں کا سرچشمہ اور مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا [۱] ساری قوتوں کا مالک اللہ ہے۔

مگر ہم علی وجہ البصیرت جانتے ہیں کہ انسانوں اور جنات کو بھی بے پناہ قوت

---

[۱] البقرہ، ۲: ۱۶۵

حاصل ہے۔ اس کی ایک مثال سیدنا سلیمان علیہ السلام کے استفسار پر آپ کے درباریوں کا یہ جواب دینا ہے۔

نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ [۱] — ہم طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔

اور تخت بلقیس کی منتقلی کے سلسلے میں دربارِ سلیمانی کا ایک جن یوں عرض پیرا ہوا۔

اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ ○ [۲] — میں اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اس کے آپ اپنے مقام سے اٹھیں اور بے شک میں (اس کے لانے پر طاقتور اور) امانتدار ہوں۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ حقیقتاً اور اصلاً قوت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور دنیا میں جو قوت مخلوق کے پاس نظر آ رہی ہے یہ یا تو دوسرے معنیٰ کی رو سے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے یا پھر تیسرے معنیٰ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہی کی قوت کا پرتو اور مظہر ہے۔

۳۔ مظہر خیر

خیر کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بِيَدِكَ الْخَيْرُ ○ [۳] — ساری بھلائی تیرے ہی دست قدرت میں ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ [۴] — اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہوگئی۔

---

[۱] النمل، ۲۷:۳۳
[۲] النمل، ۲۷:۳۹
[۳] آل عمران، ۳:۲۶
[۴] البقرہ، ۲:۲۶۹

اصلاً خیر اللہ کے پاس ہے اور اس کے حکم سے بندوں کو اس صفت خیر کا مظہر بنا دیا جاتا ہے۔

۴۔ مظہر سمع و بصارت

اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ ارشاد ربانی ہے

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ [۱] بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ ہی سمیع و بصیر ہے کوئی اور نہیں۔ دوسرے مقام پر بندے کے بارے میں خود ہی فرمایا۔

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ۝ [۲] پھر ہم اس کو سننے والا اور دیکھنے والا (انسان) بنا دیتے ہیں۔

تو معنی یہ ہوا کہ بندے کا سمیع و بصیر ہونا اللہ ہی کی شان کا پرتو ہے جو بندے میں ظاہر ہو رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں بندے کی یہ صفت بھی اللہ کی شان مظہریت لئے ہوئے ہے۔

۵۔ مظہر شہادت

اللہ تبارک و تعالیٰ کو شہید (مشاہدہ کرنے والا) کے صفاتی نام سے پکارا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا [۳] بے شک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے۔

---

[۱] الاسراء، ۱۵: ۱

[۲] الانسان، ۷۶: ۲

[۳] النساء، ۴: ۳۳

قرآن حکیم میں حضور اکرم ﷺ کیلئے بھی شہید کا لقب وارد ہوا۔ ارشاد خداوندی ہے:

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ۔[۱]

اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس سے پہلے (کی کتابوں میں) بھی اور اس (قرآن) میں بھی۔ تاکہ یہ رسولِ آخرالزماں) تم پر گواہ ہو جائیں

حضور ﷺ کا شہید ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ شہادت کا مظہر ہے۔

۶۔ مظہر رافت و رحمت

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت روف و رحیم بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝[۲]

بے شک اللہ تمام انسانوں کے ساتھ نہایت شفقت فرمانے والا، بڑا مہربان ہے۔

اور حضور ﷺ کیلئے بھی قرآن مجید میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝[۳]

اور مومنوں کیلئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

بلاشبہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی شانِ رافت و رحمت کے مظہر اتم ہیں۔

ان تمام آیات مذکورہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس صفت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محصور کیا گیا ہے وہ صفت بندے میں صفت الٰہی کا پرتو بن کر ظاہر ہوتی ہے گویا بندہ اسی صفت الٰہیہ کا مظہر ہوتا ہے۔ اس طرح آیاتِ حصر میں حصر کا مفہوم برقرار رہتا ہے اور

۱۔ الحج، ۲۲: ۷۸
۲۔ الحج، ۲۲: ۶۵
۳۔ التوبہ، ۹: ۱۲۸

بندے میں وہ صفت اللہ تعالیٰ کا مظہر قرار پاتی ہے۔

ہر گل میں ہر شجر میں اسی کا ظہور ہے

تمام صفات سے، تمام خوبیاں اور تمام شانیں جو ہمیں عالم رنگ و بو میں ہر طرف منتشر نظر آتی ہیں وہ اللہ ہی کی صناعی اور کاریگری کا مرقع ہیں۔ کلام الٰہی کا آغاز ہی مضمون حمد سے ہوتا ہے کہ وہ ذات تمام تعریفوں اور ستائشوں کی سزاوار ہے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O [1] سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ تعریف کسی خوبی اور شان کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں کا معنی ہے کہ تمام شانیں اور خوبیاں اللہ کی ہیں یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم کے حکم میں آتا ہے اور عالم لا تعداد ہیں جیسے عالم انس، عالم جن، عالم حیوانات، عالم نباتات، عالم جمادات، عالم سماوات وغیرہ۔ جس طرح جہاں لا تعداد ہیں اسی طرح جہانوں کے اندر شانیں بھی لا تعداد ہیں صرف حضرتِ انسان کو ہی اللہ تعالیٰ نے اتنی شانیں عطا کی ہیں کہ وہ حد شمار سے باہر ہیں۔ ہم ان کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب شانیں مخلوقات سے متعلق ہیں اور انکی بناء پر انکی تعریف بھی کی جاتی ہے تو پھر یہ کہنا کہ یہ سب شانیں اور تعریفیں اللہ کی ہیں چہ معنی دارد؟ اس سوال کا کافی وشافی جواب یہ ہے کہ جو شانیں عالمین میں پائی جاتی ہیں وہ سب ''الحمد للہ'' میں سمودی گئی ہیں۔ الحمد للہ ایک حقیقت ہے جبکہ العالمین میں شانوں کا ظہور ایک واقعہ ہے۔ یاد رہے کہ کوئی حقیقت اس وقت تک

---

[1] الفاتحہ، ۱ : ۱

حقیقت نہیں ہوتی جب تک وہ واقعہ کے مطابق نہ ہو حقیقت اور واقعہ میں گہرا ربط کارفرما ہوتا ہے؟ تو رب العالمین جو سب تعریفوں کا سزاوار ہے وہی سب شانوں کا مبدأ' سرچشمہ اور منبع ہے۔ ساری شانیں اسی سے پھوٹ رہی ہیں۔

سب شانوں کا مالک ہونا اللہ کی شان ہے اور وہی ہے جو کسی کو اپنی شان کرم نوازی سے سب شانوں کا مالک بنا دیتا ہے۔ اللہ کی معرفت اسکے چشمۂ ربوبیت سے ہو رہی ہے اگر اللہ رب نہ ہوتا تو اسکی معرفت کیونکر ہو سکتی تھی۔ جب وہ ذات صرف اللہ تھی تو تمام شانیں اس میں مرکوز تھیں مگر ان شانوں کو نہ کوئی دیکھنے والا تھا اور نہ کوئی ان سے استفادہ کرنیوالا' اللہ نے چاہا کہ میری شانوں کو کوئی جاننے والا ہو تو اس نے رب العالمین کی صفت اختیار فرمائی اور فرمایا اے افتادگانِ خاک اگر تم میری ان شانوں کا نظارہ کرنا چاہتے ہو تو العالمین کو دیکھو۔ میری شاہکار تخلیق انسان کو دیکھو' بچھی ہوئی بستر زمین کی چادر کو دیکھو نیلگوں آسمان کو دیکھو' گردش لیل ونہار کو دیکھو' بدلتے ہوئے موسموں کو دیکھو' خلاؤں کی وسعتوں کو دیکھو' آسمان کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے کہساروں کو دیکھو' دریاؤں کی روانیوں کو اور سمندروں کی طغیانیوں کو دیکھو' باپ کی شفقت کو دیکھو' ماں کی مامتا کو دیکھو' علماء کے علم کو دیکھو' اولیاء کی بصیرت کو دیکھو' تمہیں ہر طرف میری ہی شانوں کے بوقلموں جلوے نظر آئیں گے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ [1]	پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے (یعنی ہر سمت ہی اللہ کی ذات جلوہ گر ہے)

الغرض ساری کائناتِ زیریں و بالا اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا پرتو اور مظہر ہے۔

---

[1] البقرہ، ۲: ۱۱۵

شانِ ربوبیت کا مظہرِ اتم...... ذاتِ مصطفیٰ ﷺ

اللہ تعالیٰ نے اپنے سرمدی حسن کی تمام شانوں اور جلووں کو بکھیرا تو کائنات وجود میں آ گئی اور کائنات کی متنوع شانوں، رنگینیوں اور رعنائیوں کو سمیٹا تو وجاہتوں کا پیکر انسان بن گیا جس کے لئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ○ ؎	بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے۔

کائناتِ انسانی کے تمام کمالات کو یکجا کیا تو کائناتِ نبوت وجود میں آ گئی۔ اس کائناتِ نبوت میں حضرت یوسف علیہ السلام کو پیکرِ حسن و جمال، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاحبِ عصا اور صاحبِ یدِ بیضا بنا دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کو مثالی سلطنت و حکومت کا مالک بنا دیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اعجازِ مسیحائی عطا فرمایا۔ الغرض جدا جدا پیکرانِ نبوت آئے اور ان میں حسنِ ازل کے جلوے جدا جدا اپنی آب و تاب کے ساتھ رکھ دیئے گئے۔ اب منشائے خداوندی ہوا کہ یک پیکر ایسا بھی حسن کے سانچے میں ڈھالا جائے جو تمام کمالات کو اپنے اندر جمع کر لے چنانچہ ربِ ذوالجلال نے وہ بے مثال پیکرِ نبوت تاجدارِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں دنیا کو عطاء کر دیا اور اس حسنِ لم یزل کے پیکر میں اپنے تمام جلووں اور شانوں کو اس طرح مجتمع فرما دیا کہ وہ چشمِ جہاں بیں میں تو محمد عربی ﷺ ہیں مگر حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا سمیت تمام خوبانِ عالم میں جو جو کمالات و صفات فرداً فرداً اپنی تمام تر بوقلمونیوں اور شمائل و فضائل کی دیدہ زیب رعنائیوں کے ساتھ موجود تھے وہ تنہا چمنستانِ نبوت و رسالت کے اس گل سر سبز میں مجتمع کر دیئے گئے جس کے ڈنکے عالم ارض و سماوات میں محمد و احمد ﷺ کے نام سے بجائے جا رہے ہیں اور ابدالآباد تک بجتے رہیں

؎ التین، ۹۵: ۴

گے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

کائنات نبوت و رسالت کا ہر فرد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آپ کے نور ابد تاب سے مستنیر ہوا اسی لئے قرآن پاک آپ کی شان میں مدح سرائی کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ۔[1]	یہی وہ لوگ (یعنی پیغمبرانِ خدا) ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔ (اے رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کے (فضیلت والے) طریقوں (کو اپنی سیرت میں جمع کر کے ان) کی پیروی کریں (تا کہ آپ کی ذات میں ان تمام انبیاء و رسل کے فضائل و کمالات یکجا ہو جائیں)

خالق ارض وسماوات نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام شانوں کا مظہر اتم بنا دیا ہے۔ اسی مظہریت میں الوہیت اور ربوبیت کے تمام جلوہ ہائے حسن کی کارفرمائی بہ درجہ کمال ضوء فگن ہے۔ پھر نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام شانوں کا جامع پیدا کیا بلکہ صحیح بخاری کی درج ذیل روایت کے مطابق آپ ان شانوں اور رب ذوالجلال کی عطا کردہ نعمتوں کے قاسم بھی ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] الانعام، ۶: ۹۰

انما انا قاسم و الله يعطى [1] بے شک میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ رب العزت عطا فرماتا ہے۔

''علمه'' کے تیسرے معنی کے اعتبار سے آیت الکرسی کے مذکورہ حصے کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہوا کہ اصلاً اور حقیقتاً علم اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا مگر جس کسی کے پاس بھی علم ہے وہ اسی کے علم کا پرتو ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی شانِ علم کا ذکر یوں فرماتا ہے۔

وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥ [2] اور اللہ ہر چیز سے بہت واقف ہے۔

باری تعالیٰ تو علیم ہے ہی مگر جب اس کا پرتوِ علم اپنے کسی بندے پر پڑتا ہے تو وہ بھی علیم بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم اس بارے میں یوں ارشاد فرماتا ہے۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ٥ [3] اور ہر صاحب علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے۔

حقیقتاً علیم اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ اس کی صفت علیمیت کا مظہر ہے۔ علم الٰہی کے بہترین مظہر انبیاء علیھم السلام کے نفوس قدسیہ ہیں اور گروہِ انبیاء علیھم السلام میں بہترین مظہر سید الانبیاء حضور تاجدارِ کائنات ﷺ ہیں۔ اولیاء اور علماء کا مبلغ علم انبیاء علیھم السلام کی اتباع میں ہے۔ علم انبیاء کی میراث ہے اور اس کے وارث علمائے حق ہیں۔

آیۃ الکرسی کے مذکورہ حصے کی تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ علم غیب ذاتی طور پر صرف اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو اس طرح کا علم غیب حاصل نہیں۔ مخلوق کا علم محض عطائی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطاء کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ انبیاء کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ حضور ﷺ بھی بلاشبہ مطلع علی الغیب ہیں۔ اس بات کا انکار آیت مذکورہ کے انکار کے مترادف ہوگا۔

---

[1] صحیح البخاری، ۱: ۱۶، کتاب العلم [3] یوسف، ۱۲: ۷۶

[2] المائدہ، ۵: ۹۷

باب چہارم

علم غیب ذاتی کی نفی
اور
عطائی کا اثبات

گزشتہ باب میں ہم نے آیۃ الکرسی کے حوالے سے علم غیب ذاتی اور عطائی کا ذکر اجمالی طور پر کیا تھا۔ یہاں اس موضوع کو بعض آیاتِ قرانی کی روشنی میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا قرآن مجید کا بالاستیعاب مطالعہ کریں تو ہمیں علمِ غیب کے حوالے سے دو قسم کی آیات ملتی ہیں۔ کچھ آیات وہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا اور کچھ آیات ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ علم اللہ کے سوا دوسروں کے پاس بھی ہے گویا اس موضوع پر آیات نفی بھی ہیں اور آیات اثبات بھی موجود ہیں۔ بطور نمونہ چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

آیاتِ نفی

۱۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ [۱]

آپ فرما دیجئے اللہ کے سوا جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ غیب کی بات نہیں جانتا۔

۲۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ. [۲]

اور غیب کی کنجیاں (یعنی وہ راستے جن سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت وملکیت میں)

---

[۱] النمل، ۲۷: ۶۵

[۲] الانعام، ۶: ۵۹

ہیں۔ انہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا۔

۳- وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ [1]

(بغیر عطائے الٰہی کے) اگر میں خود غیب کا علم رکھتا تو میں از خود بہت سی بھلائی اور (فتوحات) حاصل کر لیتا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے علم غیب کی نفی ہو رہی ہے اور اس بات کی صراحت ہے کہ خزانۂ علم غیب کی کنجیاں صرف اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور مخلوق میں سے کسی کی ان تک رسائی نہیں۔

آیات اثبات

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے مجتبیٰ و مرتضیٰ نبیوں اور رسولوں کے لئے اطلاع علی الغیب کی خبر دی گئی ہے۔ ذیل میں چند فرمودات ربانی درج کئے جاتے ہیں۔

۱- وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ [2]

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس) تمہیں غیب پر مطلع فرمادے لیکن اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کیلئے) چن لیتا ہے۔

۲- عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ

(اللہ) غیب جاننے والا (ہے) تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا

---

[1] الاعراف، ۷: ۱۸۸

[2] آل عمران، ۳: ۱۷۹

رَسُوْلٍ [۱] مگر جنہیں پسند فرمالیا جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

۳- وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ [۲] اور وہ (نبی اکرم) غیب (بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہے۔

ان آیات مقدسہ میں اللہ کے سوا دوسروں کیلئے بھی علم غیب کا اثبات موجود ہے۔

نفی اور اثبات بیک وقت ایک ہی مورد پر جمع نہیں ہو سکتے

اس نوع کی آیات سے بخوبی واضح ہے کہ اللہ کے سوا دوسروں کیلئے نہ تو کلیتاً نفی ہے اور نہ ہی اثبات بلکہ آیاتِ نفی بھی ہیں اور آیات اثبات بھی ہیں۔ بایں صورت سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مورد (جس پر کوئی چیز وارد ہو) پر نفی اور اثبات جمع ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس سوال کا جواب ہمیں نفی میں موصول ہوگا یعنی یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک چیز کی نفی ہو اور پھر اس کا اثبات بھی ہو۔ بلکہ نفی کا مورد الگ ہوگا اور اثبات کا مورد الگ' نفی اور اثبات کے مورد بیک وقت ایک ساتھ نہیں ہو سکتے' اس کی مثال کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے جس کے پہلے حصے میں نفی بھی ہے اور اثبات بھی لیکن نفی کا مورد جدا ہے اور اثبات کا مورد جدا ہے۔ لا الٰہ (کوئی معبود نہیں) نفی ہے اور اس کا مورد ساری کائنات ہے جس سے مراد یہ ہے کہ پوری کائنات میں عبادت اور پرستش کے لائق کوئی نہیں۔ اس کے بعد الا اللہ (مگر اللہ) میں اثبات ہے اور اس کا مورد اللہ ہے۔ نفی کا مورد اللہ نہیں اور اثبات کا مورد کائنات نہیں۔ اس مقام پر اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی آیات نفی اور اثبات کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں۔

---

[۱] الجن' ۷۲:۲۶

[۲] التکویر' ۸۱:۲۴

فهذا ربنا تبارک و تعالی قد نفی نفیا لا مرد له و اثبت اثباتا لا ریب فیه فالکل حق والکل ایمان ومن انکرشیا منهما فقد کفر بالقرآن فمن نفی مطلقاً ولم یثبت بوجه فقد کفر بآیات الاثبات ومن اثبت مطلقاً ولم ینف بوجه فقد کفر بالایات النافیات والمومن یؤمن بالکل ولا تتفرق به السبل و همالا یمکن لهما مورد واحد فوجب الفحص عن الموارد [1]

اور یہ ہے ہمارا رب تبارک وتعالیٰ جس نے نفی بھی ایسی کی کہ ٹل نہیں سکتی اور ثابت بھی ایسا کیا جس میں اصلاً شبہ نہیں تو نفی و اثبات دونوں حق ہیں دونوں ایمان ہیں اور ان دونوں میں سے جو کسی بات کا انکار کرے اس نے قرآن کا انکار کیا تو جو غیر خدا سے مطلقاً ایسی نفی کرے کہ کسی طرح ثابت ہی نہ مانے وہ ان آیتوں سے کفر کررہا ہے جو ثابت فرماتی ہیں اور جو مطلقاً اس طرح ثابت کرے کہ کسی وجہ سے نفی مانے ہی نہیں وہ ان آیات سے کفر کرتا ہے جو نفی فرماتی ہیں اور مسلمان سب پر ایمان لاتا ہے اور وہ مختلف راہوں میں نہیں پڑتا اور نفی و اثبات دونوں ایک چیز پر تو وارد نہیں ہو سکتے تو ان کا جدا جدا مورد تلاش کرنا واجب ہوا۔

جولوگ نفی اور اثبات کے الگ الگ مورد تلاش نہیں کرتے وہ مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لامحالہ طور پر جدا جدا مورد تلاش نہ کرنے کی وجہ سے ظاہراً تضاد کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث انہیں کسی ایک حصے کی نفی یا اثبات کرنا پڑتا ہے اس سے قرآن کا انکار لازم

---

[1] الدولة المکیه بالمادة الغیبیه: ۱۴

آتا ہے اور نتیجہ ایمان کی تباہی و بربادی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جدا جدا موردوں کی تلاش کیلئے ضروری ہے کہ پہلے علم کی اقسام کے بارے میں آگاہی حاصل کی جائے۔

علم کی اقسام

علم کی تقسیم تین طرح سے کی گئی ہے۔

ا۔ باعتبار مصدر ۲۔ باعتبار متعلّق ۳۔ باعتبار وجہ تعلق

ا۔ باعتبارِ مصدر:

مصدر سے مراد ہے وہ جگہ جہاں سے کوئی شئے صادر ہو رہی ہو اور مصدرِ علم وہ ذات ہے جس سے علم کا صدور ہو رہا ہے اصطلاحاً اسے عالم کہا جائے گا۔ علم اگر اپنے مصدر یعنی عالم کے حوالے سے زیرِ بحث آئے تو اسے علم باعتبارِ مصدر کہا جائے گا۔

۲۔ باعتبارِ متعلَّق:

متعلّقِ علم سے مراد وہ شے ہے جس کا علم دیا جا رہا ہے یا جو شے علم کا موضوع بن رہی ہے۔ اور وہ ''معلوم'' ہے جیسے کتاب کا علم، شہر کا علم وغیرہ ان مثالوں میں کتاب اور شہر ''معلوم'' ہیں چنانچہ علم جب معلوم کے حوالے سے زیر بحث آئے گا تو اسے علمِ باعتبار متعلّق کہا جائے گا۔

۳۔ باعتبار وجہ تعلق

ان دونوں قسموں میں سے ایک قسم وجہ تعلق کے اعتبار سے نکلتی ہے۔ عالم اور معلوم کے درمیان نسبت اور تعلق کا نام علم ہے۔ علم جب اس حوالے سے زیر بحث آئے گا کہ یہ تعلق کس طرح کا ہے؟ قدیم یا حادث، حتمی و قطعی یا ظنی تو اسے علم باعتبار وجہ تعلق کہا

جائے گا علم کے قدیم یا حادث، حتمی وقطعی یا ظنی ہونے کا حکم اسی تعلق کی بنا پر لگایا جائے گا۔

باعتبارِ مصدر علم کی اقسام

باعتبارِ مصدر علم کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔علمِ ذاتی ۲۔علمِ عطائی۔

۱۔علمِ ذاتی (Personal Knowledge)

علمِ ذاتی سے مراد یہ ہے کہ وہ ذات جو علم رکھنے والی ہے ذاتی طور پر کسی شے کو جاننے کی استعداد اور اہلیت رکھتی ہو اور اس کے علم میں کسی اور کا کچھ عمل دخل نہ ہو۔ اس کے لئے لازم ہے کہ وہ علم غیر کی عطا سے نہ ہو اور نہ یوں ہو کہ غیر اس میں کسی طرح سبب بنے۔ علمِ ذاتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اللہ کے سوا کسی اور کو اس تک رسائی میسر نہیں۔

علم عطائی (Bestowed Knowledge)

علم عطائی اسے کہتے ہیں کہ عالم کو علم کسی اور کے دینے سے میسر آئے اور اس کے صاحبِ علم ہونے میں کسی اور کا دخل ہو۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کے بندوں کا ہے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا کا مرہون منت ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا علم بھی عطائی ہے کہ انہیں یہ علم بذریعہ وحی بارگاہِ خداوندی سے عطا کیا جاتا ہے۔

ضروری وضاحت

جس طرح علم ذاتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اسی طرح علم عطائی مخلوق کیلئے خاص ہے۔ علم ذاتی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کیلئے ثابت کرنا کفر ہے خواہ وہ ذرہ برابر علم ہی کیوں نہ ہو اسی طرح علم عطائی کو مخلوق کے بجائے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا کفر ہے خواہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ اس حوالے سے مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ

دونوں اقسام کاذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

فالا ول مختص بالمولٰی سبحنه و تعالیٰ لا یمکن لغیره ومن اثبت شیئا منه ولوادنٰی من ادنی من ادنی ذرة لاحد من العلمین فقد کفر واشرک و بار وهلک والثانی مختص بعباده عز جلاله لا امکان له فیه ومن اثبت شیئا منه لله تعالیٰ فقد کفر واتی بما هوا اضنع و اشنع من الشرک الاکبر لان المشرک من یسوی بالله غیره و هذا جعل غیره اعلی منه حیث افاض علیه علمه و خبره ^ل^

پہلی قسم مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کے غیر کیلئے محال ہے اور جو اس میں سے کوئی حصہ جہاں بھر میں کسی کیلئے ثابت کرے اگرچہ ایک ذرہ سے بھی کمتر ہو وہ یقیناً کافر ومشرک ہے اور اس کا مقدر تباہی و بربادی ہے اور علم کی دوسری قسم مولیٰ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ خاص ہے اللہ کیلئے ممکن نہیں اور جو اس طرح کا کوئی علم اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کرے وہ کافر ہوا اور ایسی چیز لایا جو شرک اکبر سے بھی زیادہ خبیث وشنیع ہے اس لئے کہ مشرک تو وہ ہے جو اللہ کے برابر دوسرے کو جانے اور اس نے غیر خدا کو خدا سے برتر سمجھا کہ اس نے اپنے علم وخیر کا فیض خدا کو پہنچادیا۔

ل الدولة المکیه بالمادة الغیبیه: ۱۶

علم کی دوسری تقسیم .... باعتبارِ متعلق

باعتبار متعلق علم کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ مطلق علم　　　　۲۔ علم مطلق

۱۔ مطلقِ علم (محض جاننا)

یہاں مطلق سے مراد علم اصول کی اصطلاح ہے۔ مطلق علم وہ ہے کہ جس کے اثبات کیلئے فقط ایک فرد کا ثابت ہو جانا بھی کافی ہے اور نفی کیلئے کل افراد کی نفی ضروری ہے۔ منطق کی رو سے اس میں قضیہ موجبہ جزئیہ اور سالبہ کلیہ ہے یعنی ایک جز بھی ثابت ہو جائے تو ایجاب کیلئے کافی ہے اور نفی کے ثبوت کیلئے ہر ہر فرد کی نفی کرنا لازم ہوگی۔

۲۔ علمِ مطلق

یہ پہلی قسم کے بالکل برعکس ہے اس میں اثبات کیلئے جمیع افراد کا ثابت کرنا لازم ہے اور نفی کیلئے ایک فرد کی نفی بھی کافی ہے جیسا کہ آپ کسی بڑے مجمع میں ہیں اور آپ کو اس میں موجود سب افراد کا علم ہے تو اس سے علم مطلق ثابت ہو جائے گا اگر ایک کے علم کی نفی بھی ثابت ہوگئی تو اس صورت میں علم مطلق ثابت نہ ہوگا۔ علم مطلق میں قضیہ موجبہ کلیہ اور قضیہ سالبہ جزئیہ ہے یعنی اس کی نفی کیلئے ایک جز کی نفی بھی کافی ہے لیکن اثبات کیلئے جمیع افراد کا اثبات ضروری ہے۔

مطلق علم اور علم مطلق کی اقسام

۱۔ علمِ اجمالی　　　　۲۔ علمِ تفصیلی

۱۔ علمِ اجمالی

اس میں تمام چیزوں کا صرف ضروری علم ہونا لازم ہے۔

۲۔ علم تفصیلی

اس میں جزئیات یعنی ہر چیز ہر ذرے اور ہر نقطے تک کا علم ہوتا ہے۔ اب یہ اجمالی اور تفصیلی کی تقسیم کا اطلاق مطلق علم اور علمِ مطلق دونوں پر ہوگا اس صورت میں باعتبار متعلق علم کی چار قسمیں کی جاتی ہیں جو اس طرح سے ہیں۔

(i) مطلق علم اجمالی (ii) مطلق علم تفصیلی

(iii) علم مطلق اجمالی (iv) علم مطلق تفصیلی

ذیل میں ہم ان کی الگ الگ تعریفات بیان کرتے ہیں۔

(i) مطلق علم اجمالی

وہ علم جس کے اثبات کیلئے فقط ایک فرد کا ثبوت کافی ہے اور نفی کیلئے جمیع افراد کی نفی ضروری ہے۔ اور جن چیزوں کا جاننا مقصود ہے ان کے ہر ہر گوشے کو تفصیلاً جاننا بھی ضروری نہیں۔

(ii) مطلق علم تفصیلی

ایسے علم کو کہتے ہیں جس میں اثبات کیلئے فقط ایک فرد کا ثبوت بھی کافی ہوتا ہے اور نفی کیلئے تمام افراد کی نفی ضروری ہے اور جس فرد کو جاننا مقصود ہے اس کے ہر ہر گوشے کا تفصیلاً جاننا لازمی ہے۔

(iii) علم مطلق اجمالی

ایسے علم کو کہتے ہیں جس کے اثبات کیلئے تمام افراد کا ثابت کرنا لازم ہے اور نفی کیلئے ایک فرد کی نفی ہی کافی ہے نیز تمام افراد کا علم تفصیلی طور پر ہونا بھی ضروری نہیں۔

(iv) علمِ مطلق تفصیلی

ایسے علم کو کہتے ہیں جس کے اثبات کیلئے تمام افراد کا اثبات کرنا ضروری ہے جبکہ نفی کرنے کیلئے ایک فرد کی نفی ہی کافی ہے اور تمام افراد کا تفصیلی علم یعنی ہر فرد کے جملہ پہلوؤں کا جاننا بھی ضروری ہے۔ ان چاروں اقسام میں سے پہلی تین قسمیں مخلوق کے ساتھ خاص ہیں اور چوتھی قسم علم مطلق تفصیلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے یہ اللہ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔

مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ اس سلسلہ میں مزید تحریر فرماتے ہیں۔

فهذا قسم يختص بالله تعالىٰ اما الثلثة الباقية اعنى العلم المطلق الاجمالي و مطلق العلم الاجمالي و التفصيلي فغير مختصات به تعالىٰ اما المطلق الاجمالي فحصوله للعباد بديهي عقلاً و ضروري دينا فانا امنا انه تعالىٰ بكل شئ عليم قد لاحظنا بقولنا كل شي جميع معلومات الله سبحانه و تعالىٰ فعلمناها معاجميعًا علما اجماليا ومن نفاه عن نفسه فقد نفى عنه الايمان بهذه الاية

یہ قسم (علم مطلق تفصیلی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے رہی باقی تین قسمیں یعنی علم مطلق اجمالی اور مطلق علم اجمالی اور تفصیلی یہ قسمیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں۔ علم مطلق اجمالی کا بندوں کیلئے حاصل ہونا عقلاً بدیہی اور ضروریات دین سے ہے۔ اس لئے کہ ہم ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے جانتا ہے تو ہر شے کہنے میں ہم نے جمیع معلومات الٰہیہ کا لحاظ کر دیا اور ان سب کو ایک اجمالی طور پر جان لیا تو جسے اپنے لیے ثابت نہ جانے وہ اپنے نفس سے اس آیت پر ایمان کی نفی کرتا ہے تو خود اپنے

فاعترف بكفره والعياذ بالله تعالىٰ و معلوم ان ثبوت العلم المطلق الاجمالي ثبوت مطلق العلم الاجمالي والتفصيلي منه كذلك فانا امنا بالقيٰمة و بالجنة و بالنار بالله تعالىٰ و بالامهات السبع من صفاته عز وجل وكل ذلك غيب و قد علمنا كلا بحياله ممتازا عن غيره فوجب حصول مطلق العلم التفصيلي بالغيوب لكل مومن [1]

کفر کا مقر ہوا اور اللہ کی پناہ اور معلوم ہے کہ جب علمِ مطلق اجمالی بندوں کے لیے ثابت ہوا تو مطلق علمِ اجمالی اپنے آپ ثابت ہو گیا اور اسی طرح مطلق علم تفصیلی اس لئے کہ ہم قیامت و جنت و نار اور اللہ تعالیٰ اور اس کی صفتوں میں سے ساتوں صفاتِ اصول پر ایمان لائے اور یہ سب کا سب غیب ہے اور ان میں ہر ایک ہم نے علیٰحدہ علیٰحدہ ممتاز پہچانا تو واجب ہوا (کہ غیبوں کا مطلق علم تفصیلی ہر مسلمان کو حاصل ہے)

آیاتِ نفی اور آیاتِ اثبات کے لئے جدا جدا مورد

علم کی مذکورہ بالا تقسیم سے معلوم ہوا کہ علم ذاتی ہے ہی اللہ کیلئے مخلوق کیلئے نہیں اور علم عطائی مخلوق کیلئے ہے خالق کیلئے نہیں اسی طرح علم مطلق تفصیلی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور مطلق علم اجمالی، مطلق علم تفصیلی اور علم مطلق اجمالی مخلوق کیلئے ہیں اللہ تعالیٰ کیلئے نہیں تو اب آیات نفی اور آیات اثبات کو سمجھنا آسان ہو گیا پس جتنی آیات نفی ہیں ان کے حسب ذیل دو مورد ہیں۔

۱۔علم ذاتی کی نفی ۲۔علم مطلق تفصیلی کی نفی

---

[1] الدولة المكيه بالماده الغيبية: ۳٦

اور آیات اثباتِ کا مورد علمِ عطائی ہے خواہ وہ علم مطلق اجمالی ہو یا مطلق علم تفصیلی۔

مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ علم کی اقسام کی تفصیل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فثبت ان العلم الذی یستاھل الاختصاص به تعالیٰ لیس الا العلم الذاتی والعلم المطلق التفصیلی المحیط بجمیع المعلومات الالهیة بالاستغراق الحقیقی فهما المرادان فی آیات النفی و ان العلم الذی یصح اثباته للعباد و هو العلم االعطائی سواء کان العلم المطلق الاجمالی او مطلق العلم التفصیلی [1]

تو ثابت ہوا کہ وہ علم جو اللہ عز وجل کے ساتھ خاص ہونے کے لائق ہے وہ نہیں مگر علم ذاتی اور علم مطلق تفصیلی کہ جمیع معلومات الٰہیہ کو استغراق حقیقی کے ساتھ محیط ہو تو جن آیتوں میں غیر خدا سے نفی فرمائے ان میں ضرور ہے کہ یہی دونوں معنی مراد ہوں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ علم جسے بندوں کے لئے ثابت کر سکتے ہیں وہ علم عطائی ہے خواہ علم مطلق اجمالی ہو یا مطلق علم تفصیلی۔

احادیث میں ماسوی اللہ سے علم غیب ذاتی کی نفی

آیات کی طرح احادیث بھی دو طرح سے ہیں۔ ایک وہ جن میں ماسوی اللہ سے علم غیب کی نفی ہے اور ایک وہ جن میں حضور ﷺ کے علم غیب کا اثبات ہے احادیث نفی کی دو مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

---

[1] الدولة المکیة بالمادة الغیبیة: ۳۸

ومن حدثک انه یعلم الغیب فقد کذب و هو یقول لا یعلم الغیب الا اللہ ۔[۱]

اور جس نے یہ بیان کیا حضور ﷺ غیب (بذاتِ خود) جانتے ہیں اس نے جھوٹ بولا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مفاتیح الغیب خمس لا یعلمها الا اللہ لا یعلم ما تغیض الارحام الا اللہ و ما یعلم ما فی غد الا اللہ ولا یعلم متی یاتی المطر احد الا اللہ ولا تدری نفس بای ارض تموت الا اللہ ولایعلم متی تقوم الساعة الا اللہ. [۲]

غیب کی کنجیاں پانچ ہیں اللہ کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جو ارحام کی بیشی کرتے ہیں اور اسکے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا اسکے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی اسکے سوا کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں فوت ہوگا اور اسکے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔

مذکورہ احادیث سے ماسوی اللہ سے مطلقاً علم غیب کی نفی مراد نہیں لی جا سکتی کیونکہ ماسوی اللہ کے لئے اطلاع علی الغیب قرآن سے ثابت ہے اور حضور ﷺ کی متعدد احادیث آپ ﷺ کے علم غیب پر شاھد ہیں۔

اگر ان احادیث سے ماسوی اللہ کے علم غیب کی کلیتاً نفی کی جائے تو یہ سالبہ کلیہ (کل کی نفی) ہوگا جبکہ احادیث نبویہ میں موجبہ جزئیہ (جز کا اثبات) موجود ہے، موجبہ

---

[۱] صحیح البخاری، ۲: ۱۰۹۸، کتاب التوحید

[۲] صحیح البخاری، ۲: ۹۸، ۱۰۹۷، کتاب التوحید

جزئیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ (جز کی نفی) ہوتا ہے نہ کہ سالبہ کلیہ۔ معلوم ہوا کہ ان احادیث میں ما سوی اللہ کے علم غیب کی کلیتاً نفی نہیں بلکہ جزوی نفی ہے اور وہ علم ذاتی کی نفی ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی بذات خود غیب نہیں جانتا' اللہ کے سوا جو کوئی بھی غیب جانتا ہے اُسی کی عطا سے جانتا ہے۔

علم خالق اور علم مخلوق میں فرق

خالق اور مخلوق کے علم میں تمیز اور فرق کرتے ہوئے یہ امر ملحوظ خاطر رکھا جائے گا کہ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔ جس طرح اس کی ذات کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مخلوق کی ذات کے مشابہ ہوسکتی ہے۔ اسی طرح اس کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ علم خالق اور علم مخلوق میں کوئی باہمی نسبت نہیں۔ اس بناء پر علمِ خالق اور علمِ مخلوق میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ خالق اور مخلوق میں فرق ہے۔

یہ تسلیم کرنے کے بعد علمِ خالق اور علمِ مخلوق کو مساوی اور مماثل قرار دینا تو در کنار اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ درج ذیل علمی تقابل سے علمِ خالق اور علمِ مخلوق کے مابین فرق کو واضح کیا جاسکتا ہے۔

علم خالق	علم مخلوق
۱۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے	علمِ مخلوق علم عطائی ہے
۲۔ علمِ خالق اس کی ذات کیلیے واجب ہے۔	علمِ مخلوق اس کے لئے ممکن ہے
۳۔ علمِ خالق ازلی' سرمدی قدیم اور حقیقی ہے	علمِ مخلوق حادث ہے اس لئے کہ تمام مخلوق حادث ہے اور صفت موصوف سے پہلے نہیں ہوسکتی۔
۴۔ علمِ خالق مخلوق نہیں۔	علمِ مخلوق بھی مخلوق ہے۔

۵۔علم خالق کسی کے زیر قدرت نہیں۔	علم مخلوق اللہ تعالیٰ کے زیر قدرت اور زیردست ہے۔
۶۔علمِ خالق کا دوام واجب ہے	علمِ مخلوق کی فنا ممکن ہے
۷۔علمِ خالق میں تغیر وتبدل، محال ہے۔	علمِ مخلوق میں تغیر وتبدل، ممکن ہے۔
۸۔علمِ خالق غیر محدود و غیر متناہی ہے	علمِ مخلوق محدود و متناہی ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ فرماتے ہیں۔

لوجمع علوم جميع العلمين اولًا واخراً لما كانت لها نسبة ما اصلاً الى علوم الله سبحانه و تعالىٰ حتى كنسبة حصة من الف الف حصة قطرة الى الف الف بحر و ذلک لان تلک الحصة من القطرة متناهية و تلک البحار الذواخر ايضاً متناهيات ولا بد للمتنا هى من نسبة الى المتناهى فانالو اخذنا امثال تلک الحصة من البحار مرة بعد اخرى لا بد ان ياتى على البحار يوم تنفد و تنفى لتناهيها اما غير المتناهى فكل ما اخذت منه امثال المتناهى و

اگر تمام اولین و آخرین کے علوم جمع کر لئے جائیں تو ان کے مجموعہ کو علوم الٰہیہ سے اصلاً کوئی نسبت نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ نسبت بھی نہیں ہوسکتی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصہ کو دس لاکھ سمندروں سے اس لیے کہ بوند کا یہ حصہ بھی محدود ہے اور وہ دریائے ذخار بھی متناہی ہیں اور متناہی کی متناہی سے ضرور کوئی نسبت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہم بوند کے اس حصہ کے برابر یکے بعد دیگرے ان سمندروں میں سے پانی لیتے جائیں تو ضرور ان سمندروں پر ایک دن آئے گا کہ ختم وفنا ہو جائیں گے کہ آخر متناہی ہیں لیکن غیر متناہی میں سے کتنے ہی بڑے متناہی حصے کے امثال

ان کان بالغاً فی الکبر ما بلغ کان الحاصل متناهیا ابدا والباقی فیه غیر متناه ابدا فلا یمکن حصول نسبة ابدا هذا هوا یماننا باللہ ۔[1]

لیتے چلے جاؤ تو حاصل ہمیشہ متناہی ہی ہوگا اور اس میں ہمیشہ غیر متناہی باقی رہے گا تو کبھی کوئی نسبت حاصل نہیں ہوسکتی (علمِ خالق اور مخلوق میں) یہ ہے ہمارا ایمان اللہ عزوجل پر۔

علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ لکھتے ہیں۔

''حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کو علم الٰہی سے کوئی نسبت نہیں، ذرہ کو آفتاب سے اور قطرہ کو سمندر سے جو نسبت ہے وہ بھی یہاں متصور نہیں۔ کہاں خالق اور کہاں مخلوق مماثلت ومساوات کا تو ذکر ہی کیا۔ علم الٰہی کے حضور تمام مخلوق کے علوم اقل قلیل ہیں۔ کوئی ہستی (حقیقت) نہیں رکھتے لیکن بایں ہمہ عطائے الٰہی سے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع کائنات تمام ماکان ومایکون کے علوم حاصل ہیں۔[2]

علمِ مخلوق کو علمِ خالق سے کوئی نسبت نہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو جو علم عطا فرمایا ہے وہ ساری کائنات پر حاوی ہے، ساری کائنات کے عالموں اور عارفوں کا علم مل کر مدینۃ العلم ﷺ کے علم کے بحر بے کنار کے ایک قطرے کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مگر حضور ﷺ کے علم کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ کرنا چاہیں تو یہ بڑی نادانی ہے کیونکہ مخلوق کے علم کا مقابلہ خالق کے علم سے نہیں ہوسکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علم کو بلاتشبیہ و بلا مثال ایک لاکھ سمندر کی طرح قرار دیں تو حضور ﷺ کے علم کو جو ساری کائنات پر حاوی ہے وہ نسبت بھی حاصل نہیں جو ان کے

---

[1] الدولة المکیه بالمادة الغیبیة : ۳۰

[2] الکلمة العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ: ص ۴۳

مقابلے میں ایک قطرے کے کروڑویں حصے کو ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی جملہ حدود سے ماوراء ہے جبکہ حضور ﷺ کا علم متناہی اور محدود ہے اور اس متناہی اور محدود علم کی حدود کہاں تک پہنچتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرما دیا۔

ولا یحیطون بشیء من علمه[1] — اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔

کہ اس کے علم مطلق تفصیلی کے ایک ذرہ کا بھی کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ اپنے علم میں سے کسے کیا عطا کرتا ہے تو فرمایا ''الا بما شاء'' یہ اس کی مرضی ہے جس کو جتنا چاہے عطا کر دے۔

اس تصور کی وضاحت حدیث مبارکہ میں حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جب انہوں نے ایک چڑیا کو سمندر میں سے ایک یا دو چونچ پانی لیتے ہوئے دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

ما نقص علمی و علمک من علم اللہ الا کنقرة هذا العصفور فی البحر[2] — میرے اور آپ کے علم نے اللہ کے علم میں سے کچھ کم نہیں کیا مگر اس چڑیا کی چونچ سے سمندر میں (واقع ہونے والی) کمی کے برابر یعنی کچھ کمی نہیں کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم مخلوق کو علم خالق سے کوئی نسبت نہیں۔

---

[1] البقرہ، ۲: ۲۵۵ [2] صحیح البخاری، ۱: ۲۳، کتاب العلم

علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کلی یا جزئی

آج کل لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب سے متعلق کل اور جز کے جھگڑے میں گرفتار نظر آتے ہیں ان کے مناظرے اور جھگڑے ختم ہونے کو نہیں آتے۔ کوئی علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کل کہتا ہے اور کوئی جز کہتا ہے حالانکہ اگر حقیقت پسندی سے کام لیا جائے تو یہ نکتہ بڑی آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اس جھگڑے کے حل کے لئے یہ بات جان لینی چاہیئے کہ ہر کل ایک نسبت سے کل اور دوسری نسبت سے جز ہے یعنی کسی شے کو کل یا جز قرار دینا موازنہ اور تقابل کے بغیر ممکن نہیں۔ لہذا ہمیں سب سے پہلے اس امر کا تعین کرنا ہوگا کہ جزئی اور کلی ہونے کا ہم نے جو معیار قائم کر رکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی کوئی شے اپنے مقابل کے حوالے سے کلی حیثیت رکھتی ہے اور جب مقابل بدل جائے تو کسی دوسرے مقابل کے حوالے سے اسی شے کی حیثیت جزئی ہو جاتی ہے۔

ایک عام مثال کے حوالے سے اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ آپ کے محلے کی مسجد کے محراب اور بام و در میں اگر محراب و مسجد کا موازنہ کریں تو محراب اور مسجد کے اندر کے صحن کے حوالے سے مسجد کل اور محراب اس کا جز ہوگا۔ اب اسی مسجد کا موازنہ محلے سے کریں تو وہ مسجد جو محراب کے مقابلے میں کل تھی محلے کے مقابلے میں جز قرار پائے گی جبکہ محلہ اس کے مقابلے میں کل کی حیثیت کا حامل ہوگا۔ اسی طرح محلہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ جز ہے اور شہر کل ہے اور شہر کو ملک کے مقابلے میں لیا جائے تو شہر جز ہوگا اور ملک کل، اسی طرح ملک کو اگر دنیا کے مقابلے میں دیکھا جائے تو یہ بھی جز بن جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ جز اور کل ایک اضافی رشتہ ہے اور اس کو ختم کرنے کے لئے کوئی حد متعین نہیں کی جا سکتی اس لئے کہ ہر کل دوسرے اعتبار سے جز ہوتا ہے۔

بلا تشبیہ و بلا تمثیل اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم جزئی

قرار پائے گا لیکن اگر حضور نبی اکرم ﷺ کے علم کا موازنہ ہم بنی نوع انسان اور جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حوالے سے کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ تمام مخلوق کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کا علم کلی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں علم جزئی ہے۔

پس جب اہل علم حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے کلی علم غیب کا اثبات کرتے ہیں تو اس سے مراد جملہ مخلوق کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کے علم کی رفعت و عظمت کا اثبات ہے لیکن جب ارباب علم و دانش حضور نبی اکرم ﷺ کے علم کو جزئی قرار دیتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ خالق و مالک کائنات کے علم اور حضور ﷺ کے علم کے مابین کل اور جزکی نسبت ہے۔

باب پنجم

علم غیب......لازمۂ نبوت

نبوت ایک وہبی استعداد ہے

نبوت خاص اللہ کی عطا کردہ ایک وہبی استعداد ہے اس میں انسانی کسب، کوشش، جدوجہد اور کمال کا سرے سے کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ سرتاپا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہب اور عطیہ ہوتی ہے۔ نبوت و رسالت کے وہبی اور انتخاب خداوندی ہونے کی دلیل خود قرآن سے ثابت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ [۱]

اللہ خوب جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت کا محل کسے بنانا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عن ابی هريرة قال قالوا يا رسول الله متى و جبت لک النبوة قال و ادم بين الروح الجسد۔ [۲]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ کیلئے نبوت کب واجب ہوئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے

۱۔ الانعام، ۶: ۱۲۴

۲۔ ۱۔ جامع الترمذی، ۲: ۲۰۱، کتاب المناقب ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۵: ۵۹ ۳۔ المستدرک للحاکم، ۲: ۶۰۹

درمیان تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبوت ایسا منصب نہیں جس کا جوہر کسی شخص کے خمیر میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت نہ کیا ہو اور بعد میں محض اس کی عبادات و ریاضات اور علم و تقویٰ کو دیکھ کر عطا کر دیا ہو۔

علم غیب خاصۂ نبوت ہے

نبوت کی خصوصیات میں سے ایک انتہائی اہم اور بنیادی خصوصیت علم غیب ہے۔ جس طرح نبوت ایک وہبی عطا ہے اور یہ نبوت کا خاصہ ہے اسی طرح علم غیب بھی نبوت کا لازمہ اور خاصہ ہے۔ اسی طرح جیسے یہ مسلمہ امر ہے کہ نبوت کسبی نہیں ہو سکتی بالکل اسی طرح نبوت کا تصور بھی علم غیب کے بغیر ممکن نہیں۔ بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ نبوت خود علم غیب سے عبارت ہے تو بے جا نہ ہوگا بایں طور کہ ایک جہت کے اعتبار سے نبی کا معنی ہی علم غیب بتانے والا ہے۔

عربی لغت کی معتبر کتاب المنجد میں نبوت کا معنی درج ہے۔

والنبوة الاخبار عن الغيب او المستقبل بالهام من الله. ......الاخبار عن الله وما يتعلق به تعالىٰ [1]	نبوت کا معنی ہے اللہ کی طرف سے الہام پا کر غیب یا مستقبل کی خبر دینا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے متعلقات کی خبر دینا۔

اور نبی کا معنی یوں دیا گیا ہے۔

---

[1] المنجد: ۷۸۴

والنبی المخبر عن الغیب او المستقبل بالهام من الله، المخبر عن الله وما یتعلق به تعالیٰ [1]

نبی کا مطلب ہے اللہ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب یا مستقبل کی باتیں بتانے والا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے متعلقات کی خبر دینے والا۔

قاضی ابوالفضل عیاضؒ فرماتے ہیں۔

النبوة فی لغة من همز ماخوذة من النباء و هو الخبر والمعنی ان الله تعالیٰ اطلعه علی غیبه و اعلمه انه نبیه او یکون مخبرا عما بعثه الله تعالیٰ به و منبأ بما اطلعه علیه. [2]

نبوت اس شخص کی لغت میں جو ہمزہ پڑھتا ہے نبأ سے ماخوذ ہے بمعنی خبر۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے غیب پر مطلع فرمادیا اور اسے بتایا کہ وہ اللہ کا نبی ہے یا وہ خبر دینے والا ہے اس وحی کی جس کے ساتھ اللہ نے اسے بھیجا ہے اور بتانے والا ہے ان حقائق کا جن پر اللہ نے اسے مطلع فرمادیا۔

قاضی عیاضؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

النبوة هی الاطلاع علی الغیب والاعلام بخواص النبوة [3]

نبوت کا معنی ہے غیب پر مطلع ہونا اور خصوصیات نبوت بتانا۔

امام زبیدیؒ لکھتے ہیں۔

---

۱ المنجد: ۷۸۴

۲ الشفاء ۱: ۱۶۰

۳ الشفاء ۱: ۱۶۱

النبی المخبر عن اللہ فان اللہ تعالیٰ اخبرہ عن توحیدہ و اطلعه علی غیبه و اعلمه انه نبیه [1]

نبی کا معنی ہے اللہ کی طرف سے خبر دینے والا بے شک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اپنی توحید کی خبر دی اور اپنے غیب پر مطلع فرمایا اور آپ کو آپ کا نبی ہونا بتایا۔

عربی قاعدہ کی رو سے لفظ نبی نبأ ینبأ سے فعیل کے وزن پر صفت مشبہ ہے نبا کا معنی ہے خبر دینا اور نبی کا معنی ہوا خبر دینے والا اور خبر رکھنے والا کیونکہ بے خبر خبر نہیں دے سکتا۔ خبر وہی دے سکتا ہے جو باخبر ہو گویا نبی کا معنی مخبر ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت مخبر بھی ہے۔

امام ابن تیمیہ حرانیؒ لکھتے ہیں:

النبوة مشتقة من الانباء و النبی فعیل و فعیل قد یکون بمعنی فاعل ای منبیٔ و بمعنی مفعول ای منبی و هما هنا متلازمان [2]

نبوت انباء سے مشتق ہے بمعنی خبر دینا اور نبی فعیل کے وزن پر ہے اور فعیل کبھی اسم فاعل کے معنی میں آتا ہے یعنی خبر دینے والا اور کبھی اسم مفعول کے معنی میں یعنی خبر دیا ہوا اور یہاں دونوں مفہوم لازم و ملزوم ہیں یعنی خبر دینے والا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ خود اسے اللہ کی طرف سے خبر دی گئی ہو۔

چونکہ نبی صفت مشبہ ہے اور صفت مشبہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں دوام اور

---

[1] تاج العروس للزبیدی' ۱ : ۱۲۱

[2] کتاب النبوة: ۳۳

استمرار کے معنی پائے جاتے ہیں اس لئے نبی کے اندر بھی دوام اور استمرار کا مفہوم موجود ہے یعنی نبی وہ ہوتا ہے جو ہمہ وقت باخبر اور خبر دینے والا ہو۔

کیا ہر خبر دینے والے کو نبی کہا جائے گا؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی سے کونسی خبر دینے والا مراد ہے۔ کیا ہر خبر دینے والے کو نبی کہا جائے گا؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے اس لئے کہ قرآن و سنت سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر خبر دینے والا مخبر تو کہلاتا ہے مگر نبی نہیں کہلاتا۔ نبی فقط وہ ہوتا ہے جو غیب کی خبریں دے اور وہ خبریں اس کے سوا کوئی اور نہ دے سکے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیات کریمہ سے اس معنی کی وضاحت ہوتی ہے۔

ذلک من انباء الغیب نوحیه الیک [1]

(اے محبوب ﷺ!) یہ (علم) غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

تلک من انبآء الغیب نوحیها الیک [2]

یہ (بیان ان) غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

انباء نبأ کی جمع ہے۔ اسی سے لفظ نبی بنا ہے۔ آیات مذکورہ میں اللہ جل شانہ نبی معظم ﷺ پر کی گئی وحی کو انباء الغیب (غیب کی خبریں) قرار دے رہا ہے۔ گویا وحی غیب کا علم ہوا اور نبی وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ غیب کا علم عطا فرمائے اور اس کی زبان حق

---

[1] آل عمران، ۳: ۴۴

[2] ہود، ۱۱: ۴۹

ترجمان سے غیب کی خبریں لوگوں تک پہنچیں۔

ثابت ہوا کہ منصب نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم غیب کے عطا کئے جانے سے عبارت ہے۔ اطلاع علی الغیب کی استعداد کے بغیر کوئی نبی، نبی نہیں ہو سکتا۔

علم غیب نبوت کا خاصہ کیوں اور کیسے؟

اس سوال کا جواب ہم انسانی ذرائع علم کے حوالے سے دے کر اس تصور کی وضاحت کریں گے۔

انسان کو حصول علم کے درج ذیل دو طریقے دستیاب ہیں۔

۱۔ علم بالواسطہ (Indirect Knowledge)

۲۔ علم بلاواسطہ (Direct Knowledge)

۱۔ علم بالواسطہ (Indirect Knowledge)

علم بالواسطہ سے مراد وہ علم ہے جو کسی خارجی واسطہ کے ذریعے حاصل ہو۔

علم بالواسطہ کے ذرائع

علم بالواسطہ کے دو ذریعے ہیں۔

۱۔ حواسِ خمسہ ظاہری (Five Senses)

۲۔ عقل (Intellect)

۱۔ حواسِ خمسہ ظاہری

حواسِ ''حس'' کی جمع ہے۔ حس ایک ایسی قوت کا نام ہے جس سے موجودات حسیہ کا ادراک ممکن ہے۔ حواس خمسہ ظاہری وہ پانچ حواس ہیں جو خارج میں پائے جاتے

ہیں اور عمر کے ساتھ ساتھ تکمیلی مراحل طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

۱ حس لامسہ (چھونے کی قوت) (Sense of Touch)

۲ حس باصرہ (دیکھنے کی قوت) (Sense of Sight)

۳ حس سامعہ (سننے کی قوت) (Sense of Hearing)

۴ حس ذائقہ (چکھنے کی قوت) (Sense of Taste)

۵ حس شامہ (سونگھنے کی قوت) (Sense of Smell)

یہ وہ پانچ ذرائع ہیں جن سے عموماً انسان حقائق کو جاننے کی کوشش کرتا ہے مگر یہ حواس صرف ظاہری طبعی دنیا (Physical World) کی حقیقتوں کو جاننے اور ان کا ادراک کرنے تک محدود رہتے ہیں۔ یہ حواس انسانی ذہن کو فقط ظاہری خام مواد (Raw Material) مہیا کرنے پر مامور ہیں۔ قوت لامسہ کا کام کسی چیز کو چھو کر معلوم کرنا ہے کہ وہ چیز کیسی ہے؟ نرم و گداز ہے یا سخت اور کھردری لیکن اگر کوئی چیز غیر مادی جسم رکھتی ہے تو ہاتھ کوشش کے باوجود اس کے وجود کا سراغ نہیں لگا سکتے۔ اسی طرح قوت باصرہ کا کام مرئی اشیاء کو دیکھنا اور ان کے وجود کا سراغ لگانا ہے لیکن آنکھ اس وقت جسم کا سراغ لگا سکتی ہے جب کوئی چیز دیکھے جانے کے قابل ہو۔ اگر کوئی چیز غیر مرئی ہے تو اس کو قوت باصرہ معلوم نہیں کر سکتی۔ علی ہذا القیاس قوت سامعہ کا کام آواز کا پتہ لگانا ہے۔ خوشبو یا بدبو کو قوت شامہ کے ذریعے جانا جاتا ہے۔ مٹھاس یا کڑواہٹ کا احساس قوت ذائقہ کے ذریعے پایا جاتا ہے۔

جب یونان میں فلسفہ کا آغاز ہوا تو کائنات کے حقائق معلوم کرنے کے لئے ابتداءً انہی پانچ حواس کو ذرائع علم قرار دیا گیا کہ اگر کسی تصور کی تصدیق یہ حواس کر دیں تو وہ درست ہوگا ورنہ غلط۔ اس تصور علم کو حسیت (Sensibility) کا نام دیا گیا جس کی رو سے وہ چیزیں جنہیں حواس کے ذریعے جانا جاتا ہے انہیں محسوسات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حواس خمسہ ایک دوسرے کا بدل نہیں

جو چیز آنکھ کے ذریعے معلوم کی جاسکتی ہے وہ کسی اور حس کے ذریعے نہیں جانی جا سکتی مثلاً اگر کوئی شخص آپ کے قریب آ کر بیٹھ جائے اور آپ آنکھیں بند کر لیں تو اپنے بقیہ چاروں حواس استعمال کرنے کے باوجود آپ کسی صورت میں بھی اس شخص کے وجود کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی قوت سامعہ مفقود ہو جائے تو وہ بقیہ چاروں حواس کو آزمانے کے باوجود آواز کا سراغ لگانے سے قاصر رہتا ہے۔ اگر زبان ذائقے کا پتہ نہ چلا سکے تو آنکھ، ناک، کان اور ہاتھ، پاؤں سلامت ہونے کے باوجود بھی وہ مختلف ذائقوں کی تمیز نہیں کر سکتا۔

حواس ظاہری کا دائرہ محدود ہے

حواس ظاہری میں سے ہر حس کا ایک مخصوص دائرہ اور حلقہ ہوتا ہے جو اشیاء حواس ظاہری کے ذریعے معلوم کی جاتی ہیں۔ انہیں ادراکات حسی کہتے ہیں۔ جو شئے جس حاسے کے دائرہ کار میں آتی ہے اسے ہمیشہ اسی حاسے کی مدد ہی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اگر اس حاسے کے بجائے اس پر دوسرے حواس آزمائے جائیں تو ہزار کوششوں کے باوجود اس چیز کی صحیح ماہیت وحقیقت کا ادراک ممکن نہیں۔ آواز کو کان کے ذریعے سے معلوم کیا جائے گا تو وہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ رنگوں کو آنکھوں کے ترازو میں تولا جائے گا تو ان میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ خوشبو کو قوت شامہ کے ذریعے معلوم کیا جائے گا تو وہ انسانی ادراک میں آسکتی ہے لیکن مذکورہ بالا حواس کے علاوہ اسی چیز کو کسی دوسرے حاسے کی مدد سے جاننے کی کوشش محض بیکار ثابت ہوگی لہٰذا طے یہ پایا کہ اگر کوئی وجود دنیا میں موجود ہے مگر اس کو معلوم کرنے والی خاص حس موجود نہیں تو پھر باقی سارے حواس آزمانے کے باوجود اس وجود کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔

ایک خوبصورت تمثیل (A Beautiful Allegory)

مولانا رومؒ نے اس مضمون (حواس کے ایک دوسرے کی جگہ نہ لینے) کو ایک عمدہ مثال کے ذریعے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں "کسی جگہ پانچ اندھے تھے جنہوں نے ساری زندگی ہاتھی کو نہیں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ ہاتھی ان کے سامنے لایا گیا اور ہر ایک سے کہا گیا کہ باری باری چھو کر بتائے کہ ہاتھی مجموعی طور پر کیسا ہے؟ ہر ایک نے اپنے ہاتھوں کے ذریعے ہاتھی کو جاننے کی کوشش کی چنانچہ اس کوشش میں ایک کا ہاتھ ہاتھی کے پیٹ پر پڑا تو اس نے کہا کہ ہاتھی دیوار کی طرح ہوتا ہے۔ دوسرے نے اپنا ہاتھ اس کی ٹانگوں پر رکھا تو کہا ہاتھی تو ستونوں کی طرح ہوتا ہے۔ ایک نے اپنے ہاتھ سے ہاتھی کے کانوں کو ٹٹولا تو اس نے گمان کیا کہ ہاتھی تو پنکھے کی طرح ہوتا ہے۔ کسی نے ہاتھ کے سونڈھ کو ٹٹولا تو اس نے کہا ہاتھی رسے کی مانند ہوتا ہے۔ الغرض پانچوں کے پانچوں اشخاص اتنے بڑے وجود (یعنی ہاتھی) کے صحیح ادراک سے قاصر رہے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ حس بصارت جس کے ذریعے اس وجود کو جانا جا سکتا تھا اس سے محروم تھے اور اس کی عدم موجودگی میں دوسرے تمام حواس آزمانے کے باوجود انہیں ہاتھی کی اجتماعی شکل وصورت معلوم نہ ہو سکی"۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ

اولاً حواس خمسہ ظاہری صرف طبعی دنیا (Physical World) کی اشیاء کا ادراک کر سکتے ہیں جن میں مادہ بھی شامل ہے اور توانائی بھی۔

ثانیاً ہر حس کا ایک مخصوص دائرہ کار ہے۔ جو چیز اس دائرے میں آ جائے وہ حس فقط اسی کو محسوس کر سکتی ہے لیکن جو چیز اس حس کے دائرے سے باہر ہو اس چیز کا صحیح ادراک تمام حواس مل کر بھی نہیں کر سکتے۔

۲- عقل (Intellect)

علم بالواسطہ کا دوسرا ذریعہ عقل ہے۔ عقل کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

العقل ما يعقل به حقائق الاشياء قيل محله الراس و قيل محله القلب ۱؎	عقل اس قوت کا نام ہے جس سے اشیاء کے حقائق کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اس کا مقام سر ہے یا دل۔

انسانی جسم میں عقل کی حیثیت

ایک اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ اگر پانچوں حواس درست اور سلامت ہوں لیکن انہیں عقل کی سرپرستی حاصل نہ ہو تو پانچوں حواس کسی چیز کو ٹھیک ٹھاک محسوس کرنے کے باوجود انسان کو کسی خاص نتیجے تک نہیں پہنچا سکتے۔ ان سے حاصل شدہ مواد کو خام مال (Raw Material) یا ادراک (Perception) تو کہہ سکتے ہیں علم ہرگز قرار نہیں دے سکتے۔ یہ ادراک اور یہ احساس اسی وقت علم کا روپ اختیار کرتا ہے جب آنکھوں کی بصارت، کانوں کی سماعت، ہاتھوں کے لمس اور زبان کے ذائقے کا تاثر عقل پر وارد ہو اور اس سے صحیح نتائج اخذ کر کے انسانی جستجو کو خاص نہج عطا کر دے اور اس ادراک کو منظم کر دے۔ انسانی جسم کے جس حصے میں یہ سب عمل تکمیل پذیر ہوتا ہے اسے دماغ (Brain) کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے بذات خود عقل کو ایک بہت بڑا کارخانہ بنا دیا ہے۔

تحصیلِ علم میں عقل کا کردار

جس طرح محسوساتِ ظاہری کے لئے قدرت نے پانچ حواس تخلیق فرمائے ہیں

۱؎ التعریفات: ۳۲

اسی طرح عقل انسانی کے لئے بھی پانچ مدرکات پیدا کئے گئے ہیں جنہیں حواس خمسہ باطنی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان تمام حسوں میں باہمی نظم وضبط اور افہام وتفہیم مثالی ہوتا ہے۔ گویا یہ عقل کی زنجیر کی پانچ مضبوط کڑیاں ہیں جو حواس خمسہ ظاہری سے حاصل ہونے والے ادراک کو مربوط شکل میں پیش کرتی ہیں یعنی ادراک کو علم کی صورت دیتی ہیں۔ حواس خمسہ ظاہری جو کچھ محسوس کرتے ہیں اس کے تاثرات جوں کے توں عقل تک پہنچا دیتے ہیں۔ عقل اپنے پانچ شعبوں کی مدد سے ان تاثرات سے صحیح نتیجہ اخذ کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ کان نے کیا سنا، ہاتھوں نے کیا پکڑا اور زبان نے کونسا ذائقہ چکھا اور آنکھ نے کیا دیکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حواس کا کام دماغ کے لئے معلومات کا خام مواد تیار کرنا ہے ان محسوسات کو سمجھنا نہیں۔ کان بذات خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ سنے ہوئے الفاظ کا مطلب کیا ہے، آنکھ بذات خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ سرخ اور سبز رنگ میں کیا فرق ہے۔ ہاتھ اور زبان خود نہیں بتا سکتے کہ فلاں چیز نرم ہے یا سخت، میٹھی ہے یا کڑوی، آخری فیصلہ عقل انسانی صادر کرتی ہے حواس خمسہ نہیں۔ گویا علم کی آخری صورت گری عقل سے ہوتی ہے حواس خمسہ سے نہیں۔

حواس خمسہ باطنی

حواس خمسہ باطنی کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ حسِ مشترک

عقل انسانی کا یہ گوشہ حواس ظاہری کے تاثرات کو وصول کرتا ہے۔ حواس کے اولین تاثرات اس حصہ عقل پر جا کر جذب ہو جاتے ہیں مثلاً جب ہم اپنی آنکھ سے کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو انسانی عقل کے اس حصے پر اس کی تصویر مرتسم ہو جاتی ہے اسی لئے اسے لوح النفس بھی کہتے ہیں۔

۲-حسِ خیال

حس خیال کا کام یہ ہے کہ مدرکات اور محسوسات کی جو تصاویر اور اشکال حس مشترک میں پہنچتی ہیں۔ حس خیال ان کی ظاہری صورتوں کو اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے مثلاً جب ہم لفظ ''میں'' بولتے ہیں تو اس لفظ کی ظاہری صورت یعنی ''میم''، ''ی'' اور ''نون غنہ'' ہے۔ چنانچہ اس کے ظاہر کا یہ تاثر حس مشترک پر منعکس ہوتا ہے اور یہ تاثر بصورت تصویر حس خیال میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

۳-حسِ واہمہ

جس طرح محسوسات کی ظاہری شکل وصورت کو حس مشترک نے حواس ظاہری سے وصول کیا تھا اور ''حس خیال'' نے اسے اپنے حافظے میں محفوظ کر لیا تھا اسی طرح حس واہمہ مدرکات حسی کے معنی ومفہوم یعنی ان کی باطنی شکل وصورت کا ادراک کرتی ہے اور محفوظ رکھنے کے لئے ان تاثرات کو اس سے اگلی حس میں منتقل کر دیتی ہے جسے حافظہ کہا جاتا ہے۔

۴-حسِ حافظہ

یہاں محسوسات کے مفہوم یعنی معنوی وجود کو اس طرح سے محفوظ کیا جاتا ہے جس طرح ان کی ظاہری شکل کو حس خیال میں محفوظ کیا گیا تھا۔

۵-حسِ متصرفہ

پانچویں اور آخری باطنی حس متصرفہ کہلاتی ہے جس کا کام یہ ہے کہ حس مشترک میں آنے والی ظاہری صورت کو قوت واہمہ میں حاصل ہونے والے معنی سے اور حس خیال میں محفوظ شکل وصورت کو قوتِ حافظہ میں محفوظ مفہوم کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ اس طرح انسان مختلف الفاظ سن کر ان کا مفہوم سمجھنے، مختلف رنگ دیکھ کر ان میں تمیز کرنے اور مختلف

ذائقے چکھ کر ان میں فرق کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ پانچوں حصے باہم مل کر ایک خاص نقطے تک پہنچتے ہیں جسے علم کہا جاتا ہے۔ یہاں ادراک علم میں بدل جاتا ہے۔ اگر یہاں حس مشترک موجود نہ ہو تو یہ پانچوں حواس بے بس ہو کر رہ جائیں۔ اس طرح اگر ان میں حس واہمہ صحیح نہ ہو تو آپ سب کچھ دیکھیں لیکن جان کچھ نہ سکیں۔ آواز تو سنائی دے گی مگر اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکے گا۔ چیز کو ہاتھوں سے چھوا تو جا رہا ہو گا مگر نرم اور سخت چیزوں میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں کیا جا سکے گا۔

انسانی حواس کی بے بسی

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ حواس ظاہری علم تک رسائی حاصل کرنے کے لئے حواس باطنی کے محتاج ہیں۔ جب تک حواس ظاہری کے مدرکات ان پانچوں حواس باطنی سے گزر کر ایک صحیح نتیجے تک نہ پہنچیں اس وقت تک حواس ظاہری کے ذریعے محسوس کئے جانے والے تمام مادی حقائق علم کی شکل اختیار نہیں کر سکتے۔ گویا حواس ظاہری کسی شئے کو محسوس تو کرتے ہیں معلوم نہیں کر سکتے۔

دوسری طرف عقل اور اس کے حواس باطنی مکمل طور پر حواس ظاہری کے محتاج ہیں۔ اگر آنکھ دیکھنے سے، کان سننے سے، ناک سونگھنے سے اور زبان چکھنے سے محروم ہو تو تمام عقلی حواس مل کر بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے لہٰذا جہاں حواس عقل کے محتاج ہیں وہاں عقل بھی حواس کی محتاج ہے۔ اگر کسی بچے کو پیدائش کے بعد ایسے مقام پر پرورش کے لئے لے جایا جائے جہاں کوئی آواز اس کے کان میں نہ پڑنے پائے تو ایسا بچہ پچاس سال کا ہو جانے کے باوجود نہ کچھ بول سکے گا اور نہ کچھ سمجھ سکے گا۔ وجہ فقط یہ ہے کہ ہم جو کچھ اپنی زبان سے بولتے ہیں یہ دراصل نتیجہ ہوتا ہے ان آوازوں کا جو کانوں نے سنیں اور جنہیں عقل نے حافظہ میں محفوظ کر لیا۔ جب یہ شخص اپنے کان سے کچھ سن ہی نہیں سکا اور اس کی عقل، الفاظ،

حروف لہجوں اور آوازوں کو محفوظ ہی نہ کر سکی تو جس طرح اس کا دماغ الفاظ کے معاملے میں سفید کاغذ کی طرح کورا رہا اسی طرح اس شخص کو اپنی کیفیات، حاجات اور خواہشات کے بیان پر بھی قدرت اور ملکہ حاصل نہ ہو گا۔

۲-علم بلاواسطہ (Direct Knowledge)

یہ وہ علم ہے جو کسی خارجی واسطے کے بغیر حاصل ہو۔ اس کے حصول کے دو داخلی ذرائع ہیں۔

۱- فطرت (Nature)

۲- وجدان (Intuition)

۱-علم بالفطرت

علم بالفطرت اس علم کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کسی کی جبلت اور فطرت میں ودیعت فرما دیا ہو یعنی اس علم کو کسی مدرسے، سکول، کالج یا یونیورسٹی سے حاصل نہ کیا جائے۔ اس علم کے جتنے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو "فطریات" کہا جاتا ہے۔

علم بالفطرت کو ہدایت فطری سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی اور مولانا ابوالکلام آزاد اس ہدایت کو "ہدایت وجدانی" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

وجدان وہ ذریعہ ہدایت ہے جو ہم ہر جاندار مخلوق کے اندر ابہام کی صورت میں موجود پاتے ہیں۔ شکم مادر سے باہر وجود میں آتے ہی ہر بچہ خواہ وہ انسان کا ہو یا حیوان کا بغیر کسی خارجی رہنمائی اور تعلیم کے خود بخود جان لیتا ہے کہ اس کی غذا کا ساماں قدرت نے اس کی ماں کے سینے میں پیدا کر رکھا ہے۔ وہ جب پستان منہ میں لیتا ہے تو اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے دودھ حاصل کرنے کے لئے زور لگا کر چوسنا ہوگا۔ اس وجدانی ہدایت کی دوسری مثالیں انڈے کے خول سے تیار شدہ بچے کا باہر نکلنا، مچھلی اور بطخ کے بچوں کا پانی میں تیرنا اور

پر نکلنے پر پرندوں کے بچوں کا اڑنے کے لئے پروں کو خاص انداز سے حرکت دینا وغیرہ ہیں۔ یہ ربوبیت الٰہیہ کی ودیعت کردہ فطری ہدایت ہے جو مخلوق کے اندر الہامی طور پر نمو پذیر ہوتی ہے اور جس سے ان پر پرورش کی راہیں ہر دور میں خود بخود کھل جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں کائنات حیوانی (Animal Kingdom) سے متعلق ہمارے گرد و پیش چاروں طرف پھیلے ہوئے علم بالفطرت کے مظاہر کی جانب بلیغ اشارے کئے گئے ہیں۔ یہ علم ہر ذی روح کو فطری ہدایت کے ذریعے پیدائش کے ساتھ ہی عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے۔

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰیO [1]

ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر شے کو وجود بخشا ہے پھر (اس کی استعداد کے مطابق) اس کی رہنمائی کی۔

اس آیہ کریمہ میں ہدایت سے مراد خاص قسم کی جبلی (Instinctive) اور فطری ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ انسانوں کے علاوہ جانوروں کو بھی عطا کرتا ہے جس کے مطابق وہ پرورش پاتے اور اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

۲۔ علم بالوجدان

اس کائنات میں بہت ساری حقیقتیں ہیں جو حواس خمسہ ظاہری اور عقل کے حیطہ ادراک میں کبھی نہیں آتیں۔ اللہ رب العزت نے انسان کو ذریعہ علم کے طور پر ایک اور باطنی صلاحیتوں کے سرچشمے سے بھی نواز رکھا ہے جسے وجدان کہتے ہیں۔ وجدان فی الحقیقت ایک نفسی استعداد (Psychical force) کا نام ہے جس سے عالم طبیعیات

---

[1] طٰہٰ، ۲۰: ۵۰

(Physical World) کے حقائق کا ادراک ہوتا ہے اور اشیاء کی ماہیت کے بارے میں معرفت نصیب ہوتی ہے۔ انسان غیبی حقائق (Unseen Realities) اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وجدان اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہبی استعداد ہے جسے تزکیہ نفس سے جلا ملتی ہے اور ارتقائی عمل (Evolutionary Process) کے ذریعے اس کی ترقی و تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ چشم بصیرت اور چشم روحانیت دونوں مل کر وجدان کا دروازہ کھولتے ہیں۔ انسانی وجدان کے بھی پانچ گوشے ہیں، ان کو لطائف خمسہ کہتے ہیں۔

۱- لطیفہ قلب
۲- لطیفہ روح
۳- لطیفہ سر
۴- لطیفہ خفی
۵- لطیفہ اخفی

ان لطائف کے ذریعے انسان کے دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے۔ حقائق سے پردے اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ روح کے کان سننا شروع کر دیتے ہیں اور یوں انسانی قلب بعض ایسی حقیقتوں کا ادراک کرنے لگتا ہے جو حواس و عقل کی زد میں نہیں آ سکتے تھے لیکن انسانی وجدان کی پرواز بھی طبیعی کائنات تک محدود ہے۔

امام غزالی ارشاد فرماتے ہیں:

وراء العقل طور آخر تنفتح فيه	اور عقل کے بعد ایک اور ذریعہ ہے جس
عين اخرى يبصر بها الغيب وما	میں باطنی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس کے
سيكون في المستقبل و امورا	ذریعے غیبی حقائق اور مستقبل میں ظہور

اخر ، العقل معزول عنها۔ [1] پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھا جاتا ہے اور ان دیگر امور کو بھی جن کے ادراک سے عقل قاصر ہوتی ہے۔

انسانی ذرائع علم کی حدود وجدان پر آکر ختم ہو جاتی ہیں۔ گویا مادی حقائق کی دنیا میں یہ اس کی پرواز کی آخری حد ہے

انسان اور اس کی بساطِ علم

مذکورہ بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بعض حقائق تو ایسے ہیں جن کا علم انسانی حواس اور عقل کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اور بعض حقیقتیں وہ ہیں جن تک فطرت اور وجدان کے ذریعے رسائی حاصل ہوتی ہے لیکن وہ حقائق جو طبیعی کائنات کی وسعتوں سے ماوراء مابعد الطبیعیاتی (Metaphysical) امور سے متعلق ہیں جیسے خدا کی ذات و صفات اور انسانی تخلیق اور اس کے مقصد تخلیق نیز اس کی موت اور مابعد الموت سے تعلق رکھنے والے حقائق ان کے بارے میں حتمی اور قطعی علم نہ تو حواس دے سکتے ہیں نہ عقل اور نہ ہی فطرت و وجدان کے ذریعے ان تک رسائی ممکن ہے۔

انسان نے حقیقت ابدی (Everlasting Reality) کی تلاش میں یکے بعد دیگرے تمام ذرائع علم کے دروازوں پر دستک دی۔ ان میں سے ایک ایک کو پکارا مگر ہر ایک نے اسے مایوس کر دیا۔ کوئی بھی ذریعہ اس کے علم کو حتمیت اور قطعیت نہ دے سکا۔ چاروں طرف سے مایوس ہو کر انسان نے خدا کی ذات کو پکارا اور عرض کیا کہ اے رب کائنات! میں خود اپنی ذات، اس کائنات اور تیری ذات کو یقینی طور پر سمجھنا چاہتا ہوں مگر میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو مجھے مطمئن کر سکے اس لئے اس کائنات میں میرے لئے

---

[1] المنقذ من الضلال: ۵۴

علم کا کوئی ایسا سرچشمہ پیدا کر دے، علم کا کوئی ایسا منبع تخلیق کر دے جو مجھے ان حقائق کے بارے میں آگاہی بخش سکے، جہاں تمام دیگر ذرائع علم ناکام ہو جائیں وہاں اسے پکارا جا سکے۔ اس سرچشمۂ علم سے فیضان کی بھیک مانگی جا سکے۔

حتمی علم کے لئے درِ نبوت کی دریوزہ گری

جب انسان نے پوری طرح اپنی علمی، بے بسی اور فکر کی کم مائیگی کا اعتراف کر لیا تو اللہ تعالٰی کی بارگاہ سے ندا آئی اے انسان! اب جبکہ تو نے اپنے علم اور اپنے ذرائع کی بے بسی واچارگی کا اعتراف کر لیا ہے ہم تجھے یہی سمجھانا چاہتے تھے کہ تو کہیں اپنے حواس، عقل اور کشف ووجدان کی بدولت یہ تصور نہ کر بیٹھے کہ میرا علم درجۂ کمال کو پہنچ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا علم ابھی کائنات کی سربستہ حقیقتوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ تو حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہے تو تجھے بارگاہ نبوت کی دریوزہ گری کرنا ہوگی۔ اسی لئے قرآن مجید میں روح کی حقیقت پر بحث کے دوران ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا. [1] اور تمہیں بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

تجھے جس دبستان علم کی تلاش تھی وہ ہم نے نظام نبوت و رسالت کی صورت میں اس کائنات میں قائم کر دیا ہے۔

نبی ہی وہ افضل البشر ہستی ہے جو ان حقائق پر مطلع ہوتی ہے جن تک عالم بشریت کے عام فرد کی رسائی نہیں۔ جا دروازہ نبوت پر دستک دے، اسی چوکھٹ سے رہنمائی طلب کر، علم نبوت کے فیضان سے یہ تمام حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی اور بارگاہ نبوت سے تجھے ہر سوال کا جواب ملے گا۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ حواس کے ذریعے انسان کو جو علم حاصل ہوتا

---

[1] بنی اسرائیل، ۱۷ : ۸۵

ہے، اس میں بہرصورت غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ عقل غلطی کر سکتی ہے۔ اور وجدان اور کشف میں بھی سقم ہو سکتا ہے جبکہ انسان ایسے حتمی قطعی علم کی جستجو اور طلب رکھتا ہے، جس میں غلطی اور خطا کا کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی موجود نہ ہو۔

عین ممکن ہے کہ زید کی آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہے، عمرو کی آنکھ اسے غلط ثابت کر دے۔ ایک شخص کی عقل ایک دلیل سے جو نتیجہ اخذ کرے، دوسرے کی سوچ اسی دلیل سے اس کے برعکس نتائج منتزع کرے۔ اسی طرح وجدان اور دیگر حواس کے فیصلوں میں بھی غلطی کا احتمال رہتا ہے۔ لیکن علم کا وہ درجہ کمال اور علم کی وہ رفیع حالت، جہاں غلطی اور خطا کا کوئی امکان نہ ہو جہاں انتشار اور افتراق کی کوئی گنجائش نہ ہو، وہ صرف اور صرف بارگاہ نبوت و رسالت کی دریوزہ گری سے حاصل ہو سکتی ہے، یا پھر ان اہل اللہ کے فیضان نظر سے جو اپنی ذات کو انوار نبوت و رسالت سے مستنیر کر چکے ہیں۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ انسانی حواس ہوں یا انسانی عقل، یہ سارے کے سارے ذرائع انسان کو حتمی علم مہیا نہیں کر سکتے۔ حتمی علم صرف اسے حاصل ہوتا ہے جو آفتاب نبوت کے انوار سے اپنے سینے کو منور کر رہا ہو اور یہ مقام صوفیا کو نصیب ہوتا ہے۔

فان جميع حركاتهم وسكناتهم في ظاهرهم و باطنهم مقتبسة من نور مشكاة النبوة۔ [1]	صوفیاء کرام کی تمام حرکات و سکنات خواہ ظاہری ہوں یا باطنی آفتاب نبوت سے اکتساب نور کر رہی ہیں۔

لہذا ثابت ہوا کہ علوم نبوت و رسالت ہی علم کا وہ واحد ذریعہ ہیں جن کی فراہم کردہ معلومات میں غلطی اور خطا کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا۔

---

[1] المنقذ من الضلال، ص ۵۰

سائنسی علوم واکتشافات کی حقیقت

یہاں قدرتی طور پر ذہن سائنس اور اس کے اکتشافات (Discoveries) کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جہاں تک سائنس اور اس کی تحقیقات کا تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر سائنسی تحقیقات نظریہ (Theory) کہلاتی ہیں۔ انہیں اس کائنات کے بنیادی حقائق (Basic Realities) نہیں کہا جاسکتا۔ آج سائنسی تحقیق ایک بات ثابت کرتی ہے، کچھ عرصے کے بعد دوسری تحقیق اسے غلط ثابت کر دیتی ہے۔ آج سائنس کسی مسئلے میں ایک موقف اختیار کرتی ہے، کچھ عرصے کے بعد سائنس دان نیا نقطۂ نظر پیش کر دیتے ہیں۔ سائنسی تحقیق کا آغاز "Hypothesis" سے ہوتا ہے اور اس کی تصدیق تجربے (Experiment) سے ہوتی ہے، اس کے بعد یہ نظریے (Theory) کے درجے پر پہنچتی ہے۔ اس کے باوجود ماہرین کے خیال میں سائنس کا ۸۰ فی صد علم غیر یقینی (Indefinite) اور ظنی (Probable) ہے۔ یہ انسانی علوم (Social Sciences) یا قدرتی علوم (Natural Sciences) کیمسٹری (Chemistry) اور طبعیات (Physics) ہو یا نباتیات (Botany) اور حیوانیات (Biology)، ان سب علوم کی تحقیقات کا 70 فی صد ابھی اقدام وخطا (Trial & Error) کے مرحلے میں ہے۔ سائنس اپنی سینکڑوں برس کی جدوجہد کے باوجود وہ پیمانہ دریافت نہیں کر سکی جس پر وہ اپنی معلومات اور دریافتوں کو پرکھ کر قطعی اور حتمی شکل میں پیش کر سکے۔ بہت کم ایسی سائنسی تحقیقات ہیں جو قانون (Law) بنتی ہیں۔ علم جب تک حتمیت اور قطعیت کے درجے تک نہ پہنچے، اس وقت تک وہ باکمال نہیں بن سکتا۔ گویا سارے ذرائع اقدام وخطا پر مبنی معلومات رکھتے ہیں، لیکن نبوت ورسالت کے تمام علوم واکتشافات ہر قسم کی خطا اور غلطی سے منزہ ہیں اور وہ شروع سے آخر تک حتمیت وقطعیت کی شان لیے ہوئے ہیں۔ اسی بنا پر قرآن کریم

میں ارشاد ہوا ہے:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ [1]

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور جو کچھ حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، اسے مانا ...... یہی ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے

رسول اور نبی جو بات اپنی زبان سے کہتا ہے، وہ ابدی صداقتوں کی امین ہوتی ہے۔ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو سکتا ہے، کائنات میں شب و روز کا نظام بدل سکتا ہے، لیکن نبی کی زبان سے صادر ہونے والی بات وہ حقیقت ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔

نظام رسالت و نبوت انسان کو وہ علم عطا کرتا ہے جو ہر اعتبار سے حتمی اور قطعی ہوتا ہے۔ وہ اپنے آغاز ہی سے مرتبہ کمال پر فائز ہوتا ہے۔ اس علم کو مرحلہ وار تجرباتی توثیق (Experimental Verification) سے گزرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ علم بنیادی اور دائمی حقیقتوں کی بات کرتا ہے۔ انسانی عقل جوں جوں فروغ پاتی جاتی ہے۔ علم نبوت و رسالت کی بیان کردہ حقیقتوں کے قریب سے قریب تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ بالآخر انسانی علم کی انتہا علومِ نبوت کی تصدیق کرنے لگتی ہے۔

نظام رسالت و نبوت کے ذریعے قدرت نے انسانوں کو وہ سرچشمہ علم عطا کر دیا جو انسان و کائنات کا مقصد تخلیق بھی بتاتا ہے اور سب کے خالق و مالک کی ذات کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ علمِ نبوت رب کائنات کی صفات و ذات اور افعال کی معرفت بھی عطا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد کی زندگی کے احوال بھی بیان کرتا ہے۔ گویا وہ سب بنیادی حقائق جو چشم عالم سے مخفی تھے، علوم نبوت کے طفیل آشکارا ہو گئے۔ جن کی جستجو انسان

---

[1] محمد، ۴۷: ۲

ازل سے کرتا آرہا تھا اور جن کی حتمی معرفت سے انسان کے حواس، عقل اور وجدان کے ذرائع ایک ایک کر کے سب ناکام ہو چکے تھے، علم بالوحی کے انوار سے رسالت مآب ﷺ نے حقائق پر پڑے تمام حجابات اٹھا دیئے۔ ایمان وایقان کی روشنی سے ہر چیز کھل کر انسان کے سامنے بے نقاب ہوگئی جس کے علم کی تلاش نے اسے صدیوں وقف اضطراب رکھا ہوا تھا۔

اس سیر حاصل بحث سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ علم غیب خصائص نبوت میں سے ہے اور یہ لازمہ نبوت ہے۔

باب ششم

اطلاع علی الغیب

اور

حقیقت وحی

وحی خاصۂ نبوت

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا علم مذکورہ بالا ذرائع پر منحصر نہیں جبکہ عام انسانوں کا علم صرف انہی ذرائع کا مرہون منت ہوتا ہے۔ نبی اور غیر نبی میں بنیادی اور مابہ الامتیاز فرق ہی یہ ہے کہ نبی کو علم بالوحی کے ذریعے ان غیبی امور پر مطلع کر دیا جاتا ہے جو عام انسان کے حیطہ ادراک سے باہر ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم اس فرق کو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اس انداز میں واضح فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔ [1]

فرمادیجئے میں تو صرف (خلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں (اس کے سوا اور تمہاری مجھ سے کیا مناسبت ہے ذرا غور کرو) میری طرف وحی کی جاتی ہے (بھلا تم میں یہ نوری استعداد کہاں ہے کہ تم پر کلامِ الٰہی اتر سکے)

اس آیت کریمہ سے یہ امر متحقق ہے کہ انبیاء کرام کو دیگر افرادِ نوعِ انسانی سے ممتاز کرنے والی خصوصیت ''وحی'' ہے۔

---

[1] الکہف، ۱۸ : ۱۱۰

امام خازنؒ اور امام بغویؒ اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں۔

انا آدمی مثلکم الا انی خصصت بالوحی و اکرمنی اللہ به ۱؎

میں (ظاہراً) تمہاری طرح کا انسان ہوں مگر مجھے وحی کی خصوصیت حاصل ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے مجھے (تم سے) سے سرفراز فرمایا ہے۔

امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔

ای لا امتیاز بینی و بینکم فی شئ من الصفات الا ان اللہ تعالیٰ اوحی الی...... ۲؎

یعنی (ظاہری) صفاتِ (بشریہ) میں میرے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں سوائے اس فرق کے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے۔

امام اسماعیل حقیؒ نے اس آیت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

قل یا محمد ما انا الا آدمی مثلکم فی الصورة ومساویکم فی بعض الصفات البشریة (یوحی الی) من ربی (انما الھکم اله واحد) ۳؎

اے (پیارے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے میں تو صرف صورتاً تمہاری طرح کا بشر ہوں اور کچھ بشری صفات میں تمہارے برابر ہوں (ورنہ) ''میری طرف تو وحی کی جاتی ہے میرے رب (کریم) کی طرف سے'' بے شک آپ کا معبود معبودِ واحد ہے''

۱؎ ۱-لباب التاویل، ۳:۲۱۴
۲-معالم التنزیل، ۳:۱۸۷

۲؎ التفسیر الکبیر، ۲۱:۱۷۶

۳؎ روح البیان، ۱۶:۳۰۹

علامہ بیضاویؒ اور علامہ محمود آلوسیؒ آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے وحی کی امتیازی خصوصیت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

و انما تمیزت عنکم بذلک ۱؎	اور میں تم سے اس (وحی کی خصوصیت) کی وجہ سے ممیز ہوں۔

متذکرہ بالا تفاسیر سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ نبی اور غیر نبی میں صرف بشری صفات کے اعتبار سے اشتراک ممکن ہے لیکن وحی کی خصوصیت بلا شرکت غیرے صرف نبی کا خاصہ ہے اور کوئی غیر نبی اپنی سعی اور کوشش سے یہ خصوصیت حاصل نہیں کرسکتا۔ انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کا انحصار بھی اسی وحی پر ہوتا ہے۔

وحی...... ذریعہ علمِ غیب

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبروں سے بذریعہ وحی آگاہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡکَ ۲؎	اے حبیب مکرم یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ کی طرف وحی فرما رہے ہیں'

علامہ بیضاویؒ اس کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

ان هذا النباء غیب لم تعرفه الا بالوحی ۳؎	یہ خبر غیب ہے جسے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہ جانا مگر وحی کے ذریعے

اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب کا ذریعہ وحی الٰہی ہی ہے۔

۱؎ ۱- انوار التنزیل' ۳: ۴۱
۲- روح المعانی' ۱۶: ۵۳
۲؎ یوسف' ۱۲: ۱۰۲
۳؎ انوار التنزیل' ۲: ۳۲۸

امام قسطلانیؒ لکھتے ہیں۔

اعلم ان الغیب یختص به تعالیٰ وما وقع منه علی لسان رسوله ﷺ وغیره فمن الله تعالیٰ، اما بوحی او الهام [۱]

بے شک غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور جو غیب رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کی زبان سے صادر ہوا وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے بذریعہ وحی یا الہام انہیں عطا ہوا۔

علامہ بیضاویؒ آیہ کریمہ **"وما کان الله لیطلعکم علی الغیب الخ"** (ال عمران' ۳:۱۷۹) کی تفسیر میں ذریعہ علم غیب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ولکن یجتبی لرسالته من یشاء فیوحی الیه و یخبره ببعض المغیبات [۲]

مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رسالت کیلئے منتخب فرمالیتا ہے پھر اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور اسے بعض مغیبات سے آگاہ فرماتا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں۔

و بالجملة العلم الغیب امر تفرد به الله تعالیٰ لا سبیل الیه للعباد الا باعلام منه والالهام بطریق المعجزة او الکرامة [۳]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم غیب وہ امر ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے بندوں کیلئے اس کے حصول کا بجز وحی الٰہی یا الہام کے کوئی راستہ نہیں جو انہیں بطور معجزہ یا کرامت عطا ہوتے ہیں۔

علامہ رشید رضا نے وحی کی تعریف کرتے ہوئے مضامین وحی میں انباء الغیب کا

---

[۱] المواهب اللدنیه' ۳:۵۵۴

[۲] انوار التنزیل، ۱:۳۰۸

[۳] شرح العقائد النسفیه: ۱۲۲

ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

و هو ما انزله تعالیٰ علی انبیائه و عرفهم به من انباء الغیب والشرائع والحکم [1]	وحی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمایا اور اس کے ذریعے انہیں غیب کی خبروں اور شریعت اوراحکام سے آگاہ فرمایا۔

علامہ عبدالعزیز پر ہارویؒ المتوفی (۱۲۴۰ھ) شرح عقائد کی اس عبارت کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

فانه لا یمکن معرفته الا بوحی او الهام کالقیامة واشراطها [2]	پس غیب کا وحی یا الہام کے بغیر جاننا ممکن نہیں جیسا کہ قیامت اور اس کی علامات (کاعلم)

مذکورہ عبارات اس بات پر دلیل ہیں کہ بندوں کیلئے علم غیب کا ذریعہ اور واسطہ وحی یا الہام ہے اس الوہی ذریعے کے بغیر کوئی فرد غیب پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ان ذرائع سے مغیبات کا علم عطا فرما دیتا ہے۔ وحی کا ذریعہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے جبکہ الہام اولیاء کیلئے مخفیات کو جاننے کا ذریعہ ہے۔

وحی کا مفہوم

علم غیب نبوت کا خاصہ ہے اور جیسا کہ صراحت سے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ نبوت ورسالت کی بنیادی خصوصیت ہے۔ علم غیب کا سرچشمہ اور منبع وحی الٰہی ہے۔ اور نبی غیب پر وحی کے ذریعے مطلع ہوتا ہے یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وحی کا معنی ومفہوم اور نزول وحی کی مختلف صورتوں اور کیفیات کو سمجھ لیا جائے۔

---

[1] الوحی المحمدی: ۴۴   [2] النبراس: ۵۷۴

وحی کے مفہوم اور اقسام کو بیان کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ بعض ذہنوں میں یہ مغالطہ پایا جاتا ہے کہ وحی کا اطلاق صرف متن قرآن پر ہوتا ہے اور یہ کہ حدیث وحی کے ذیل میں نہیں آتی۔ ہم یہاں اس مغالطے کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ اس امر کو واضح کریں گے کہ قرآن کے علاوہ بھی وحی کی صورتیں موجود ہیں۔ نیز یہ کہ حضورﷺ پر وحی کا نزول فقط قرآن کی صورت میں ہی نہیں ہوا بلکہ اس کے علاوہ بھی آپﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔

وحی کا لغوی معنیٰ

لغوی اعتبار سے وحی کے مختلف معانی ہیں جنہیں عربی لغات لسان العرب، القاموس، محیط المحیط، المفردات اور المنجد وغیرہ میں دیکھا جا سکتا ہے ان میں سے چند معانی یہ ہیں۔

۱. الاشارة السريعة (تیز اشارہ کرنا)

۲. الكتابة (لکھنا)

۳. الرسالة (پیغام دینا)

۴. الكلام الخفي (آہستہ بولنا)

۵. الالقاء (بات دل میں ڈالنا)

٦. كل ما القيته الى غيرك حتى علمه (ہر وہ بات جو آپ دوسرے کے دل میں منتقل کریں حتی کہ وہ اسے جان لے۔)

یہ تمام معانی قرآن وحدیث اور کلام ومحاورۂ عرب سے ثابت ہیں۔ قرآن مجید میں اس لفظ کا زیادہ استعمال القاء کے معنیٰ میں ہوا ہے۔

وحی کا اصطلاحی معنی

اصطلاح شرع میں وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی منتخب و مقرب بندے یعنی نبی کو ایسے مخفی طریقے سے علم و ہدایت عطا کرنا ہے جو انسانوں کی نفسی اور کسبی استعداد سے باہر ہو۔

اس تصور کو واضح کرنے کیلئے علماء نے باختلاف الفاظ وحی کی شرعی تعریفات بیان کی ہیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

ا۔امام ابنِ حجر عسقلانیؒ نے وحی کی تعریف مختصر الفاظ میں اس طرح کی ہے۔

الاعلام بالشرع [1]	اللہ تعالیٰ کا (کسی نبی کو) شریعت کا علم عطا کر دینا وحی کہلاتا ہے۔

۲۔امام قسطلانیؒ نے وحی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

اعلام اللہ تعالیٰ انبیاءہ الشئ اما بکتاب او برسالة ملک او منام او الھام [2]	اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء علیہم السلام کو کسی بات پر مطلع کرنا خواہ وہ کتاب یا فرشتہ کے ذریعے ہو یا خواب اور الہام کی صورت میں

۳۔امام بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں۔

کلام اللہ تعالیٰ المنزل علی نبی من انبیائه [3]	اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس نے اپنے برگزیدہ انبیاء میں سے کسی پر نازل کیا ہو۔

---

[1] فتح الباری، ۱:۹

[2] ارشاد الساری، ۱:۴۸

[3] عمدۃ القاری، ۱:۱۴

۴۔ علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی وحی کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

الوحی ان یعلم اللہ تعالیٰ من اصطفاہ من عبادہ کل ما اراد اطلاعہ علیہ من ألوان الھدایۃ والعلم ولکن بطریقۃ سریۃ خفیۃ غیر معتادۃ للبشر [۱]	وحی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب بندوں کو ہدایت وعلم کے ان گوشوں پر مطلع فرمادے جن کی اطلاع وہ انہیں دینا چاہے۔ مگر پوشیدہ تیز طریقہ سے جو عادتاً انسان میں نہیں ہوتا۔

۵۔ علامہ رشید رضا وحی کا شرعی مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

عرفان یجدہ الشخص من نفسہ مع الیقین بانہ من قبل اللہ بواسطۃ او بغیر واسطۃ [۲]	وحی وہ علم ہے جو کسی شخص کو اس یقین کے ساتھ حاصل ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے خواہ واسطہ کے ذریعے حاصل ہوا ہو یا بلا واسطہ۔

۶۔ ڈاکٹر نورالدین عتر لکھتے ہیں۔

الوحی ھوا اعلام اللہ تعالیٰ لمن اصطفاہ من عبادہ بطریق خفیۃ سریعۃ [۳]	اللہ تعالیٰ کا اپنے منتخب بندوں کو خفیہ اور تیز واسطے سے مطلع کرنا وحی ہے

ان تمام تعریفات کا ماحصل یہ ہے کہ وحی ایک ایسا غیبی ذریعہ ہے جس کے باعث بغیر کسی غور وفکر، کسب ونظر اور تجربہ واستدلال کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے فضل خاص اور وہب خالص کے طور پر نبی پر علم کے سربستہ خزانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہ علم نہ تو حواس خمسہ ظاہری سے حاصل ہوتا ہے اور نہ یہ حواس خمسہ باطنی کا محتاج ہے نہ

---

[۱] مناھل العرفان، ۱: ۹۲

[۲] الوحی المحمدی: ۴۴

[۳] علوم القرآن الکریم: ۱۵

اس کے حصول میں لطائف خمسہ کا دخل ہوتا ہے نہ کشف و وجدان، فہم وفراست، اور استنباط و استخراج کا، الغرض انسان کی تمام نفسی، کسبی عقلی اور روحانی استعدادیں یکجا کر دی جائیں تو وہ مل کر بھی ذریعہ وحی یا اس کا بدل نہیں بن سکتیں۔

وحی کی اقسام

وحی کی بنیادی طور پر تین قسمیں ہیں۔

ا۔ وحی قلبی

اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے براہ راست اپنے نبی کے دل میں کوئی بات ڈال دیتا ہے۔ یہ کیفیت عالم بیداری میں بھی ہو سکتی ہے اور عالم خواب میں بھی چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب اس طرح اور انبیائے کرام بشمول ہمارے آقا و مولا حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والسلام پر رویائے صادقہ (سچے خوابوں) کا آنا ثابت ہے۔

۲۔ کلام الٰہی

اللہ تعالیٰ براہ راست اپنے نبی سے مخاطب ہوتا اور شرف ہم کلامی عطا فرماتا ہے اس کی مثال حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ہے۔

۳۔ وحی ملکی

اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کے ذریعے اپنا پیغام اپنے نبی یا رسول تک پہنچاتا ہے۔ بعض اوقات اس فرشتے کی شکل نظر نہیں آتی صرف آواز سنائی دیتی ہے اور بعض اوقات یہ انسانی

شکل میں نمودار ہو کر پیغام رسانی کرتا ہے اور شاذ و نادر اپنی اصلی صورت میں بھی نظر آتا ہے۔

قرآن حکیم میں وحی کی ان تینوں قسموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ [۱]	اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اللہ اس سے (براہ راست) بات کرے مگر ہاں (اس کی تین صورتیں ہیں یا تو) وحی کے (ذریعے) یا پردے کے پیچھے سے یا (اللہ) کسی فرشتے کو بھیج دے کہ اس کے حکم سے جو اللہ چاہے وحی کرے

اس آیہ کریمہ میں ''وحیاً'' سے مراد پہلی قسم ہے ''من ورآء الحجاب'' سے مراد دوسری قسم اور ''یرسل رسولاً'' سے مراد تیسری قسم ہے۔

حضور ﷺ پر نزول وحی کی مختلف صورتیں

حضور ﷺ پر نزول وحی کی کل آٹھ صورتیں بیان کی جاسکتی ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق نزول وحی کے عمومی حال سے ہے اور باقی تین خصوصی حال سے متعلق ہیں۔

نزول وحی کی عمومی صورتیں

۱۔ سچے خواب

پہلی صورت یا حالت جس میں حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا۔ اس کا تعلق

---

[۱] الشوریٰ ۴۲: ۵۱

ان رؤیائے صادقہ سے ہے جو خواب یا نیند کی حالت میں آپ کو پیش آتے تھے۔ ایسا اعلان نبوت سے قبل کے ابتدائی ایام میں ہوتا تھا۔ آپ بستر پر آرام فرما رہے ہوتے تو سوتے میں سچے خواب دکھائی دیتے جن کی تعبیر آپ بیداری کی حالت میں دیکھ لیتے۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث کے الفاظ ہیں آپ فرماتی ہیں۔

اول ما بدئ به رسول الله ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح [۱]	رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز جس چیز سے ہوا۔ وہ سچے خواب تھے حضور ﷺ خواب میں رات کو جو کچھ دیکھتے اس کی تعبیر دن کو صبح کے اجالے کی طرح سامنے آجاتی۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا۔

یَا بُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰی [۲]	اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب تو بتا' تیری کیا رائے ہے۔

اس خواب کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وحی الٰہی سمجھتے ہوئے عرض کیا کہ ابا جان آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ کر گزریئے انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ یہی حال دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

رؤیا الانبیاء وحی [۳]	انبیائے کرام کا خواب وحی ہوتا ہے۔

---

[۱] صحیح البخاری' ۱: ۲ 'باب بدء الوحی

[۲] الصافات' ۳۷: ۱۰۲

[۳] صحیح البخاری' ۱: ۲۵ کتاب الوضوء

۲۔ القاء فی القلب (دل میں ڈالنا)

وحی کی دوسری صورت القاء فی القلب کی ہے یعنی فرشتہ حضور ﷺ کے قلب انور میں جاگتے میں کوئی بات القاء کر دیتا۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے بیان کیا ہے۔

الثانیة ان ینفث في روعه الكلام نفثا كما قال ﷺ إن روح القدس نفث في روعی [1]

وحی کی دوسری قسم آپ ﷺ کے دل پر کلام القاء کیا جانا ہے جیسا ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ روح القدس میرے دل پر کلام القاء کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ان روح القدس نفث فی روعی انه لن تموت نفس حتی تستكمل رزقها فاتقوا الله واجملوا فی الطلب ولا یحملنكم علی ان تطلبوه بمعصية الله فان ما عند الله لا ینال الا بطاعته [2]

روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی کہ کوئی نفس مر نہیں سکتا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کر لے اس لئے اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور طلب رزق میں بہتر طریق اختیار کرو اور رزق کی تاخیر تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسے اللہ کی معصیت کے ذریعے تلاش کرو کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن، ۱: ۴۴

[2] زاد المعاد لابن قیم، ۱: ۷۹

وحی کی اس صورت کے دوران آپ ﷺ آلات جسمانیہ کو بالکل معطل فرما کر صرف قوائے روحانی اور حواس قلبی سے کام لیتے تھے۔ اس وقت آپ دل کی آنکھوں سے فرشتے کو دیکھتے اور دل کے کانوں سے اس کی آواز سنتے تھے۔

۳۔ صلصلة الجرس (گھنٹی کی مثل آواز)

وحی کی تیسری صورت صلصلۃ الجرس کی ہوتی تھی۔ حضور ﷺ آرام فرما رہے ہوتے تو یکایک گھنٹی کی آواز سے آپ کے کان آشنا ہوجاتے اور خدا کا کلام گھنٹی کی آواز کی صورت میں آپ کے قلب مبارک میں جاگزیں ہوجاتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ نے فرمایا۔

احیانا یأتینی مثل صلصلة الجرس و هو اشده علی فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال [۱]

کبھی کبھی میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح وحی آتی ہے اور وہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے پھر وہ مجھ سے جدا ہوجاتی ہے یہاں تک کہ میں اسکو یاد کر لیتا ہوں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

۱۔ ولقد رأیته ینزل علیه الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنه و ان جبینه لیتفصَّدُ عرقا [۲]

نزول وحی کی کیفیت جب ختم ہوجاتی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی آپ کی پیشانی پر پسینہ آجاتا۔

۱۔ صحیح البخاری، ۱ : ۲ باب بدء الوحی

۲۔ صحیح البخاری، ۱ : ۲، باب بدء الوحی

۲۔ان كان ليوحى الى رسول الله ﷺ و هو على راحلته فتضرب بجرانها [1]

اگر سواری کی حالت میں وحی آ جاتی تو سواری کا اونٹ بیٹھ جاتا اور گردن زمین کے ساتھ لگا دیتا۔

کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ پر اس حال میں وحی آئی کہ

و فخذه على فخذى فثقلت على حتى خفت ان ترض فخذى [2]

حضور ﷺ کا ران مبارک میرے ران پر تھا مجھے بوجھ محسوس ہوا یہاں تک کہ میں ڈر گیا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی۔

نزول وحی کی کیفیات میں اختلاف کے بارے میں امام زرقانیؒ رقمطراز ہیں۔

ان الحال كان يختلف فى الوحى باختلاف مقتضاه، فان نزل بوعد و بشارة نزل الملك بصورة الآدمى، و خاطبه من غير كد و نذارة كان حينئذ كصلصلة الجرس۔ [3]

وحی کی صورتوں میں اختلاف اقتضائے وحی کے مطابق ہوتا تھا مثلاً اگر وحی وعدہ خیر اور بشارت میں نازل ہوتی تو فرشتہ آدمی کی صورت میں آتا اور آپ ﷺ اس سے معمول کے مطابق گفتگو فرماتے اور اگر وحی وعید شر اور کسی امر سے ڈرانے کے بارے میں نازل ہوتی تو صلصلۃ الجرس (گھنٹی بجنے کی آواز) کی مثل ہوتی۔

---

[1] مسند احمد بن حنبلؒ، ۶:۱۱۸

[2] صحیح البخاری، ۲:۶۶۰ کتاب التفسیر، رقم الحدیث: ۴۳۱۶

[3] زرقانی علی المواهب ۱:۲۳۶

۴۔فرشتے کا آدمی کی شکل میں آنا

وحی کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں یوں بیٹھے ہوتے جیسے چاند ستاروں کے جھرمٹ میں ہوتا ہے تو جبرائیل امین بشری لباس میں کسی غلام کا روپ دھار کر آپ کے قدموں میں آ بیٹھتا اور محبوب کا کلام آقائے کائنات ﷺ تک پہنچا دیتا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ تو جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبھی تو وہ گھنٹی کی آواز کی صورت میں آتی ہے اور

احیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول [1]	بسا اوقات فرشتہ میرے سامنے آدمی کی شکل میں آتا ہے وہ مجھ سے کلام (وحی) کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔

احادیث مبارکہ میں ہے کہ اکثر و بیشتر حضرت جبرائیل پیغام خداوندی بصورت وحی لے کر حضور ﷺ کے ایک جانثار صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔

حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں

کان رسول اللہ ﷺ یشبہ دحیۃ الکلبی بجبریل علیہ السلام [2]	رسول اللہ ﷺ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو جبریل علیہ السلام سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔

۵۔اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ (پردے کے پیچھے سے) وحی فرمانا

وحی کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کا فرشتے کے واسطے کے بغیر بھی آپ ﷺ سے براہ

---

[1] صحیح البخاری باب بدء الوحی

[2] الاستیعاب لابن عبدالبر، ۱:۱۶۷

راست گفتگو فرماتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا [1]

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

امام ابن قیم لکھتے ہیں:

و هذه المرتبة هي ثابتة لموسى قطعا بنص القرآن و ثبوتها لنبينا صلى الله عليه وسلم في حديث الاسراء۔ [2]

وحی کی یہ صورت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے نص قرآنی سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا ثبوت (قرآن کی بجائے) معراج کی حدیث میں ہے۔

نزول وحی کی خصوصی صورتیں

وحی الٰہی کی مذکورہ پانچ عمومی صورتوں کے علاوہ تین خصوصی صورتیں بھی تھیں جو پیغام خداوندی کی ترسیل (Communication) کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے مختص تھیں۔ یہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ فرشتے کا اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہونا

وحی الٰہی کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ آپ فرشتے (جبرائیل) کو اس کی اصلی اور پیدائشی صورت میں دیکھتے تھے۔ اور اسی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کی حسب مشیت آپ کی طرف وحی کرتا تھا۔

امام ابن قیم جوزیہ لکھتے ہیں:

---

[1] النساء، ۴:۱۶۴ [2] زاد المعاد لابن قیم، ۱:۸۰

و هذا و قع له مرّتين كما ذكر الله ذلک فی سورة النجم [1]

یہ صورت آپ کے ساتھ دو مرتبہ پیش آئی۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ النجم میں فرمایا ہے۔

''حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی اور پیدائشی صورت میں دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ زمانہ بعثت میں فترت وحی کے بعد اور دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرہ کے پاس۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

لم یر ﷺ جبریل فی صورته الاصلية الامرّتين أما واحدة فانه سأله ان يريه نفسه فاراه نفسه فسد الافق و اما الاخرى فليلة الاسراء عند السدرة [2]

کہ حضور اکرم ﷺ نے جبرائیل امین کو اس کی اصلی صورت میں دو ہی بار دیکھا ہے۔ ایک بار اس وقت کہ جب آپ ﷺ نے خود جبریل کو فرمایا کہ وہ انہیں اپنا آپ دکھائے پس انہوں نے اپنا آپ دکھایا تو آسمان کے کنارے ان سے بھر گئے اور دوسری بار شب معراج سدرہ کے پاس۔

جبریل امین علیہ السلام کی حقیقی صورت کو دیکھنا حضور ﷺ کی خصوصیت ہے۔ امام زرقانیؒ فرماتے ہیں:

وقال بعض لملک صورتان حقيقيّة و مثاليّة فالحقيقية لم تقع الا للمصطفى والمثالية هي الواقعة لبقية الانبياء بل شاركهم فيها بعض الصحابة [3]

بعض علماء کرام کا قول ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت حقیقی ہے اور دوسری مثالی ہے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کی حقیقی صورت کو نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور

---

[1] زاد المعاد، ۱: ۸۰
[2] زرقانی علی المواهب، ۱: ۲۳۰
[3] زرقانی علی المواهب، ۱: ۲۳۴

کا دیکھنا ثابت نہیں ہے۔ یعنی یہ بھی حضورﷺ کی خصوصیت ہے جبکہ مثالی صورت کو دیگر انبیائے کرام نے بلکہ بعض صحابہ عظام ﷺ نے بھی دیکھا ہے۔

۲۔شبِ معراج کی وحی

شب معراج کی وحی کا ذکر کرتے ہوئے امام ابن قیم وحی الٰہی کی ایک صورت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

ما اوحاه الله و هو فوق السموٰت ليلة المعراج من فرض الصلاة و غيرها [۱]

وحی الٰہی کی ایک صورت وہ وحی ہے جو اللہ تعالٰی نے معراج کی رات آپﷺ پر نماز کی فرضیت وغیرہ کے سلسلے میں فرمائی جب کہ آپ آسمانوں کے اوپر تھے۔

۳۔اللہ تعالٰی کی بلاواسطہ وبلاحجاب وحی

وحی الٰہی کی ایک صورت اللہ تعالٰی کا بلاواسطہ وبلاحجاب وحی فرمانا ہے۔ حضور سید دو عالمﷺ کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک بہت بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے اللہ تعالٰی کو بے حجاب دیکھا اور بلا واسطہ کلام فرمایا چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عائش ﷺ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا۔

رايت ربى فى احسن صورة قال فيم يختصم الملا الاعلى قلت انت اعلم يا رب قال:

میں نے اپنے رب عز وجل کو بہترین صورت میں دیکھا رب ذوالجلال نے مجھ سے فرمایا کہ ملائکہ مقربین کس بات پر

---

[۱] زاد المعاد' ۱: ۸۰

فوضع كفه بين كتفي فوجدت بردها بين ثديي فعلمت ما في السموات والارض [1]

جھگڑا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی مولا تو ہی خوب جانتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر میرے رب نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا میں نے اس (کے وصول فیض) کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی پس مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہوگیا جو کہ آسمانوں اور زمینوں میں تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

راى ربه مرتين مرة ببصره و مرة بفؤاده [2]

حضور ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھا ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوالحسن اشعری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

وراى ربه بعيني راسه [3]

کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ

الراجح منه عند اكثر العلماء

اکثر علماء کے نزدیک ترجیح اسی کو ہے کہ

---

[1] سنن الدارمی ۲: ۵۱ ،کتاب الرؤیا باب فی رویة الرب تعالیٰ فی النوم: رقم ۲۱۵۵

[2] الخصائص الکبریٰ، ۱: ۱۶۱

[3] زرقانی علی المواهب، ۱: ۳۰۷

انه رآه ۱؎ — بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نے (شب معراج میں) اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

شب معراج میں نبی اکرم ﷺ قرب کے اس مقام پر پہنچے کہ وہاں تک جبرائیل امین کو کیا کسی مخلوق کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی وہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ حجاب نہ تھا، ارشاد ربانی ہے:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی ۲؎ — پھر اس نے اپنے بندہ خاص کو وحی کی جو کی۔

اب کوئی بتلائے اور کیا بتلائے کہ وہاں طالب و مطلوب اور محبّ و محبوب کے درمیان راز و نیاز کی کیا کیا باتیں ہوئیں۔

میان عاشق و معشوق رمزیست
کہ جبرائیل امین را ہم خبر نیست

حضور ﷺ پر قرآن کے علاوہ وحی کا نزول

حضور ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وحی جلی

وحی جلی سے مراد قرآن مجید ہے جو اعلان نبوت کے بعد آقائے دو جہاں ﷺ کی تئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں بقدر ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے جبریل امین علیہ السلام کی وساطت سے آپ ﷺ کے قلب انور پر نازل ہوتا رہا اس کے بارے میں قرآن خود فرماتا ہے۔

۱؎ زرقانی علی المواهب، ۱: ۲۳۲

۲؎ النجم، ۵۳: ۱۰

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ[1]	بے شک اس نے (تھوڑا تھوڑا کر کے) اتارا اس (قرآن) کو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

نَزَلَ بِہِ رُوْحُ الْاَمِیْنُ O عَلٰی قَلْبِکَ[2]	اسے روح الامین (جبریل) لیکر اترا ہے۔ آپ کے قلب (انور) پر۔

وحی خفی

قرآن مجید کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ سے احادیث مبارکہ اور سنت کی شکل میں جو کچھ ثابت ہے وحی خفی کے ذیل میں آتا ہے۔ اس طرح جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر قرآن حکیم کے معنی و مفہوم کی وضاحت اور شرح مطالب کے باب میں القا فرمایا لیکن الفاظ حضور ﷺ کے اپنے تھے وحی خفی کے زمرے میں آتا ہے۔

قرآن کی صورت میں جو وحی نازل ہوتی اس کی تبیین اور تفصیل حضور ﷺ کے فرائض منصبی میں سے تھا۔ اس کے متعلق قرآن فرماتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ۔[3]	اور (اے نبی مکرم) ہم نے آپ کی طرف ذکر عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کیلئے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں۔

حضور ﷺ ان احکام کی وضاحت اور تفصیل اس وحی کی روشنی میں فرماتے جو

---

[1] البقرہ، ۲: ۹۷

[2] الشعراء، ۲۶: ۱۹۳

[3] النحل، ۱۶: ۴۴

آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے قرآن کے علاوہ نازل ہوتی۔

اسی طرح تعلیم کتاب وحکمت بھی حضور ﷺ کے فرائض نبوت میں شامل تھا۔ اس کا ذکر قرآن مجید یوں فرماتا ہے۔

وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [1]	اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

آپ ﷺ قرآن حکیم کے اجمال کی تفسیر فرماتے اور یہ تفسیر اس وحی کی روشنی میں ہوتی جو قرآن کے علاوہ حضور ﷺ پر اترتی، وحی خفی کا ثبوت حضور ﷺ کے اپنے فرمان سے ملتا ہے۔ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ألا وانی قد أوتیت الکتاب ومثله معه [2]	خبردار مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی مثل دوسری تعلیمات بھی۔

امام قرطبیؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کی شرح میں امام خطابیؒ کا قول لکھا ہے۔

قال الخطابی : قوله اوتیت الکتاب و مثله معه یحتمل وجهین من التاویل احدهما ان معناه انه اوتی من الوحی الباطن غیر المتلومثل ما اعطی من المظاهر المتلو و الثانی انه اوتی من البیان مثله ای اذن له	خطابی نے کہا۔ حدیث پاک اوتیت الکتاب الخ میں تاویل کی دو صورتیں ممکن ہیں پہلی صورت میں اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کو وحی جلی متلو کی طرح وحی خفی غیر متلو عطا کی گئی اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کو قرآن مجید کے بیان کا اختیار دیا گیا ہے

---

[1] ۱- البقرة، ۲: ۱۲۹
۲- آل عمران، ۳: ۱۶۴
۳- الجمعه، ۶۲: ۲

[2] سنن ابی داؤد، ۲: ۲۸۴، کتاب السنه رقم الحدیث: ۴۶۰۴

ان يبين ما فى الكتاب فيعم ويخص و يزيد عليه و يشرع ما فى الكتاب فيكون فى وجوب العمل به ولزم قبوله كالظاهر المتلومن القرآن [1]	یعنی آپ ﷺ خاص کو عام کرتے ہیں اور عام کو خاص اور اس پر زیادہ کرتے ہیں اور جو کچھ کتاب اللہ میں ہے اس کی وضاحت فرماتے ہیں پس وحی جلی متلو کی طرح اس پر عمل کرنا اور اس کو تسلیم کرنا واجب اور لازم ہے۔

وحی جلی اور خفی میں فرق

وحی جلی	وحی خفی
ا۔ الفاظ اور معانی دونوں منزل من اللہ ہیں۔	ا۔ مضامین اور معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور الفاظ حضور ﷺ کے وضع کردہ ہیں
۲۔ وحی جلی کی تلاوت کی جاتی ہے۔	۲۔ وحی خفی کی تلاوت نہیں کی جاتی۔

قرآن کے علاوہ نزول وحی کی ماہیت

یہاں اس نکتے کی وضاحت ضروری ہے کہ قرآن کے علاوہ حضور ﷺ پر جو وحی نازل ہوتی اس کی اصلیت اور ماہیت کیا تھی؟ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰىOاِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىO [2]	اور وہ اپنی (یعنی نفس کی) خواہش سے بات ہی نہیں کرتے وہ تو وہی فرماتے ہیں جو (اللہ کی طرف سے) ان پر وحی ہوتی ہے۔

ما ینطق سے نطق و گویائی یعنی بولنے کا مفہوم واضح ہے۔ بعض اہل علم کے ہاں یہ

---

[1] الجامع الاحکام القرآن' ۱: ۳۸ [2] النجم، ۵۳: ۳، ۴

مغالطہ پایا جاتا ہے کہ یہاں ما ینطق سے فقط قرآن حکیم مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر قرآن جو بصورت وحی نازل ہوتا ہے اس میں وہ ایک لفظ کا اضافہ یا کمی بیشی نہیں کرتے بلکہ آپ کی زبان حق ترجمان پر وہی کچھ آتا ہے جو وحی الٰہی ہوتا ہے۔

آیت میں ینطق کے تحت آپ ﷺ کے گفتگو کرنے اور بولنے کو فقط قرآن مجید سے مختص کر لینا غلط ہے کیونکہ اس صورت میں ہمیں لامحالہ طور پر یہ مفروضہ قائم کرنا پڑے گا کہ قرآن کا ذکر اس آیہ میں محذوف ہے یعنی اس کا ذکر مذکورہ آیت میں پوشیدہ طور پر موجود ہے اور اسے واضح نہیں کیا گیا یاد رہے کہ علمی اعتبار سے حذف خلاف اصل ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے سیاق و سباق سے واضح ہو رہا ہے کہ ''ھو'' ضمیر کا مرجع قرآن نہیں بلکہ قول رسول ﷺ ہے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے قول کے مبرا عن الخطاء ہونے کو بیان کیا ہے اور آپ کے قول کی صفائی پیش کرتے ہوئے اس کو قولِ فیصل قرار دیا ہے جبکہ اس سے ماقبل حصے میں اللہ تعالیٰ نے رسول محتشم ﷺ کے عمل کی طہارت کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝[1] تمہارا رفیق (اللہ کا رسول) نہ بہکا اور نہ راہ سے بے راہ ہوا۔

اس آیہ کریمہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے عمل کی صفائی پیش کی جا رہی ہے کہ لوگو! تمہارے ہادی و رہنما کبھی غلط راستے پر پڑے ہیں اور نہ کبھی سیدھے راستے سے سرِ مُو بھٹکے ہیں۔ ان کی زندگی اور اعمال حیات کو اپنی زندگی اور اعمال حیات پر قیاس نہ کرنا۔ تم گمراہ بھی ہو سکتے ہو اور راہ راست سے بھٹک بھی سکتے ہو مگر اس برگزیدہ رسول کی حیاتِ مقدسہ میں گمراہ ہونے یا بے راہ ہونے کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر بھی اس سے کوئی غلط عمل سرزد نہیں ہوسکتا۔ ''ماضل صاحبکم و ما غوی'' کہہ کر عمل

---

[1] النجم، ۵۳: ۲

رسول ﷺ کی طہارت و معصومیت کو واضح فرمادیا۔ اور اس کے بعد ”وما ینطق عن الھوی“ فرما کر قول رسول ﷺ کی عفت و پاکیزگی واضح فرمادی اور فرمایا میرا رسول عمل کے اعتبار سے بھی پاک ہے اور قول کے اعتبار سے بھی پاک ہے۔ اس کی زندگی اور کردار کے دامن پر کوئی داغ یا دھبہ نہیں۔

قولِ رسول ﷺ میں ذاتی خواہش کا عمل دخل ماننے کے مضمرات

اگر یہ دعویٰ درست مان لیا جائے کہ صرف قرآن بیان کرنے میں نبی ﷺ کی ذاتی خواہش کا عمل دخل نہیں تھا جبکہ بقیہ معاملات پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا تو اس کا مفہوم لا محالہ طور پر یہی نکلے گا کہ قرآن کے سوا نبی ﷺ کی زبان سے جو کچھ صادر ہوا اس میں آپ ﷺ کی ذاتی خواہش شامل تھی۔ زیرِ نظر آیت کے یہ معنی لینے سے خود قرآن کی حقانیت وصداقت پر حرف آئے گا کیونکہ پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضور ﷺ نے وہ نازل کردہ آیات تو من وعن بیان فرمادیں لیکن جب ان کی زبان سے یہ صادر ہوا کہ یہ قرآن ہے تو معنی یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے بغیر خواہش نفس کے جو تلاوت کیا اور پڑھ کر سنایا وہ قرآن ہے لیکن جب اس کے اثبات میں اپنی ذاتی رائے دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ جو میں تمہیں سنا رہا ہوں وہ قرآن ہے تو یہ کلمات جن سے قرآن کا قرآن ہونا بیان ہو رہا ہے نبی کریم ﷺ کی خواہش نفس کے تابع آپ ﷺ کی ذاتی بات قرار پائی اگر یہ تضاد پر مبنی موقف تسلیم کرلیا جائے تو قرآن کے قرآن ہونے کا کیا اعتبار باقی رہے گا؟

ایک استدلال

صحابہ کرام میں سے کسی نے نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا نہ اس کا کلام سنا نہ ہی جبریل امین علیہ السلام کو وحی لیکر اترتے دیکھا۔ یہ ساری باتیں انہیں مُخبرِ صادق ﷺ نے

بتائیں جو صاحب قرآن اور صاحب وحی ہیں کہ مجھ پر قرآن نازل ہوتا ہے جسے جبریل امین علیہ السلام لیکر آتے ہیں اور یہ کلام جو میں تمہیں پڑھ کر سنا رہا ہوں قرآن ہے۔ وجودِ باری تعالیٰ اور حقانیتِ قرآن کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے ملی۔ اگر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی بات میں خواہش نفس کا دخل مانا جائے تو آپ کی بات پر نعوذ باللہ اعتماد کیسے باقی رہ سکتا ہے اور ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جسے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا کلام کہہ رہے ہیں اسے مانتے ہیں اور جو غیر از قرآن اس کا ذاتی کلام حدیث کی صورت میں ہے اسے نہیں مانتے یہ بات مسلمہ ہے کہ خبر سے پہلے مخبر کی تصدیق شرط ہے۔ اگر مخبر پر اعتماد نہ ہو تو اس کی لائی ہوئی خبر پر اعتبار کرنے کا بھلا کیا جواز ہوگا؟

اس استدلال کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن کے علاوہ بھی جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وحی الٰہی ہے مگر قرآن وحی جلی اور وحی متلو ہے اور حدیث وحی خفی اور وحی غیر متلو ہے۔

وحی غیر قرآنی کی چند مثالیں

اب ہم اس تصور کی مزید وضاحت پیش کرتے ہیں

ا۔ سورتوں کے نام اور ترتیب قرآن میں مذکور نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ مَایَكُونُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ۔ [1]

(اے نبی مکرم) فرمادیں مجھے حق نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو فقط جو میری طرف وحی کی جاتی ہے (اس کی) پیروی کرتا ہوں

---

[1] یونس، ۱۰:۱۵

جب اس آیہ کریمہ سے واضح ہوگیا کہ حضور ﷺ قرآن کو اپنی طرف سے بدلنے کا کوئی حق نہیں رکھتے تو قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب کیوں بدلی گئی کیونکہ قرآن مجید کی ترتیب نزولی کے اعتبار سے سورہ علق سب سے پہلی سورت ہونے کی بنا پر چاہیے تو یہ تھا کہ اسے قرآن کے آغاز میں لکھا جاتا حالانکہ قرآن تو سورہ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے۔

اس تبدیلی کی دو صورتیں ہیں جن میں سے ایک کو لامحالہ ماننے پڑے گا وہ یہ کہ یا تو حضور ﷺ نے خود اپنی ذاتی خواہش سے ترتیب بدلی یا یہ کہا جائے گا کہ وحی کے ذریعے بدلی۔ اگر پہلی صورت کو مانا جائے تو کفر ہو جائے گا اور اگر دوسری صورت مانی جائے تو اس کا قرآن مجید کی کسی آیت میں ذکر نہیں ملتا۔ اسی طرح قرآن مجید کی ہر سورت اپنے ایک نام سے موسوم ہے۔ جس کا قرآن مجید کی کسی آیت سے ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ یہ ماننا لازم ہے کہ ان ناموں کو خود باری تعالیٰ نے وضع کیا ہے۔

جب قرآن کی سورتوں کی ترتیب اور ان کے نام کسی آیتِ قرآنی میں مذکور نہیں تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی جس کے ذریعے آپ ﷺ کو سورتوں کی ترتیب اور ان کے ناموں کے متعلق آگاہ کر دیا گیا۔

۲۔ طریقہ نماز قرآن میں مذکور نہیں

قرآن مجید میں اسی سے زائد مقامات پر نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن نماز پڑھنے کا طریقہ کہیں مذکور نہیں۔ جب صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا۔

کیف نصلی یا رسول اللہ — یارسول اللہ! ہم نماز کیسے پڑھیں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

صلوا کما رایتمونی اصلی [1] — جس طرح میں نماز پڑھتا ہوں اس طرح مجھے دیکھ کر نماز پڑھ لیا کرو۔

---

[1] صحیح البخاری، ۱: ۸۸

اگر وحی کا اتر نا صرف قرآن تک موقوف مان لیا جائے اور قرآن کے علاوہ وحی کی اور کوئی صورت تسلیم نہ کی جائے تو آپ ﷺ کو نماز پڑھنے کا طریقہ کس نے سکھایا؟ قرآن میں تو اس کا ذکر نہیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ قرآن کے علاوہ بھی وحی کا نزول ہوتا رہا اور حضور ﷺ کو نماز پڑھنے کا طریقہ اسی وحی کے ذریعے سکھایا گیا تھا۔

۲۔افشائے راز کی خبر

اوپر بیان کردہ تصورِ وحی کی مزید وضاحت درج ذیل آیہ کریمہ کے شان نزول کو سمجھنے سے ہوجاتی ہے۔

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ [1]

اور (وہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ) جب پیغمبر نے ایک بیوی سے ایک راز کی بات کہی پھر جب ان کی بیوی (حفصہ) نے اس کی اطلاع (دوسری بی بی حضرت عائشہؓ کو) دے دی اور اللہ نے یہ بات پیغمبر پر بھی ظاہر کردی تو آپ نے وہ بات کچھ تو جتائی اور کچھ (کے بتانے) سے گریز فرمایا۔

اس آیہ کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کوئی بات بصیغہ راز فرمادی لیکن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے بے خیالی میں یا جذبہ محبت وشوق سے مغلوب ہوکر اس کا تذکرہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کردیا۔ حضور ﷺ کو اس کی اطلاع کسی زوجہ نے دی نہ کسی اور نے۔ آپ ﷺ نے سیدہ حفصہؓ کو بلایا اور باتوں باتوں میں افشائے راز کا ذکر فرمادیا۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو

---

[1] التحریم ۶۶: ۳

قدرے پریشانی لاحق ہوئی اور فرطِ ندامت سے عرض کرنے لگیں آقا! آپ کو کس نے بتادیا کہ میں نے اس واقعہ کا ذکر فلاں سے کردیا ہے؟

اسے قرآن یوں بیان فرماتا ہے۔

فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ هٰذَا [1] پھر جب انہوں نے بی بی کو وہ بات جتائی تو وہ بولیں آپ کو کس نے بتایا۔

اس کے جواب میں حضور ﷺ نے جو فرمایا اسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ○ [2] آپ نے فرمایا مجھے علم رکھنے والے باخبر (خدا) نے بتایا ہے۔

اس آیہ کریمہ کے مفہوم پر غور کرنے سے یہ نکتہ خود بخود کھل جائے گا کہ یہ افشائے راز خود رب کریم نے کیا لیکن قرآن کریم کی کسی آیت میں اشارتاً یا کنایۃً بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ حضور ﷺ کا یہ فرمانا 'نبانی العلیم الخبیر' اس امر کی طرف صاف اور واضح اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کی خبر حضور نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے دی تھی مگر اس کے بارے میں کسی آیت کا نہ ہونا اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو وحی صرف قرآن ہی کی صورت میں نہ ہوتی تھی بلکہ اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو مختلف حقائق سے آگاہ فرماتا رہتا تھا۔

۴۔ واقعہ معراج کے حوالے سے ایک دلیل

جب حضور ﷺ کو لامکاں کی بلندیوں میں قاب قوسین کے مقام پر سرفراز فرمایا گیا اور حسن مطلق کا جلوہ محبوب کے سامنے بے نقاب ہوا تو محبّ اور محبوب کے درمیان راز و

---

[1] التحریم' ۶۶: ۳

[2] التحریم' ۶۶: ۳

نیاز کی جو باتیں ہوئیں انہیں قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی [1] پھر (اللہ رب العزت نے بلا واسطہ اپنے بندہ کو جو وحی فرمانا تھا فرمایا۔

واضح ہو کہ مقام قاب قوسین کی رفعتوں میں جہاں جبریل امین کا گزر تک ممکن نہیں تھا اور فرشتے کے ذریعے وحی کی کوئی صورت نہ تھی اور نہ ہی وہاں اس کی رسائی ہی ممکن تھی وہاں وحی کا ہونا خود قرآن پاک سے ثابت ہے لیکن اس وحی میں کیا باتیں ہوئیں اس کا قرآن مجید میں کہیں ذکر نہیں اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مذکورہ وحی قرآنی وحی نہ تھی بلکہ قرآن کے علاوہ وحی تھی جس نے حضور ﷺ پر وہ حقائق اور اسرار و رموز منکشف کر دیئے تھے جن کے بارے میں حضور اکرم ﷺ اور آپ کے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۵۔ بیت المقدس کو قبلہ بنانا

حضور ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں رہے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے، مکی زندگی کے تیرہ سالہ دور میں آپ اور آپ کے متبعین کا یہی معمول رہا، لیکن جب آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ خانہ کعبہ کی بجائے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے لگے۔ روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے اٹھارہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں۔

جب دوبارہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اللہ رب العزت نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کے حکم کو اپنی طرف منسوب فرمایا ارشاد فرمایا۔

---

[1] النجم، ۵۳: ۱۰

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ [1]

اور آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم (پرکھ کر) ظاہر کر دیں کہ کون (ہمارے) رسول کی پیروی کرتا ہے (اور) کون اپنے الٹے پاؤں پھر جاتا ہے

یہاں ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیت المقدس کو قبلہ ماننے کا حکم قرآن میں کہاں موجود ہے؟ اور اگر نہیں ہے تو کیا ڈیڑھ سال تک اس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا عمل حق نہیں تھا؟ قرآن میں کونسی آیت ہے جس میں بیت المقدس کو قبلہ ماننے کا حکم دیا گیا ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم ایسی وحی کے ذریعے ہی دیا تھا جو قرآن میں مذکور نہیں۔

اس ساری بحث کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے علم کا ذریعہ فقط قرآنی وحی نہیں تھا بلکہ قرآنی وحی کے علاوہ وحی کی کئی اور صورتیں بھی تھیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو علم سے بہرہ ور فرمایا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا بولنا وحی کے تابع تھا۔ اس لیے سنت رسول ﷺ بھی وحی خفی قرار پائی۔ اللہ کے رسول ﷺ کی زبان اقدس سے نکلنے والا ہر ہر لفظ شان وحی سے بہرہ ور ہے۔ علم غیب کا ذریعہ جس طرح وحی جلی یعنی قرآن ہے اسی طرح وحی خفی یعنی سنت اور حدیث بھی ہے۔

---

[1] البقرہ، ۲: ۱۴۳

باب ہفتم

اطلاع علی الغیب
اور
پیکران نبوت ورسالت

گزشتہ صفحات میں علمِ غیب کے اہم موضوع پر بحث سمیٹتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ علم غیب اصالۃً اور بالذات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس شان علم میں دیگر صفات کی طرح اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں البتہ وہ اپنے بندگان خاص میں سے جسے چاہتا ہے اپنے غیوب خاصہ پر مطلع فرما دیتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی وہ مقرب اور برگزیدہ ہستیاں ہیں کہ جنہیں ہدایت انسانی کا فریضہ سونپ کر دنیا میں مبعوث کیا گیا اور ان کی نبوت ورسالت کی تائید وتصدیق معجزات کے ساتھ کی گئی اللہ تعالیٰ کے یہ خاص مقبول و برگزیدہ بندے خصوصی نوازشات الہیہ کا مہبط ومصدر بنائے گئے اور انہیں ایسے کمالات و صفات سے نوازا جاتا رہا جو ان کی نبوت ورسالت کو چشم عالم پر آشکارا کرنے کے لئے ضروری ولابدی تھے۔ اس کی سب سے بین اور روشن دلیل انہیں مبدء فیض کی طرف سے بطور معجزہ علم غیب پر مطلع کیا جانا تھا۔ منصب نبوت ورسالت کی انجام دہی کے لئے انہیں وہبی طور پر یہ استعداد عطا کر دی گئی تاکہ اس کے ذریعے وہ الوہی پیغام اپنی قوم تک پہنچا کر اسے نورِ ہدایت سے مستفیض کر سکیں۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اطلاع علی الغیب کا یہ عقیدہ نص قرآن وسنت سے ثابت ہے اس کا ماننا عین ایمان اور اس کا صریح انکار کفر ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے مطلع علی الغیب ہونے پر قرآنی شواہد

انبیاء علیہم السلام کے لئے اطلاع علی الغیب کا ثبوت قرآن مجید کی متعدد آیات سے ملتا ہے چند آیات مع تفسیر درج ذیل ہیں۔

پہلی شہادت

آیۃ الکرسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ [1]

اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

لا يعلمون الغيب الا عند اطلاع الله بعض انبيائه على بعض الغيب كما قال (عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احد الامن ارتضى من رسول) [2]

لوگ (مطلقاً) غیب نہیں جانتے مگر جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو کسی غیب پر مطلع فرمادے تو اسے علم غیب حاصل ہوتا ہے جیسے فرمایا "اللہ غیب جاننے والا (ہے) تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جنہیں پسند فرمالیا جو اس کے (سب) رسول ہیں۔"

مذکورہ آیت کے حوالے سے تفصیلی بحث گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

دوسری شہادت

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ [3]

اور غیب کی کنجیاں (یعنی وہ راستے جن سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اس

---

[1] البقرہ، ۲: ۲۵۵
[3] الانعام، ۶: ۵۹
[2] التفسیر الکبیر، ۷: ۱۱

کے پاس (اس کی قدرت وملکیت میں)
ہیں انہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں
جانتا۔

اس آیہ کریمہ میں لفظ مفاتح قابل توجہ ہے جو فتح سے مشتق ہے جس کا معنی ''کھولنا'' ہے۔ لفظ ''مَفَاتِح'' ''مِفْتح'' کی جمع ہے۔ مفتح اسم آلہ ہے اس کا معنی ہے کھولنے والا آلہ۔ چابی کو مفتاح اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ بند تالے کو کھول دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفاتح کا مفہوم کسی بند سربستہ اور مخفی شے کو کھولنے سے عبارت ہے۔ اور ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کلیتاً اس قابل ہی نہ ہو کہ اسے کھولا جا سکے اس کیلئے مفاتح کے وجود کا تصور کبھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ متذکرہ بالا آیہ کریمہ سے مراد یہ ہے کہ غیب ایک امر مخفی ہے 'جسے لوگ اپنے ذاتی ذرائع علم' تگ ودو' قیافے اور عقل وخرد کی مختلف تدبیروں سے نہیں جان سکتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مشیتِ خاص سے جس کیلئے چاہتا ہے غیب کے دروازے کھول دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے بند کر دیتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے نبیوں اور رسولوں کو امور غیب سے مطلع فرما دیتا ہے۔

امام قرطبیؒ اس آیہ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

فاللہ تعالیٰ عندہ علم الغیب و بیدہ الطرق الموصلۃ الیہ لا یملکھا الاھو فمن شاء اطلاعہ علیھا اطلعہ ومن شاء حجبہ عنھا حجبہ ولا یکون من افاضتہ الا علی رسلہ بدلیل	سو اللہ کے پاس غیب کا علم ہے (یعنی جو مخلوق سے پوشیدہ ہے اسے اللہ جانتا ہے) اور اسی کے ہاتھ میں غیب تک پہنچانے والے راستے ہیں وہی ان کا مالک ہے سو جس کو ان پر اطلاع دینا چاہے دیتا ہے اور جن سے پردے میں

قوله تعالیٰ وما کان الله لیطلعکم علی الغیب ولکن الله یجتبی من رسله من یشاء وقال عالم الغیب فلا یظهره علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول[1]

رکھنا چاہے پردے میں رکھتا ہے اور اس کا یہ فیضان (علم غیب پر اطلاع دینا) صرف اس کے رسولوں پر ہوتا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (غیب کے علم کیلئے) چن لیتا ہے۔" اور فرمایا اللہ غیب جاننے والا (ہے) تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جنہیں پسند فرمالیا جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان عالم الغیب ہونا ہی نہیں فاتح الغیب ہونا بھی ہے اور یہ کہ ہر کس و ناکس کو مطلع علی الغیب نہیں کیا جاتا۔ یہ اس کی عطائے خاص ہے جو بالخصوص ان منتخب بندوں پر ہوتی ہے جنہیں وہ اپنی بارگاہِ ناز میں نبوت و رسالت کے لئے چن لیتا ہے۔

۳۔ تیسری شہادت

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے (عامۃ

---

[1] الجامع لاحکام القرآن، ۷:۴

الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ [1]	الناس) تمہیں غیب پر مطلع فرمادے لیکن اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (غیب کے علم کیلئے) چن لیتا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں ''کم'' ضمیر کے ساتھ عام لوگوں سے خطاب ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ انہیں اس بات کی خبر دی جاری ہے کہ دیکھو! اللہ کی یہ شان نہیں کہ ہر کس و ناکس کو وہ اپنے غیب پر مطلع فرمادے بلکہ اس نعمت عظمیٰ کیلئے وہ فقط اپنے برگزیدہ رسولوں کو مختص کرتا ہے۔

ا۔ امام فخر الدین رازیؒ اس آیہ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

فان سنة الله جارية بانه لا يطلع عوام الناس على غيبه بل لا سبيل لكم الى معرفة ذلك الامتياز الا بالامتحانات مثل ما ذكرنا من وقوع المحن و الافات حتى يتميز عندها الموافق من المنافق فاما معرفته ذلك على سبيل الاطلاع من الغيب فهو من خواص الانبياء فلهذا قال ولكن الله يجتبى من رسله من يشاء اى ولكن الله	اللہ تعالیٰ کا جاری کردہ اصول ہے کہ وہ عوام کو اپنے غیب پر مطلع نہیں فرماتا بلکہ تمہارے لیے امتیاز ایمان و نفاق کی پہچان کے سلسلہ میں بجز اس کے کوئی راستہ نہیں کہ امتحانات ہوں جیسے ہم نے ذکر کیا کہ آفات و آلام نازل ہوں تاکہ موافق اور منافق میں تمیز ہو سکے۔ رہا اس پر خبردار ہونا علم غیب پر دسترس حاصل کر کے تو یہ نبیوں کا خاصہ ہے اسی لیے فرمایا ''لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے'' پھر انہیں یہ خبر دے کر

---

[1] آل عمران ۳: ۱۷۹

يصطفي من رسله من يشاء فخصهم باعلامهم ان هذا مومن و هذا منافق......و يحتمل ولكن الله يجتبي فيمتحن خلقه بالشرائع على ايديهم حتى يتميز الفريقان بالامتحان ويحتمل ايضاً ان يكون المعنى وما كان الله ليطلعكم ليجعلكم كلكم عالمين بالغيب من حيث يعلم الرسول حتى تصيروا مستغنين عن الرسول بل الله يخص من يشاء من عباده بالرسالة ثم يكلف الباقين طاعة هؤلاء الرسل[1]	خاص فرماتا ہے کہ بے شک یہ مومن ہے اور بے شک یہ منافق ہے..........اور یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے پھر ان کے ذریعے احکام شرع بھیج کر اپنی مخلوق کا امتحان لیتا ہے یہاں تک کہ اس جانچ سے دونوں گروہ ممتاز ہو جاتے ہیں۔ یہ معنی بھی ممکن ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم سب کو غیب پر اطلاع کر دے جیسے رسول کو علم غیب دیتا ہے کہ تم رسولوں سے بے نیاز ہو جاؤ بلکہ اللہ اپنے بندوں میں سے خاص کو رسالت سے سرفراز فرماتا ہے پھر باقی ماندہ کو ان رسولوں کی اطاعت کا مکلف بناتا ہے۔

ایمان اور نفاق کی قلبی کیفیات امور غیب میں سے ہیں چونکہ عامۃ الناس مطلع علی الغیب نہیں ہوتے اس لیے ان کے لیے مومن اور منافق کا فرق جاننا بایں صورت ہی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی آزمائش نازل ہو اس کے نتیجے میں جو اس میں ثابت قدم رہا مومن ہوگا اور جس کے قدم ڈگمگا گئے اس کا شمار زمرۂ منافقین میں ہوگا مگر اس

---

[1] التفسير الكبير ۹: ۱۱۱

کے برعکس رسول کیلئے مومن اور منافق کے مابین امتیاز کا ذریعہ علم غیب ہے جس کے توسط سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ان کے ایمان اور نفاق پر مطلع فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کو مطلع فرما دیا۔ جب منافقین نے علم رسالتمآب ﷺ پر طعن کیا اور استہزاءً کہا کہ اس نبی کو ہمارے نفاق کا علم نہیں، اگر علم ہے تو ہمیں باہر کیوں نہیں نکال دیتے۔ تو رسول اکرم ﷺ جمعہ کے روز منبر پر تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا، دورانِ خطبہ ایک ایک کا نام لیکر تمام منافقین کو مسجد سے نکال باہر کیا۔

امام رازیؒ آیہ کریمہ ”لا تَعْلَمُهُمْ وَ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ“ (توبہ، ۹:۱۰۱) کے حوالے سے یہ روایت درج کرتے ہیں۔

عن السدی عن انس بن مالک قام النبی ﷺ خطیباً یوم الجمعة فقال اخرج یا فلان فانک منافق اخرج یا فلان فانک منافق فاخرج من المسجد ناساً و فضحهم۔[۱]

سدیؒ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے روز خطاب کے لئے کھڑے ہوئے پس فرمایا اے فلاں! تو نکل جا بے شک تو منافق ہے اے فلاں! تو (بھی) نکل جا بے شک تو (بھی) منافق ہے پس آپ نے (منافق) لوگوں کو مسجد سے رسوا کر کے نکال باہر کیا۔

۲۔ امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

(ولکن اللہ یجتبی) ای یختار

اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے

---

[۱] ۱۔ التفسیر الکبیر، ۱۶: ۱۷۳۔

۲۔ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۲: ۳۸۴

(من رسله) لاطلاع غیبه (من یشاء) [1] — چاہتا ہے اپنے غیب کی اطلاع کیلئے چن لیتا ہے۔

۳۔ امام خازنؒ اس آیت کے تحت یوں رقمطراز ہیں۔

یعنی ولکن اللہ یصطفی و یختار من رسله من یشاء فیطلعه علی ما یشاء من غیبه۔ [2] — اس کا مطلب یہ ہے مگر اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے پھر اسے اپنے غیب پر جس قدر چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے۔

۴۔ امام سلیمان بن عمر العجیلیؒ فرماتے ہیں۔

والمعنی ولکن اللہ یجتبی ان یصطفی من رسله من یشاء فیطلعه علی الغیب [3] — ولکن اللہ یجتبی کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے پھر اسے غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفاسیر سے بالصراحت واضح ہے کہ اطلاع علی الغیب انبیاء علیہم السلام کیلئے ثابت ہے۔

چوتھی شہادت

اطلاع علی الغیب کے لئے صرف انبیاء و رسل ہی کو مختص فرمایا گیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ — اللہ غیب جاننے والا (ہے) تو اپنے غیب

---

[1] الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۲۸۹

[2] لباب التاویل، ۱: ۳۰۸

[3] تفسیر الفتوحات الالٰهیه، ۱: ۳۴۰

اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ [۱]	پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جنہیں پسند فرمالیا جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں نبیوں اور رسولوں کے مطلع علی الغیب ہونے کا ذکر بڑے واضح الفاظ میں کیا گیا ہے

۱۔ امام خازنؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

(الا من ارتضیٰ من رسول) یعنی الامن یصطفیه لرسالته و نبوته فیظهره علی ما یشاء من الغیب [۲]	(الامن ارتضی من رسول) کا مطلب ہے کہ مگر وہ جسے اللہ تعالیٰ رسالت و نبوت کیلئے منتخب فرماتا ہے تو اسے غیب پر جس قدر چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے۔

۲۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ نسفیؒ یوں رقمطراز ہیں۔

(الا من ارتضی من رسول) الا رسولاً قد ارتضاه لعلم بعض الغیب لیکون اخباره عن الغیب معجزة له فانه یطلعه علی غیبه ما یشاء۔ [۳]	(الامن ارتضی من رسول) کا معنی ہے مگر وہ رسول جسے اللہ تعالیٰ نے علم غیب کیلئے پسند فرمالیا ہے تاکہ رسول کا غیب کی خبر دینا اس کا معجزہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے غیب پر جتنا چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے۔

۳۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں۔

---

[۱] الجن، ۷۲: ۲۶۔ ۲۷

[۲] لباب التاویل، ۴: ۳۱۹

[۳] مدارک التنزیل، ۵: ۲۷۶

(الا من ارتضی من رسول) الا من یصطفیه لرسالته فیظهره علی ما یشاء من الغیب [1]

(الامن ارتضی من رسول) کا معنی ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ اپنی رسالت کیلئے منتخب فرمالیتا ہے تو اسے جتنا چاہتا ہے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے۔

چند اہم نکات

مذکورہ بالا آیات اوران کی شروح سے درج ذیل اہم نکات مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ علم غیب ذاتی استقلالی فقط اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور علم غیب عطائی مخلوق میں سے بعض کیلئے ثابت ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ عامۃ الناس کوغیب پر اطلاع نہیں دیتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کوغیب پر مطلع فرماتا ہے۔

۴۔ انبیاء کرام اور رسولانِ عظام اللہ تعالیٰ کے خاص، منتخب اور پسندیدہ بندے ہیں۔

۵۔ انبیاء ورسل علیہم السلام عوام کوغیب کی خبریں دیتے ہیں۔

۶۔ انبیاء کاغیب کی خبر دیناان کامعجزہ ہوتا ہے

۷۔ اخبار غیب انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی دلیل بنتی ہیں۔

۸۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو جس قدر چاہتا ہے غیب پر مطلع فرماتا ہے نص قطعی سے ثابت ہے کہ اس نے کہیں بھی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔

واضح رہے کہ بعض مفسرین انبیاء کرام علیہم السلام کے علم غیب کیلئے جو بعض کا لفظ استعمال کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت سے ہے۔ لہذا اس کو بنیاد بنا کر انبیاء کرام علیہم السلام کے علم غیب کا انکار سراسر لاعلمی، نادانی اور کم فہمی پر مبنی ہوگا۔ اور اسے نصوص قرآن

---

[1] معالم التنزیل، ۴: ۴۰۶

وحدیث کے انکار پر محمول کیا جائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور اطلاع علی الغیب

یوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو اطلاع علی الغیب کے امتیازی وصف سے متصف کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ خاص پیغمبر ہیں جنہیں خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بھی علم غیب سے سرفراز فرمایا۔ جس کے بارے میں قرآن حکیم میں یوں مذکور ہے۔

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا [۱]	اور اللہ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیئے۔

بعض علماء نے علم الاسماء سے ملائکہ اور بعض نے نسل بنی آدم کے ناموں کا علم مراد لیا ہے جبکہ بعض نے لغات کا علم یا اسمائے الٰہیہ کا علم مراد لیا ہے لیکن ان تمام آراء کے باوجود ''الاسماء کلھا'' کے قرآنی الفاظ سے کسی طرح یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ علم کسی خاص نوع یا جنس تک محدود ہے یا اسے کسی ایک دائرے میں مخصوص کر دیا گیا ہے بلکہ یہ الفاظ اس کے عمومی اطلاق پر دلالت کرتے ہیں اور جیسا کہ اکثر ائمہ تفسیر نے بیان کیا ہے حضرت آدم علیہ السلام کو جملہ مخلوقات کے اسماء کا علم عطا کر دیا گیا تھا۔

۱۔ امام خازن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

قال ابن عباس علمه اسم كل شئ حتى القصعة والقصيعة [۲]	حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر شے کا نام سکھا دیا حتی کہ پیالے اور پیالی کا بھی۔

۲۔ امام ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں۔

۱۔ البقرہ، ۲: ۳۱

۲۔ لباب التاویل، ۱: ۴۲

عن ابن عباس قال علم الله آدم الاسماء كلها و هی هذه الاسماء التی یتعارف بها الناس انسان و دابة و ارض و سهل و بحر و جبل و حمار و أشباه ذلک من الامم و غیرها۔[۱]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے اور وہ نام یہی ہیں جو لوگ جانتے ہیں جیسے انسان، چوپایہ، زمین، میدان، سمندر، پہاڑ، گدھا اور اس کی مانند دیگر مخلوقات کے۔

۳۔ امام قرطبیؒ نے اس آیت کے تحت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ عکرمہ، قتادہ، مجاہد اور ابن جبیر کا قول نقل کیا ہے۔

علمه اسماء جمیع الاشیاء کلها جلیلها و حقیرها[۲]

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء موجودات کے نام سکھا دیئے خواہ بڑی تھیں یا چھوٹی۔

اس کے بعد امام قرطبیؒ اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

قلت و قد روی هذا المعنی مرفوعاً علی مایأتی و هو الذی یقتضیه لفظ کلها اذ هو اسم موضوع للا حاطة و العموم و فی البخاری من حدیث انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال و یجتمع المؤمنون یوم القیامة فیقولون

اور یہ معنی جیسا کہ آگے آ رہا ہے مرفوعاً بیان کیا گیا ہے اور اسی معنی کا لفظ کلہا مقتضی ہے کیونکہ یہ اسم احاطہ اور عموم کیلئے موضوع ہے صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایمان والے اکٹھے ہوں گے اور عرض کریں گے کاش

---

[۱] جامع البیان، ۱: ۱۷۰ [۲] الجامع لاحکام القرآن، ۱: ۲۸۲

لو استشفعنا الی ربنا فیأتون ادم فیقولون انت ابو الناس خلقک الله بیده و اسجدلک ملائکته و علمک اسماء کل شئ ۔[1]

ہمارے رب کے حضور کوئی ہماری سفارش کردے پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے ''آپ لوگوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

۵۔ علامہ سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں۔

المراد بها اسماء ما کان وما یکون الی یوم القیامة [2]

اس سے مراد جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کے نام ہیں۔

۶۔ امام بغویؒ لکھتے ہیں۔

و قیل اسم ما کان وما یکون الی یوم القیامة [3]

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے وہ سب کچھ مراد ہے جو ہو چکا اور جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

۷۔ امام ابوالسعود العمادیؒ لکھتے ہیں۔

و قیل اسماء ما کان وما یکون الی یوم القیامة [4]

اور یہ قول بھی ہے کہ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونیوالا ہے سب کے

---

[1] الجامع لاحکام القرآن، ۱: ۲۸۲

[2] روح المعانی، ۱: ۲۲۴

[3] معالم التنزیل، ۱: ۶۱

[4] تفسیر ابی السعود، ۱: ۸۴

نام مراد ہیں۔

۸۔ امام شوکانیؒ لکھتے ہیں۔

والتا کید بقوله (کلها) یفید انه علمه جمیع الاسماء ولم یخرج عن هذا شئ منها کائنا وما کان [1]

اللہ تعالیٰ کے فرمان ''کلھا'' کی تاکید کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھادیئے اور اس سے جو کچھ ہونیوالا ہے اور جو کچھ ہو چکا ہے کوئی شے بھی خارج نہیں۔

علم الاسماء سے مراد بلا امتیاز و تخصیص ہر شے کا علم ہے اور یہی معنی حدیث شفاعت سے بھی مترشح ہے لہذا تفسیر القرآن بالحدیث کے اصول پر عمل کرتے ہوئے علم الاسماء سے مراد ہر شے کا علم لیا جائے گا۔

علم الاسماء کے بارے میں ایک اشکال اور اس کا ازالہ:

اس وضاحت کے بعد دوسرا غور طلب نکتہ یہ ہے کہ کیا حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسماء و موجودات عالم کے صرف نام ہی بتائے گئے یا ان کی صفات' خواص اور افعال کی معرفت بھی عطا کی گئی ہے۔ اس کا اجمالاً جواب یہ ہے کہ قرآن حکیم کے ارشاد ''الاسماء کلہا'' سے مراد حضرت آدمؑ کو صرف اشیاء کے نام نہیں بلکہ ان تمام اشیاء کی صفات' خواص' افعال اور ماہیت و حقیقت وغیرہ سے متعلق وہ سارا ضروری علم مہیا کیا گیا جو کسی چیز کو صحیح طور پر جاننے کیلئے مطلوب ہوتا ہے کیونکہ جب قرآن مجید ''علم'' کو بنائے فضیلتِ آدم اور وجہ استحقاق خلافت کے طور پر بیان کر رہا ہے تو معمولی سا فہیم و فطین شخص بھی یہ جان سکتا ہے کہ اشیاء و حقائق عالم کی ماہیت کو سمجھے بغیر صرف ان کے خالی نام جان لینا کسی ٹھوس فضیلت اور

---

[1] فتح القدیر' ۱: ۶۴

منصب خلافت کی اہلیت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ صرف ایسا علم ہی اس منشاء الٰہی کی تکمیل کا موجب ہوگا جس کی مدد سے روئے زمین پر خلافت و نیابت الٰہی کے فرائض کی کما حقہ بجا آوری ہو سکے۔ اور وہ بلا مبالغہ موجودات کے جملہ خصائص' احوال اور عادات کا علم ہے۔

امام راغب اصفہانی نے مادہ سماء کے ذیل میں ''الاسم'' کے تحت نہایت عمدہ بحث کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو تمام اسماء کا علم عطا ہوا وہ تمام اشیاء کے الفاظ و معانی اور مفردات و مرکبات کو حاوی تھا۔ کیونکہ کوئی شخص مسمی کو یعنی چیز اور اس کی ذات وصفات اور ماہیت کو جانے بغیر اس کے نام کو بھی نہیں سمجھ سکتا اس لیے اگر کوئی شخص کسی کے سامنے کسی چیز کا نام لے تو سننے والا فی الواقع ایک آواز ہی سن رہا ہوتا ہے۔ اگر سامع اس چیز سے صحیح طور پر واقف نہیں تو اس کا ذہن اس نام یعنی آواز کو سن کر اس چیز کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کوئی نام سن کر یا پڑھ کر ذہن اس شے کی طرف متوجہ نہ ہو جس کا نام لیا جا رہا ہے اور اس شے کا نقشہ' اس کی شکل وصورت' اس کی ماہیت اور خاصیت وافادیت ذہن میں نہ آئے تو نہ اس نام کے بتانے کا کوئی فائدہ ہے اور نہ اس کے سننے کا' نہ ہی اسے ''علم الاسماء'' قرار دیا جا سکتا ہے۔

علم الاسماء تو اس علم کے لئے بولا جائے گا کہ کسی شے کا نام لیتے اور سنتے ہی اس کی حقیقت و ماہیت اور خواص وصفات کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔ اسی صورت میں اس شے کی افادیت کا پتہ چلے گا اور تبھی وہ علم مفید ہوگا۔ چنانچہ یہ حتمی بات ہے کہ اسماء کا علم اشیاء کے کامل شعور' ادراک اور معرفت کے بغیر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مزید براں علم الاسماء کے حوالے سے یہاں ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ کہ کیا یہ علم امر واقعہ کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کو محض اس لمحے کے لئے عطا کیا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے مابین وہ مکالمہ ہو رہا تھا جس کا قصہ مقصد تخلیق آدم کے باب میں قرآن کریم کے اندر مذکور ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو لا محالہ فضیلتِ آدمؑ کو عارضی' وقتی اور ہنگامی ماننا

پڑے گا مگر فی الواقعہ ایسا نہیں فضیلت تبھی ہوگی اگر یہ دائمی اور مستقل نوعیت کی ہو۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ آدم علیہ السلام (صاحبِ علم) کی ذات میں ایسا ملکہ نفسی صلاحیت اور استعداد ودیعت کر دی جاتی کہ وہ اس کے ذریعے جس وقت اور جیسے چاہے اشیاء و موجودات کے علم اور شعور سے بہرہ ور ہو سکے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو حسی طور پر وہ ذہنی اور باطنی ذرائع عطا کر دئے گئے جن کے توسط سے اس پر حقائق علم منکشف کر دیئے گئے اسی استعداد علم کی بنا پر انسان کو دوسری مخلوقات پر شرف و کرامت نصیب ہوئی۔ علم الاسماء کی اسی حقیقت کو مفسرین نے بلا اختلاف بیان کیا ہے۔

۱۔ قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں۔

انه تعالیٰ خلقه من اجزاء مختلفة و قوی متباینة مستعدا لادراک انواع المدرکات من المعقولات والمحسوسات والمتخیّلات و الموهومات والهمه ذوات الاشیاء و خواصها و اسمائها و اصول العلوم و قوانین الصناعات و کیفیة آلاتها[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مختلف اجزاء اور متفرق قوتوں سے پیدا کیا اور ان میں یہ صلاحیت و استعداد رکھی کہ وہ طرح طرح کے مدرکات کو خواہ وہ عقل سے جانے جا سکتے ہوں یا حواس سے، تخیل سے یا قوت واہمہ سے، اپنے علم میں لا سکیں اور مختلف اشیاء کی ماہیت ان کے خواص و صفات ان کے اسماء، علم و ادراک کے اصول و ضوابط، مختلف صنعتوں کے قوانین اور آلات و ذرائع کی کیفیات وغیرہ کی معرفت آپ کے دل میں القا کر دی۔

---

[1] انوار التنزیل، ۱: ۸۴

۲۔ امام ابن کثیرؒ اسی حوالے سے لکھتے ہیں۔

الصحیح انه علمه اسماء الاشیاء کلها ذواتها و صفاتها و افعالها [1]	صحیح یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام (Nouns) ان کی شکلیں (Shapes) اور ان کے افعال (Functions) کا علم عطا فرما دیا تھا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی شے کا بھی علم عطا فرما دیا تھا حتی کہ تمام اشیاء کے اسماء، ماہیات، خصوصیات صفات اور افعال و کیفیات تک کا علم بھی، آپ علیہ السلام کا یہ علم ما کان و ما یکون کی صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے علم غیب قرار پایا۔

حضرت نوح علیہ السلام اور اطلاع علی الغیب

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ آپ کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے برگزیدہ ہونے کی شہادت خود قرآن نے دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ [2]	بے شک اللہ نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو سب جہان والوں پر (بزرگی میں) منتخب فرما لیا۔

---

[1] تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۷۳

[2] آل عمران، ۳: ۳۳

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام صاحب شرف و کرامت پیغمبر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے شمار علوم غیبیہ عطا فرمائے۔ آپ نے کفار کی آئندہ نسلوں اور پشتوں میں پیدا ہونے والے افراد کی خبر پہلے ہی دے دی جس کا ذکر قران یوں فرماتا ہے۔

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا O اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا O ۱

اور نوح نے دعا کی اے میرے رب روئے زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو بہکاتے ہی رہیں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار اور کافر ہی ہوگی

یہ کہ کفار کی آئندہ نسلیں بھی کافر ہی ہوں گی اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی فرمادی تھی۔ امام خازن رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں۔

انما قال نوح هذا حين اخرج الله كل مومن من اصلابهم و ارحام نسائهم واعقم بعد ذلك ارحام النساء و ايس اصلاب الرجال وذلك قبل نزول العذاب باربعين سنة و قيل بسبعين سنة و اخبر الله نوحًا انهم لا يؤمنون ولا يلدون

یہ دعا حضرت نوح علیہ السلام نے اس وقت کی جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے مردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں سے پیدا ہونے والے آخری مومن کو بھی پیدا فرمادیا اور بعد ازاں انہیں بانجھ کردیا۔ اور واقعہ نزول عذاب سے چالیس سال پہلے کا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ستر سال پہلے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

---

۱ نوح ۷۱: ۲۶، ۲۷

مؤمنا فیحنئذ دعا علیهم فاجاب الله دعوته فاهلکهم جمیعًا ولم یکن معهم صبی وقت العذاب لان الله تعالیٰ اعقمهم قبل العذاب [1]

حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دے دی کہ نہ تو یہ لوگ ایمان لائیں گے اور نہ ہی ان کے ہاں آئندہ آنے والی نسلوں میں کوئی مومن پیدا ہوگا اس وقت آپ نے ان پر عذاب کیلئے دعا کی اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا پس ان سب کو ہلاک کر دیا اور عذاب کے وقت ان کے ساتھ کوئی بچہ نہ تھا کیونکہ عذاب سے قبل اللہ تعالیٰ نے انہیں بانجھ بنا دیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اطلاع علی الغیب

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہایت ہی برگزیدہ اور مقرب نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مقامِ خلت پر فائز فرمایا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا [2]

اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنا لیا تھا۔

قرآن حکیم ایک مقام پر آپ علیہ السلام کی شان صدیقیت کو یوں بیان فرماتا ہے۔

وَ اذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا O [3]

اور آپ کتاب (قرآن مجید) میں ابراہیم کا ذکر کیجئے بیشک وہ بڑے صاحب صدق نبی تھے۔

---

[1] لباب التاویل ۴:۳۱۴

[2] النساء ۴:۱۲۵

[3] المریم ۱۹ : ۴۱

دوسرے مقام پر آپ کی دیگر صفات یوں بیان ہوئی ہیں

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ [1] بیشک ابراہیم بڑے متحمل مزاج آہ و زاری کرنیوالے ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنیوالے تھے۔

آپ علیہ السلام کی خاطر نار نمرود گل و گلزار کردی گئی۔ آپ کی نسبتِ قربانی شریعت مطہرہ میں آئندہ نسلوں کیلئے جاری و ساری کردی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کی دعا کو شرف باریابی حاصل ہوا اور آپ کی اولاد میں سے نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جہاں دیگر کمالات اور اعزازات سے نوازا تھا وہاں آپ کو زمین و آسمان کی جملہ نشانیوں اور عجائبات کا مشاہدہ کرواتے ہوئے غیبی حقائق پر بھی مطلع فرمادیا تھا۔ قرآن حکیم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس شان کو یوں بیان فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [2] اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔

۱۔ امام بغویؒ نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے۔

يعنى خلق السموات والارض [3] اس سے مراد آسمانوں اور زمین کی مخلوق ہے۔

۲۔ امام ابن جریر طبریؒ حضرت مجاہدؒ کا قول نقل کرتے ہیں جسے امام نسفیؒ امام ابن کثیرؒ اور دیگر مفسرین نے بھی باختلاف الفاظ بیان کیا ہے۔

---

[1] ھود' ۱۱:۷۵

[2] الانعام' ۶:۷۵

[3] تفسیر البغوی' ۲:۱۰۸

فرجت له السموات السبع فنظر الی ما فیهن حتی انتهی نظره الی العرش و فرجت له الارضون السبع حتی نظر الی مافیهن[۱]	آپ کیلئے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے اور آپ نے ان میں موجود ہر شے کو دیکھ لیا حتی کہ آپ نے عرش کو بھی دیکھ لیا۔ اور آپ کیلئے ساتوں زمینیں کھول دی گئیں اور آپ نے ان میں موجود ہر شے کو دیکھ لیا۔

۳۔ امام خازنؒ حضرت قتادہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

قال قتادة ملکوت السموات الشمس والقمر والنجوم وملکوت الارض الجبال والشجر و البحار[۲]	قتادہ نے کہا آسمانوں کی بادشاہت سے مراد سورج، چاند اور ستارے ہیں اور زمین کی بادشاہت سے مراد پہاڑ، درخت اور سمندر ہیں۔

۴۔ امام ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے جسے ابن ابی حاتم نے عوفی کے واسطے سے یوں روایت کیا۔

فانه تعالیٰ جلا له الامر سره و علانیته فلم یخف علیه شی من اعمال الخلائق[۳]	اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کیلئے ہر شے کا پوشیدہ اور ظاہر منکشف فرمادیا اور بندوں کے اعمال میں سے کوئی شے آپ پر مخفی نہ رہی۔

۵۔ امام بغویؒ نے مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؓ کا قول بیان کیا ہے جسے امام ابن جوزیؒ نے

---

[۱] ۱۔ جامع البیان "۵: ۱۶۰
۲۔ مدارک التنزیل ۲: ۱۹
۳۔ تفسیر القرآن العظیم ۲: ۱۵۰
۴۔ روح المعانی ۷: ۱۹۷

[۲] لباب التاویل ۲: ۲۶

[۳] تفسیر القرآن العظیم ۲: ۱۵۰

سدیؒ سے باختلاف الفاظ نقل کیا ہے۔

و قال مجاهد وسعيد ابن جبير يعني آيات السموات والارض وذلك انه اقيم على صخر و كشف له عن ملكوت السموت والارض حتى العرش و اسفل الارضين و نظر الى مكانه في الجنة فذلك قوله تعالىٰ (و آيتناه اجره في الدنيا) يعني اريناه مكانه في الجنة [1]

اس سے مراد آسمانوں اور زمین کی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی صورت یہ تھی کہ آپ کو ایک چٹان پر کھڑا کر دیا گیا اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہتیں آپ کیلئے کھول دی گئیں حتی کہ عرش اور تحت الثریٰ بھی اور آپ نے جنت میں اپنا مقام بھی ملاحظہ فرمالیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (اور ہم نے ان کو دنیا میں (بھی) ان کا صلہ دیا) یعنی ہم نے انہیں جنت میں ان کا مقام دکھادیا۔

٦۔ امام فخر الدین رازیؒ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ان الله تعالىٰ شقّ له السمٰوٰت حتى رأى العرش والكرسي والى حيث ينتهي اليه فوقية العالم الجسماني و شق له الارض الى حيث ينتهي الى السطح الآخر من العالم الجسماني و راى ما في

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آسمانوں کو چیر دیا حتی کہ آپ نے عرش کرسی اور عالم جسمانی کی بالائی انتہا تک کو دیکھ لیا۔ اور آپ کیلئے زمین پھاڑ دی گئی حتی کہ فرشی عالم جسمانی کی آخری سطح کی انتہا تک (آپ کو دکھا دی گئی) اور آپ نے آسمانوں میں موجود عجائبات کو

---

[1] ۱۔ معالم التنزیل، ۲: ۱۰۸
۲۔ زاد المسیر، ۳: ۷۶

السمٰوٰت من العجائب و البدائع و رأی ما فی باطن الارض من العجائب و البدائع [1]

دیکھ لیا اور زمین کے اندر موجود عجائبات کا بھی مشاہدہ فرمالیا۔

مذکورہ بالا تفسیر سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہتوں کا اس طرح مشاہدہ کروادیا کہ ان کے اندر پائی جانے والی ہر ہر شے خواہ وہ عیاں تھی یا نہاں آپ علیہ السلام کی چشم نبوت سے مخفی نہ رہی۔ عرش العلیٰ سے تحت الثریٰ تک ہر شے آپ کو دکھا دی گئی۔ گویا آپ نے کرسی کو بھی دیکھ لیا اور لوح و قلم بھی آپ پر آشکار ہو گئے۔ آپ کو جنت میں اپنا مقام رفیع بھی ملاحظہ کرادیا گیا۔ آپ نے سات آسمانوں کی تمام مخلوق کو بھی دیکھ لیا اور ان کے اندر موجود عجائبات کو بھی۔

مزید برآں سات زمینوں کی تہ تک تمام مخلوقات عجائبات اور مخفی خزانوں کو بھی آپ علیہ السلام پر بے حجاب کر دیا گیا اور بندوں کے اعمال بھی آپ کو دکھا دیئے گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور اطلاع علی الغیب

اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب نبی حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے آپ کو بہت بلند مقام عطا فرمایا۔ قرآن مجید میں سیدنا ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کے ساتھ آپ کا ذکر جمیل ان الفاظ میں آیا ہے۔

وَ اذْكُرْ عِبٰدَنَا اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ

اور ہمارے بندے ابراہیم و اسحٰق اور یعقوب کا ذکر کیجئے جو ہاتھوں اور آنکھوں

---

[1] التفسیر الکبیر، ۱۳: ۴۲، ۴۳

وَالْاَبْصَارِ ○ اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ○وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ○ ۱؎

کے مالک تھے (اللہ کی بندگی بھی کرتے تھے اور صاحب بصیرت بھی تھے) ہم نے ان (تمام انبیاء) کو بالخصوص (آخرت کے) گھر کی یاد کیلئے چن لیا تھا اور وہ (سب) ہماری بارگاہ میں منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے

اللہ تعالیٰ نے اپنے کرمِ خاص سے سیدنا یعقوب علیہ السلام کو وہ قرینہ بندگی عطا فرمایا تھا جو بدرجۂ کمال آپ کی بصیرت کا آئینہ دار بھی تھا۔ منجملہ معجزات و کمالات آپ کو ربّ ذوالجلال نے علوم غیبیہ سے بھی بہرہ ور فرمایا تھا۔

برادرانِ یوسفؑ کے مکر کی پیش بینی

سورہ یوسف میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب سے پیارے صاحبزادے سیدنا یوسف علیہ السلام نے آپ سے اپنا خواب بیان کیا:

يٰاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ○ ۲؎

اے میرے والدگرامی! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے، میں نے انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹے کا یہ خواب سن کر انہیں یہ نصیحت فرمائی۔

لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا

اے میرے بیٹے اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے

۱؎ ص، ۳۸: ۴۵۔۴۷ ۲؎ یوسف، ۱۲: ۴

اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۝ [1]

خلاف کوئی پرفریب چال چلیں گے بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

محولہ بالا ارشاد قرآنی اس امر کا مظہر ہے کہ آپ علیہ السلام کو من جانب اللہ اس بات سے باخبر کر دیا گیا تھا کہ برادران یوسفؑ اپنے ہی بھائی کے خلاف کوئی چال چلنے والے ہیں اسی لیے آپ علیہ السلام نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے خفیہ عزائم کے بارے میں قبل از وقت خبردار کر دیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے مقام و منصب کا پیشگی علم

قرآن مجید اس پر شاہد عادل ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کو اس بات کا پہلے سے علم تھا کہ ان کے فرزند ارجمند جناب یوسف علیہ السلام کو منصب نبوت پر سرفراز کیا جائے گا اور اس پر مستزاد یہ کہ انہیں بشمول تعبیر رویاء علم و حکمت کی بے مثال دولت سے بھی نوازا جانے والا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں اپنے صاحبِ علم ہونے کا اظہار بھی فرما دیا جسے قرآن کریم نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

وَ کَذٰلِکَ یَجۡتَبِیۡکَ رَبُّکَ وَ یُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَ یُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ کَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤی اَبَوَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ۝ [2]

اسی طرح تمہارا رب تمہیں (بزرگی کیلئے) منتخب فرمائیگا اور تمہیں باتوں کے انجام تک پہنچنا (یعنی خوابوں کی تعبیر کا علم) سکھائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت تمام فرمائیگا جیسا کہ اس نے اس سے قبل تمہارے دونوں باپ (یعنی پردادا اور دادا) ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر تمام

---

[1] یوسف، ۱۲: ۵

[2] یوسف، ۱۲: ۶

۷

فرمائی تھی۔ بیشک تمہارا رب خوب جاننے
والا بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے احوال کا علم

واقعہ کے مطابق جب برادران یوسف علیہ السلام پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت اپنے والد سیدنا یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا:

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ ¹

آپ اسے (یوسف علیہ السلام کو) کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے وہ خوب کھائے اور کھیلے اور بے شک ہم اس کے محافظ ہیں

تو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے علم نبوت کی روشنی میں بیٹوں کے ارادوں میں کارفرما سازش کو پڑھ لیا اور علی وجہ البصیرت فرمایا

اِنِّیْ لَيَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ○ ²

بے شک مجھے یہ خیال مغموم کرتا ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور میں (اس خیال سے بھی) خوفزدہ ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس کی حفاظت سے غافل رہو۔

چنانچہ جس خدشے کا آپ نے اظہار کیا تھا ویسا ہی ہوا اور بیٹوں نے آکر باپ سے کہا

يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا

اے ہمارے باپ! ہم لوگ دوڑ میں

---

¹ یوسف، ۱۲:۱۲ ² یوسف، ۱۲:۱۳

يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ [1]

مقابلہ کرنے چلے گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو اسے بھیڑیئے نے کھالیا۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام جو کہ بیٹوں کے سازشی ذہن سے پہلے ہی آگاہ تھے ان کی من گھڑت بات سنتے ہی فرمادیا۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ [2]

(حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے (حاسد) نفسوں نے ایک (بہت بڑا) کام تمہارے لئے آسان اور خوشگوار بنا دیا (جو تم نے کر ڈالا) پس (اس حادثہ پر) صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں اس پر جو کچھ تم بیان کر رہے ہو۔

آپ نورِ نبوت سے جانتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا بلکہ وہ زندہ ہیں۔ آپ نے صبر سے کام لیا اور معاملہ اپنے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

غیوب پر مطلع ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے جب سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو ایک تدبیر سے اپنے پاس رکھ لیا اور بھائیوں نے واپس پہنچ کر سارا واقعہ بیان کیا تو آپ علیہ السلام نے پیشن گوئی کرتے ہوئے اپنے بیٹوں کو آگاہ کر دیا

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا [3]

قریب ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے

---

[1] یوسف، ۱۲: ۱۷
[2] یوسف، ۱۲: ۱۸
[3] یوسف، ۱۲: ۸۳

اس پر بیٹوں نے اپنے والدگرامی کی اس پر امیدی پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنا یہ اندیشہ بیان کیا

تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ ○ [1]

اللہ کی قسم آپ ہمیشہ (یوسف ہی) کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ قریب مرگ ہوجائیں گے یا آپ وفات پاجائیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔

اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ○ [2]

میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد صرف اللہ کے حضور کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

سورۃ یوسف کی مذکورہ آیات واضح انداز سے اس بات کی تائید کر رہی ہیں کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے تمام احوال کی پوری خبر تھی اور وہ نور نبوت سے یہ بھی جانتے تھے کہ بیٹا بنیامین اپنے بھائی یوسف علیہ السلام ہی کی تحویل میں ہے۔ اسی علم غیب کی بناء پر انہوں نے یہ پیشین گوئی فرمادی تھی کہ عنقریب اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا اور یہ کہ میں اللہ کے عطا کردہ علم سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

خوشبوئے پیراہنِ یوسفؑ کی پیرِ کنعاں تک رسائی

برادرانِ یوسفؑ پر جب یہ کھلا کہ ان کے بھائی یوسف علیہ السلام ہی عزیز مصر ہیں تو فطری طور پر اپنی غلطیاں یاد آنے پر ان کی جبینیں عرق انفعال و ندامت سے تر ہوگئیں۔

---

[1] یوسف، ۱۲:۸۵ [2] یوسف، ۱۲:۸۶

حضرت یوسف ؑ سے اپنے بھائیوں کی یہ حالت زار نہ دیکھی گئی انہوں نے پیغمبرانہ ظرف کا مظاہرہ کرتے ہوئے عفو ودر گزر سے کام لیا اور فرمایا

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ [1] آج کے دن تم پر کوئی ملامت اور (گرفت) نہیں ہے۔

ادھر ہجر و فراق کے طویل ماہ و سال نے حضرت یعقوب ؑ کی آنکھوں کی بینائی سلب کرلی تھی۔ جب بھائی یوسف ؑ کی حقیقت سے آگاہ ہوکر واپس عازم سفر ہونے لگے تو انہوں نے بھائیوں کو اپنا کرتہ دیتے ہوئے فرمایا۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔ [2] میری یہ قمیض لے جاؤ سوا سے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ادھر برادرانِ یوسف پیراہن یوسفؑ لے کر مصر سے روانہ ہوئے ہی تھے کہ کنعان (شام) میں بیٹھے حضرت یعقوب ؑ نے اپنے بیٹے کے پیراہن کی خوشبو کو اپنے مشامِ جاں میں محسوس کرلیا جس کا احوال قرآن حکیم نے اس انداز سے بیان فرمایا ہے۔

لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۔ [3] جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا ان کے والد یعقوب نے (کنعان میں بیٹھے ہی) فرمادیا بے شک میں یوسف کی خوشبو او پا رہا ہوں اگر تم مجھے بڑھاپے کے باعث بہکا ہوا خیال نہ کرو

---

[1] یوسف‘ ۱۲: ۹۲

[2] یوسف‘ ۱۲: ۹۳

[3] یوسف‘ ۱۲: ۹۴

اس سے حتمی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا یعقوب علیہ السلام کو علم غیب کی خصوصیت عطا فرمائی تھی جس سے آپ کو آئندہ پیش آنے والے واقعات اوراحوال کی خبر ہو جاتی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور اطلاع علی الغیب

حضرت یوسف علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے منتخب اور مخلص انبیاء میں سے تھے۔ جیسا کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے

اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِیۡنَ [۱] — بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے (برگزیدہ) بندوں میں سے تھے۔

مبدء فیض نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ صرف ظاہری اور باطنی حسن و جمال سے وافر درجہ نواز رکھا تھا بلکہ علم وحکمت اور معرفت الٰہیہ کے گراں قدر خزانے بھی آپ کو عطا فرما دیئے تھے جس میں غیبی حقائق و معارف کا علم بھی آپ کو بطور خاص ارزانی کیا گیا تھا' چنانچہ جب عزیز مصر نے اپنی اہلیہ کے ایماء پر آپ کو ناروا طور پر قید خانے میں ڈالا تو آپ کے ساتھ دونوں نوجوان بھی داخل زنداں کئے گئے۔ ان دونوں جوانوں نے اپنے اپنے خواب بیان کئے اور ان کی تعبیر چاہی اس پر سیدنا یوسف علیہ السلام نے خوابوں کی تعبیر بتانے سے قبل ان سے جو کچھ فرمایا وہ قرآن حکیم میں اس طرح مذکور ہے:

لَا یَاۡتِیۡکُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُکُمَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمَا ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ۔[۲] — جو کھانا روز تمہیں کھلایا جاتا ہے وہ تمہارے پاس آنے بھی نہ پائیگا کہ میں تم دونوں کو اس کی تعبیر تمہارے پاس اس کے آنے سے قبل بتا دونگا یہ (تعبیر) ان

---

۱ یوسف' ۱۲: ۲۴

۲ یوسف' ۱۲: ۳۷

علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائے ہیں۔

۱۔ امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں:

والمعنی انه لا یاتیکما طعام ترزقانه الا اخبرتکما ای طعام هو وای لون هو وکم هو وکیف یکون عاقبته ای اذا اکله الانسان فهو یفید الصحة او السقم وفیه وجه آخر قیل کان الملک اذا اراد قتل انسان صنع له طعام فارسله الیه فقال یوسف لا یاتیکما طعام الا اخبرتکما ان فیه سما ام لا هذا هو المراد من قوله (لا یاتیکما طعام ترزقانه الا نباتکما بتاویله) وحاصله راجع الی انه ادعی الاخبار عن الغیب و هو یجری مجری قول عیسی علیه السلام و انبئکم بما تاکلون و ما تدخرون[1]

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ کھانا جو تمہیں دیا جاتا ہے تمہارے پاس ابھی آنے بھی نہیں پائے گا کہ میں تمہیں اس کے بارے میں خبر دے دوں گا کہ وہ کیا ہے کس رنگ کا ہے کتنا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا یعنی جب کوئی انسان اسے کھائے گا تو آیا وہ اس کی صحت کو فائدہ دے گا یا نقصان پہنچائے گا۔ اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ بادشاہ جب کسی شخص کو قتل کرنا چاہتا تو اس کے لیے کھانا تیار کروا کر بھیجتا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے پاس وہ کھانا ابھی آئے گا بھی نہیں کہ میں تمہیں بتادوں گا کہ اس میں زہر ہے یا نہیں مذکورہ آیت سے یہی مراد ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے غیب کی خبر دینے کی بات کی تھی اور یہ حضرت عیسی علیہ السلام کے قول

۱؎ التفسیر الکبیر، ۱۸: ۱۳۶

''اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم
اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں
(وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں'' کی طرح
ہے۔

۲۔ امام خازنؒ مذکورہ آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

انه علیه السلام اراد ان یبین لهما درجة فی العلم اعلیٰ واعظم مما اعتقدا فیه و ذلک انهما طلبا منه علم التعبیر ولا شک ان هذا العلم مبنی علی الظن والتخمین فاراد ان یعلمهما انه یمکنه الاخبار عن المغیبات علی سبیل القطع والیقین وذلک مما یعجز الخلق عنه و اذا قدر علی الاخبار عن المغیبات کان اقدر علی تعبیر الرؤیا بطریق الاولی انما عدل عن تعبیر رؤیاهما الی اظهار المعجزة لانه علم ان احدهماسیصلب فاراد ان یدخله فی الاسلام و یخلِّصه	حضرت یوسف علیہ السلام ان کے سامنے اس درجہ علم سے بلند درجہ کو بیان کرنا چاہتے تھے جس کا انہیں آپ کی نسبت اعتقاد تھا۔ کیونکہ انہوں نے آپ سے علم تعبیر کا مطالبہ کیا تھا اور اس میں شک نہیں یہ علم ظن اور اندازے پر مبنی ہے سو آپ نے چاہا کہ انہیں اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ آپ غیب کی قطعی اور یقینی خبریں دینے کی استطاعت بھی رکھتے ہیں تو خوابوں کی تعبیر بطریق اولی بیان کر سکتے ہیں آپ نے اظہار معجزہ کی خاطر ان کی خوابوں کی تعبیر بتانے سے وقتی طور پر اقرار فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ایک کو سولی چڑھا دیا جائے گا سو آپ نے کفر اور آگ سے چھٹکارا دلا کر اسے اسلام میں داخل کرنا چاہا۔

من الکفر و دخول النار [۱]

امام خازنؒ اس کے بعد تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(الا نباتکم بتاویله) یعنی اخبرتکما بقدره ولونه والوقت الذی یصل الیکما فیه (قبل ان یاتیکما یعنی قبل ان یصل الیکما و ای طعام اکلتم و کم اکلتم و متی اکلتم [۲]	یعنی میں تمہیں اس کی مقدار اس کا رنگ اور پہنچنے کا وقت کھانا پہنچنے سے قبل ہی بتا دوں گا اور یہ کہ کونسا کھانا تم نے کب اور کتنا کھایا ہے تمہیں اس کی بھی خبر دوں گا۔

مذکورہ بالا تفاسیر سے واضح ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے دربار سے آنے والے کھانے کی تمام مخفی چیزوں کا علم تھا۔ یہ علم غیب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور معجزہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اطلاع علی الغیب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر اور رسول تھے آپ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ بھی کہا گیا ہے۔ قرآن مجید آپ کی شان یوں بیان فرماتا ہے۔

قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۝ [۳]	جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بیشک اللہ تمہیں اپنے پاس سے ایک کلمہ (خاص) کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا وہ دنیا اور آخرت (دونوں) میں قدر و منزلت والا ہو گا اور

---

[۱] لباب التاویل، ۳: ۱۹

[۲] لباب التاویل ۳: ۱۹

[۳] آل عمران، ۳: ۴۵

اللہ کے خاص قربت یافتہ بندوں میں
سے ہوگا

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار معجزات اور کمالات عطا فرمائے تھے۔ آپ کو بھی علوم غیبیہ عطا کیے گئے آپ کا مخفی چیزوں کی خبر دینا قرآن سے ثابت ہے۔

و أَنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [1]	اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں (وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں بیشک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے۔

۱۔ امام رازیؒ نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں درج ذیل دو قول نقل کیے ہیں۔

فی هذه الاية قولان (احدهما) انه عليه الصلوة والسلام كان من اول مرة يخبر عن الغيوب روى السدى انه كان يلعب مع الصبيان ثم يخبرهم بافعال آبائهم و امهاتم وكان يخبر الصبى بان امک قد خبات لک كذا فيرجع الصبى الى اصله و يبكى الى ان ياخذ فذلک الشى ثم قالوا لصبيانهم	اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ آپ نے پہلی مرتبہ غیبوں کی خبر اس وقت دی سدی نے روایت کیا ہے کہ آپ بچوں کے ساتھ کھیلتے پھر انہیں ان کے والدین کے افعال کی خبر دے دیتے آپ بچے کو خبر دیتے کہ اس کی ماں نے فلاں شے اس کے لیے فلاں جگہ چھپا کر رکھی ہے۔ بچہ گھر لوٹ آتا اور رو رو کر وہ شے حاصل کر لیتا۔ ان لوگوں نے بچوں سے کہا کہ وہ اس جادوگر کے ساتھ نہ کھیلا

[1] ال عمران ۳: ۴۹

لا تلعبوا مع هذا الساحر وجمعوهم فی بیت فجآء عیسی علیه السلام یطلبهم فقالوا لیسوا فی البیت فقال فمن فی هذا البیت قالوا خنازیر قال عیسی علیه السلام کذلک یکونون فاذاهم خنازیر(والقول الثانی) ان الاخبار عن الغیوب انما ظهر وقت نزول المائدة وذلک لان القوم نهوا عن الادخار فکانوا یخزنون و یدخرون فکان عیسی ن یخبرهم بذلک [1]

کریں۔ انہوں نے تمام بچوں کو ایک مکان میں جمع کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے بچوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ وہ اس مکان میں نہیں ہیں۔ آپ نے پوچھا تو پھر اس مکان میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا خنزیر ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ دیکھا تو وہ بچے خنزیر بن چکے تھے۔ **دوسرا قول** یہ ہے کہ آپ کا معجزہ اخبار غیب بوقت نزول مائدہ ظاہر ہوا۔ وہ ایسے کہ آپ کی قوم کو (مائدہ) کے جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے سے منع کیا گیا تھا اس کے باوجود وہ لوگ جمع کر لیتے تھے۔ حضرت عیسی علیہ السلام انہیں اس کی خبر دے دیتے۔

۲۔ امام خازنؒ آیہ مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

انبئکم یعنی و اخبر کم (بما تاکلون) ای ممالم اعاینه (وما تدخرون فی بیوتکم) ای وما ترفعونه فتخبؤنه فی بیوتکم لتاکلوه فیما بعد ذلک قیل

اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو کچھ تم کھا کر آئے ہو یعنی اس شے کے بارے میں بتاتا ہوں جسے میں نے دیکھا بھی نہیں اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتیاو ہو یعنی جو کچھ تم آئندہ کل کیلئے اٹھا کر

---

[1] التفسیر الکبیر ۸:۵۷

وكان عيسى عليه السلام يخبر الرجل بما أكل البارحة و بما يأكل اليوم و بما يدخره للعشاء[1]

جمع کرتے ہو کہا گیا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کسی شخص نے جو گزشتہ کل کھایا تھا اور جو آج کھائے گا اور جو رات کے کھانے کیلئے جمع کریگا سب کی خبر دے دیتے تھے۔

۳۔ امام ابن کثیرؒ اس آیہ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

اى اخبركم بما أكل احدكم الأن وما هو مدخر له فى بيته لغد[2]

میں تمہیں اس شے کی خبر دیتا ہوں جو تم میں سے کسی نے ابھی ابھی کھائی ہے اور اس شے کی بھی جو آئندہ کل کیلئے ذخیرہ کی ہے۔

مذکورہ بالا آیت اور تفسیری اقوال سے بخوبی ظاہر ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مطلع علی الغیب تھے اسی بنا پر آپ لوگوں کو امور غیبیہ کی خبریں دیتے اور انہیں بتاتے کہ انہوں نے گزشتہ کل کیا کھایا تھا آج کیا کھائیں گے اور آئندہ کل کیا کھائیں گے۔ اسی طرح آپ بچوں کو ان چیزوں کے بارے میں جو ان کی مائیں ان کیلئے گھروں میں چھپا کر رکھتیں بتا دیتے کہ وہ فلاں جگہ پڑی ہیں اور جب ماؤں نے بچوں کو چھپا دیا تو بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ اس مکان کے اندر بچے چھپائے گئے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام اور اطلاع علی الغیب

حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں بغیر نام کے مذکور ہے لیکن آپ کے نام ونسب اور نبوت وحیاتِ جاوداں کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور علماء میں سے

---

[1] لباب التاویل ۱: ۲۳۷ [2] تفسير القرآن العظيم ۱: ۳۶۵

کسی نے آپ کو نبی کہا ہے، کسی نے رسول، کسی نے فرشتہ اور کسی نے ولی و عارف باللہ قرار دیا ہے۔

امام ابو عبداللہ قرطبیؒ آیت کریمہ

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا ۱؎

تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر) کو پالیا

کے تحت لکھتے ہیں

والخضر نبی عند الجمهور و قيل هو عبد صالح غير نبی والآية تشهد بنبوته لان بواطن افعاله لا تكون الا بوحی و ايضاً فان الانسان لا يتعلم ولا يتبع الا من فوقه و ليس يجوز ان يكون فوق النبی من ليس بنبی ۲؎

جمہور کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے آپ اللہ کے نیک بندے غیر نبی تھے اور آیت آپ کی نبوت پر شاہد ہے کیونکہ بواطنِ افعال کا علم صرف وحی کے ذریعے ہی حاصل ہوسکتا ہے اور یہ کہ انسان اپنے سے فوق سے سیکھتا ہے اور اس کی پیروی کرتا ہے اور ایک نبی سے غیر نبی کا برتر ہونا جائز نہیں۔

امام قرطبیؒ نے آیہ کریمہ اٰتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا میں رحمت سے مراد نبوت لیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

الرحمة فی هذه الاية النبوة ۳؎

اس آیت میں رحمت سے مراد نبوت ہے۔

۱؎ الكهف ۱۸: ۶۵

۲؎ الجامع لاحكام القرآن ۱۱: ۱۶

۳؎ الجامع الاحكام القرآن ۱۱: ۱۶

امام سلیمان بن عمر العجیلیؒ اسی آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

واختلف فی الخضر أهو نبی او رسول أو ملک او ولی و الصحیح انه نبی[1]

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ نبی تھے رسول تھے فرشتہ تھے یا ولی تھے۔ صحیح یہی ہے کہ آپ نبی تھے۔

امام بیضاویؒ بھی حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہیں وہ ''اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

هی الوحی والنبوة[2]

رحمت سے مراد وحی اور نبوت ہے۔

اگر چہ دوسرے موقف پر بھی اقوال موجود ہیں مگر جمہور علماء میں زیادہ راجح قول آپ کی نبوت کا ہے۔ امام ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے قصص الانبیاء میں آپ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ سورۃ الکہف میں مذکور واقعہ کے سیاق سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نبی تھے۔ وہ آپ کی نبوت پر داخلی دلائل دینے کے بعد اپنا موقف تحریر کرتے ہیں

فدلت هذه الوجوه علی نبوته ولاینافی ذلک حصول ولایته[3]

یہ دلائل آپ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اور آپ کا نبی ہونا آپ کی ولایت کے منافی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو علوم و معارف اور اسرار و رموز کے بے بہا خزانوں سے نوازا تھا۔ قرآن مجید آپ کی شانِ علم کو یوں بیان فرماتا ہے۔

و علمناه من لدنا علماً[4]

اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی (یعنی اسرار و معارف کا الہامی علم) سکھایا تھا۔

---

1. الفتوحات الالهیه، ۳:۴۴
2. تفسیر انوار التنزیل، ۳:۲۹
3. قصص الانبیاء، ۴
4. الکهف، ۱۸:۶۵

مفسرین کرام نے اس آیہ کریمہ میں علم سے مراد علمِ غیب لیا ہے۔امام قرطبیؒ لکھتے ہیں۔

(و علمناه من لدنا علماً) ای علم الغیب [۱]	(اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی سکھایا تھا) یعنی علم غیب

امام بیضاویؒ اور امام عجیلیؒ لکھتے ہیں۔

ای مما یختص بنا ولا یعلم الا بتوفیقنا و ھو علم الغیوب [۲]	یعنی اس میں سے جو ہمارے ساتھ خاص ہے اور کوئی ہماری توفیق کے بغیر نہیں جان سکتا۔اور وہ غیوب کا علم ہے۔

امام محمد بن جریر طبریؒ نے اس حوالے سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنھما کا قول نقل کیا ہے۔

قال انک لن تسطیع معی صبرا و کان رجلا یعلم علم الغیب قد علم ذلک۔[۳]	حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسی علیہ السلام سے کہا آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے اور حضرت خضر علیہ السلام ایک مرد تھے جو غیب جانتے تھے انہیں یہ علم دیا گیا تھا۔

اسکے علاوہ علامہ ابن جوزیؒ، علامہ محمود آلوسیؒ، علامہ ابوحیان اندلسیؒ، علامہ شوکانیؒ، علامہ اسماعیل حقیؒ اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔

مذکورہ آیتِ کریمہ اور اس کے تحت دی گئی تفاسیر سے واضح ہے کہ علمِ غیب اللہ تعالٰی کا خاصہ ہے مگر وہ وہبی طور پر اپنے منتخب انبیاء و رسل کو بھی اس علم میں سے جتنا چاہتا ہے

---

[۱] الجامع لاحکام القرآن ' ۱۱: ۱٦

[۲] ۱. تفسیر انوار التنزیل '۳: ۲۹ ۲. الفتوحات الالھیہ '۳: ۳۵

[۳] جامع البیان ، ۱۵ : ۱۸۱

عطا فرما دیتا ہے۔ سیدنا خضر علیہ السلام بھی ان منتخب اور مامور من اللہ بندوں میں سے تھے جنہیں علم غیب سے نوازا گیا۔ آپ کا علم لدنی وہ علمِ خاص ہے جسے کوئی اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں جان سکتا' سورۃ الکہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا واقعہ آپ کے علم غیب پر مہر تصدیق وتوثیق ثبت کر دیتا ہے۔

حصہ دوم

علومِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت

رب کائنات قادر مطلق ہے۔ ارض و سماوات کا ذرہ ذرہ اسی کے قبضہ قدرت و تصرف میں ہے ہر مادی اور غیر مادی چیز اس کے حکم کی پابند و منقاد ہے۔ وہ تمام اختیارات و تصرفات کا بلا شرکت غیرے مالک و مختار ہے جو اس کی اپنی ذات کی طرح لامحدود ہیں۔ اس کی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ حضور ﷺ اس کے سب سے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ وجہ تخلیق کائنات مقصودِ کائنات اور روح کائنات ہیں۔ یعنی بقول فاضل بریلویؒ۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جاں ہے تو جہاں ہے

اور اس گلشنِ ہستی کی تمام رونقیں آپ ﷺ ہی کے دم قدم سے ہیں۔ بقولِ اقبالؒ

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

ذات خدا کے بعد کائنات کی سب سے بلند و بالا ہستی اس کے محبوب ﷺ کی ہے۔ جو بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کی مصداق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ ہی تمام انبیاء و رسل کے امام اور سردار ہیں۔ آپ ﷺ کو وہ درجات و کمالات ارزانی کیے گئے کہ جن کی رفعتوں کے بارے میں خود رب ذوالجلال کا فرمان ہے:

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ۝ [1] اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند فرما دیا۔

ربِ کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنی صفات کا مظہر کامل بنا کر دنیا میں بھیجا۔ کائنات میں حسن وزیبائی، جمال ورعنائی، خوبی وصفت اور فضائل وشمائل میں کوئی کمال ایسا نہیں جو خالقِ کائنات نے آپ ﷺ کو بدرجہ اتم عطا نہ کر دیا ہو۔ جہاں رنگ وبو میں جدھر نظر دوڑایئے حسن وجمال مصطفوی ﷺ جلوہ گستر دکھائی دیتا ہے۔ گویا بقول اقبالؒ

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو آن کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفیٰ او را بہاست یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

(اس رنگ وبو کی دنیا میں جہاں تک حسن کی جلوہ آرائیاں اور اس کی خاک میں آرزو کی کارفرمائیاں نظر آتی ہیں ان کی قدر وقیمت یا تو نور مصطفیٰ ﷺ کے دم سے ہے یا وہ ابھی اس نور کی تلاش میں سرگرداں ہے) دوسرے لفظوں میں

نکلے تیری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

کے مصداق تمام جستجوؤں اور آرزوؤں کا حاصل ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو علم وحکمت کے وہ خزانے عطا فرمائے کہ انبیاء علیہم السلام بھی آپ ﷺ کے در دولت پر دامنِ طلب دراز کئے ہوئے ہیں۔

امام بوصیریؒ عرض کرتے ہیں۔

كلهم من رسول الله ملتمس غرفاً من البحر او رشفاً من الديم

علوم مصطفےٰ ﷺ کی وسعتوں اور پہنائیوں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ لوح وقلم آپ ﷺ کے دستِ تصرف میں ہے اقبالؒ آپ کی شان میں رقم طراز ہے:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

---

[1] الانشرح، ۹۴: ۴

باب اول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلتِ کُلّی کا بیان

گزشتہ صفحات میں ہم قرآن کریم کی آیات بینات کی روشنی میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہونے کے ساتھ ساتھ فاتح الغیب بھی ہے۔ وہ اپنے دست قدرت سے اپنے برگزیدہ انبیاء ورسل پر غیب کے دروازے کھول دیتا ہے۔ بطور حوالہ ہم نے چند انبیاء کرام علیہم السلام کے مطلع علی الغیب ہونے کا ثبوت نص قرآنی سے فراہم کرتے ہوئے اس پر مفسرین کی تصریحات بھی بیان کی ہیں جب یہ بات نص قطعی سے ثابت ہے کہ نبی مطلع علی الغیب ہوتا ہے تو سید الانبیاء حضرت محمد مصطفے ﷺ کے بدرجہ اولی مطلع علی الغیب ہونے پر کوئی دو رائیں نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ آپ ﷺ بلا شک وریب تمام انبیاء ورسل سے افضل واعلیٰ ہیں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کی مصداق آپ ﷺ ہی کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔

حضور ﷺ کی فضیلت کلی پر قرآن کی شہادت

تمام حضرات انبیاء ورسل پر حضور ﷺ کی کلی فضیلت خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ	یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ [1]

بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیت دی (یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کو جملہ درجات میں سب پر بلندی عطا فرمائی)

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام انبیاء کرام اور رسلِ عظام علیہم السلام اصلاً نبی اور رسول ہونے میں برابر ہیں۔ گویا نفسِ نبوت اور نفسِ رسالت کے اعتبار سے کوئی فرق اور تفاوت نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات و مراتب اور فضائل و کمالات میں ضرور فرق رکھا ہے۔ ہر ایک کو کسی نہ کسی لحاظ سے دوسرے پر امتیاز بخشا گیا ہے۔ کسی کو ایک معجزہ عطا ہوا ہے اور کسی کو دوسرا۔ کسی کو براہِ راست مخاطبۂ الٰہی کی شان سے نوازا گیا ہے کسی کو کتاب کی فضیلت عطا کی گئی ہے کسی کو حوصلہ مندی اور مجاہدانہ زندگی میں یکتا کیا گیا ہے، کسی کو ہواؤں اور فضاؤں پر حکومت اور تصرف سے بہرہ ور کیا گیا ہے، کہیں حسنِ یوسفؑ ہے اور کہیں یدِ بیضاء ہے اور کہیں دمِ عیسےٰؑ۔

الغرض اس امر پر تمام امت کا ہمیشہ اجماع رہا ہے کہ یہ ساری فضیلتیں، فوقیتیں اور امتیازات جزوی ہیں۔ مگر حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو جسے وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ کی اعلیٰ شان سے نوازا گیا ہے کلی فضیلت عطا کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کی تمام انبیاء اور رسولوں پر فضیلت کے دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ جو کمال اور فضیلت جس نبی اور رسول کو بھی اس کے زمانے میں عطا کی گئی اس سے حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کو بھی ضرور نوازا گیا ہے۔ اس لحاظ سے تمام انبیاء و رسلؑ کے جملہ کمالات و معجزات اور فضائل و شمائل تنہا حضور ﷺ کی

---

[1] البقرہ، ۲: ۲۵۳

ذاتِ گرامی میں جمع ہیں اور آپ جامع کمالاتِ انبیاء ہیں۔

تمام انبیاء ورسل کے جملہ کمالات کا مبدأ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ

آپ ﷺ کی ہمہ جہت اور ہمہ پہلو شخصیت جس جامعیت اور افضلیت کا مرقع ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

حسنِ یوسفؑ دم عیسیٰؑ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(اے محبوب ﷺ آپ کی ذات تن تنہا تمام خوبیوں کی جامع ہے کہ حسن یوسفیؑ اعجازِ عیسویؑ اور کمالاتِ موسویؑ تمام کے تمام آپ کے اندر سمو دیئے گئے ہیں)

دوسرے یہ کہ ہر کمال اور فضیلت حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس میں اپنے درجہ ورتبہ کے اعتبار سے اس نبی اور رسول سے بھی بڑھ کر ہے جس میں وہ پہلے موجود تھی۔ بنا بریں آپ ﷺ درجاتِ نبوت اور مراتب رسالت میں بھی سب سے بلند و برتر ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی تمام انبیاء ورسل کے جملہ فضائل وکمالات کا مبدأ اور سرچشمہ ہے کیونکہ ان کی ارواح نے بھی روحِ محمدی ﷺ سے ہی فیض پایا ہے اور ان کی نبوتوں کے تمام فضائل ومراتب بھی نبوت محمدی ﷺ کے فیضان سے وجود میں آئے ہیں۔ اکتسابِ فیض کا یہ سلسلہ ان کے عالمِ آب وگِل میں ظہور سے بھی بہت پہلے عالمِ ارواح میں ''میثاق النبیین'' کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا۔ کئی احادیث سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ امام قسطلانیؒ نے المواہب میں ملا علی قاریؒ نے شرح الشفاء میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے التفہیمات میں امام نبہانیؒ نے جواہر البحار میں علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے ''العرف الشذی'' میں اور اسی طرح بہت سے ائمہ ومحدثین اور عرفاء وعلماء نے اس امر کی تصریح کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کلی پر احادیث نبویہ کی شہادت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء کرامؑ پر مطلق اور کلی فضیلت کے حوالے سے بے شمار احادیث جمع ہیں۔ ہم ان میں سے نمونے کے طور پر صرف چند احادیث یہاں بیان کرتے ہیں تا کہ مقصود کی وضاحت ہو جائے۔

حدیث نمبر ا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہی تھی کہ آپ باہر تشریف لائے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک ہوئے تو آپ نے سنا کہ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا کہ یہ زیادہ عجیب بات نہیں؟ کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور اس کی روح ہیں ایک نے کہا کہ آدمؑ اللہ تعالیٰ کے صفی اور برگزیدہ ہیں تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے آئے اور سلام کیا اور فرمایا:

قد سمعت کلامکم و عجبکم ان ابراهیم خلیل الله و هو کذالک و موسی نجی الله و هو کذالک و عیسی روح الله وکلمته و هو کذالک و ادم اصطفاه الله و هو کذالک' ألا و أنا حبیب الله ولا فخر و أنا	میں نے تمہاری باتیں اور کلمات تعجب سنے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا وہ اسی کے لائق تھے اور موسیٰؑ کو بھی نجی اللہ کیا وہ اسی کے لائق تھے اور آدمؑ کو اپنا برگزیدہ بنایا وہ اسی کے لائق تھے اور عیسیٰ کو روح اللہ بنایا وہ اسی کے لائق تھے۔ مگر یہ بھی جان لو کہ میں اللہ کا

حامل لواء الحمد يوم القيامة ولا فخر و انا اول شافع و اول مشفّع يوم القيامة ولا فخر و أنا اول من يحرّک حِلَقَ الجنة فيفتح الله لی فيدخلنيها و معی فقرآء المومنين ولا فخر و انا اکرم الاولين والآخرين ولا فخر [۱]	حبیب ہوں یہ فخر سے نہیں کہتا اور روزِ قیامت حمدِ الٰہی کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا یہ بھی فخر سے نہیں کہتا اور میں پہلا شفاعت کرنے والا اور پہلا مقبول الشفاعت ہوں اس پر بھی فخر نہیں اور میں پہلا شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور اللہ تعالیٰ میرے لیے دروازہ جنت کھولے گا پھر مجھے داخل کرے گا درانحالیکہ میرے ساتھ مسلمان فقراء کی ایک جماعت ہوگی اس پر بھی فخر نہیں اور میں اکرم الاولین والآخرین ہوں مجھے اس پر بھی فخر نہیں'

حدیث نمبر۲

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولهم خروجا اذا بعثوا و انا قائدهم اذا و فدوا و انا خطيبهم اذا انصتوا و انا مستشفعهم اذا	"جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے باہر آؤں گا اور جب سب لوگ بارگاہ ایزدی میں

[۱] ۱. جامع الترمذی' ۲: ۲۰۲' کتاب المناقب، باب فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقم ۳۶۱۶

۲. سنن الدارمی' ۱: ۳۰'رقم:۴۸

۳. شرح السنه' ۱۳: ۱۹۸'رقم: ۳۶۱۷

۴. شرح السنه' ۱۳: ۲۰۴'رقم: ۳۶۲۵

۵. الشفاء بتعريف حقوق المصطفی' ۱: ۱۳۰

حبسوا وانا مبشرهم اذا ایسو الکرامة و المفاتیح یومئذ بیدی ولواء الحمد یومئذ بیدی و انا اکرم ولد ادم علی ربی یطوف علی الف خادم کانهم بیض مکنون او لؤلوء منثور۔ [1]

اکٹھے ہوں گے تو میں ہی ان کا پیشوا ہوں گا۔ اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے اور جب کوئی کلام نہ کر سکے گا تو میں ہی ان کی شفاعت کروں گا۔ اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا جب وہ مایوس ہو جائیں گے اس دن بزرگی اور رحمت کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور میرے ہی ہاتھ میں حمد الٰہی کا جھنڈا ہوگا اور میں ہی اپنے رب کے حضور تمام اولادِ آدم میں سب سے زیادہ مکرم اور بزرگ ہوں میرے گرد ایک ہزار خدام طواف کر رہے ہوں گے اور (گردو غبار سے محفوظ) سفید (خوبصورت) انڈے یا بکھرے ہوئے موتی لگ رہے ہوں گے۔

---

[1] ۱. جامع الترمذی، ۱ : ۲۰۱، کتاب المناقب باب فضل النبی ﷺ، رقم: ۳۶۱۰

۲. سنن الدارمی، ۱ : ۳۰

۳. شرح السنہ، ۱۳ : ۲۰۳، رقم: ۳۶۲۴

۴. دلائل النبوۃ، ۵ : ۴۸۴

۵. الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، ۱ : ۱۲۷

حدیث نمبر۳

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

اکسی حلة من حلل الجنة ثم اقوم عن یمین العرش لیس احد من الخلائق یقوم ذلک المقام غیری. ۱	جنتی لباس میں سے مجھے ایک جوڑا پہنایا جائے گا پھر عرش کے داہنی جانب کھڑا ہوں گا میرے سوا کوئی اس جگہ کبھی کھڑا نہ ہوا ہوگا۔

حدیث نمبر۴

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انا سید ولد ادم ولا فخر و انا اول من تنشق الارض عنه یوم القیامة ولا فخر و انااول شافع و اول مشفّع ولا فخر ولواء الحمد بیدی یوم القیامة ولا فخر۔ ۲	میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس کی سب سے پہلے قبر کھلے گی اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور پہلا مقبول الشفاعت ہوں گا اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا اور میں ہی وہ شخص ہوں جس کے ہاتھ میں روزِ قیامت حمد کا جھنڈا ہوگا اور میں یہ بات بطور فخر

---

۱ الشفاء بتعریف حقوق المصطفی" ۱: ۱۲۸

۲ ۱۔سنن ابن ماجه: ۳۲۹، کتاب الزهد، باب الشفاعة، رقم ۴۳۰
۲۔مسند احمد بن حنبل، ۲: ۵۴۰، ۳: ۲
۳۔صحیح ابن حبان، ۱۴: ۳۹۸، رقم: ۴۶۷۸

نہیں کہہ رہا (بلکہ بیانِ واقعہ مقصود ہے)

حضرت ابوذرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے روائتیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں مرحمت فرمائی گئی ہیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ چھ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں فرمائی گئیں۔

حدیث نمبر ۵

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بجوامع الكلم و نصرت بالرعب و بينا أنا نائم رايتني بمفاتيح خزائن الارض فوضعت في يدي۔ [1]

میں جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں اور رعب کے ساتھ مدد کیا گیا ہوں، اور میں نیند میں دیکھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں اور وہ میرے ہاتھ میں تھما دی گئی ہیں۔

---

[1] ۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۱۰۸۰، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، رقم الحدیث: ۶۸۴۵

۲. صحیح البخاری، ۱: ۴۱۸، کتاب الجهاد، رقم الحدیث: ۲۸۱۵

۳. صحیح البخاری، ۲: ۱۰۳۶. کتاب التعبیر، رقم الحدیث: ۶۵۹۷

۴. صحیح البخاری، ۲: ۱۰۳۸. کتاب التعبیر، رقم الحدیث: ۵۲۳

۵. صحیح مسلم، ۱: ۱۹۹، کتاب المساجد، رقم الحدیث: ۵۲۳

۶. سنن النسائی، ۲: ۵۲، کتاب الجهاد، رقم الحدیث: ۳۰۸۷، ۳۰۸۹

۷. مسند احمد بن حنبل، ۲: ۲۶۴، ۴۵۵، ۵۰۱، ۵۰۲

حدیث نمبر ۶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض طهورا و مسجدا و ارسلت الی الخلق کافة و ختم بی النبیون[۱]

مجھے دیگر انبیاء پر چھ چیزوں کے باعث فضیلت دی گئی ہے میں جوامع الکلم سے نوازا گیا ہوں اور رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے اور میرے لئے اموالِ غنیمت حلال کیے گئے ہیں اور میرے لئے (ساری) زمین پاک کر دی گئی اور سجدہ گاہ بنا دی گئی ہے اور میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

---

[۱] ۱. صحیح مسلم، ۱: ۱۹۹، کتاب المساجد، رقم: ۵۲۳
۲. جامع الترمذی، ۱: ۱۸۸، کتاب السیر باب الغنیمه، رقم الحدیث: ۵۲۳
۳. مسند احمد بن حنبل، ۲: ۴۱۲
۴. السنن الکبری، ۲: ۴۳۲
۵. السنن الکبری، ۹: ۵
۶. مشکل الآثار، ۱: ۴۵۱
۷. مسند ابی عوانه، ۱: ۳۹۵
۸. صیحح ابن حبان، ۶: ۸۷، رقم الحدیث: ۲۳۱۳
۹. صحیح ابن حبان، ۱۴: ۳۱۲، رقم الحدیث: ۶۴۰۱، ۶۴۰۳
۱۰. شرح السنه، ۱۳: ۱۹۸، رقم الحدیث: ۳۶۱۷
۱۱. کنز العمال، ۱۱: ۴۱۲، رقم الحدیث: ۳۲۹۳۲

حدیث نمبر ۷

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اعطیت خمسا لم یعطهن احد قبلی نصرت بالرعب مسیرة شهر وجعلت لی الارض مسجدا و طهورا فایما رجل من امتی ادرکته الصلاة فلیصل واحلت لی المغانم ولم تحل لاحد قبلی و اعطیت الشفاعة وکان النبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس عامة[۱]

مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہ ملیں' ایک ماہ کی مسافت سے (دشمن پر) رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی' میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا' میری امت میں سے جس شخص پر نماز کا وقت آجائے وہ وہیں پڑھ لے۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی پیغمبر پر حلال نہ تھا' مجھے شفاعت کرنے کی

---

۱ ۱۔صحیح البخاری' ۱: ۴۸' کتاب التیمم' رقم الحدیث: ۳۲۸)
۲۔ صحیح مسلم' ۱: ۱۹۹' کتاب المساجد' رقم الحدیث: ۵۲۱
۳۔ مسند احمد بن حنبل' ۴: ۴۱۶
۴۔ مصنف ابن ابی شیبة' ۱۱: ۴۳۲' ۴۳۳' رقم الحدیث: ۱۱۲۸۸' ۱۱۲۸۹
۵۔ السنن الکبری' ۲: ۴۴
۶۔مسند الحمیدی' ۲: ۴۲۱' رقم الحدیث: ۹۴۵
۷۔مشکل الآثار' ۱: ۴۵۰
۸۔شرح السنه' ۱۳: ۱۹۲' رقم الحدیث: ۳۶۱۶
۹۔حلیة الاولیاء' ۸: ۳۱۶
۱۰۔ کنز العمال' ۱۱: ۴۲' رقم الحدیث: ۳۱۹۳۰' ۱۱: ۴۳۷' ۴۳۸' رقم الحدیث: ۳۲۰۵۸' ۳۲۰۶۵

اجازت دی گئی اور ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

امام مسلم کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

بعثت الی کل احمر و اسو د — میں ہر سرخ و سفید کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

بعثت انا الی الجن و الانس — میں تمام جن وانس کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

حدیث نمبر ۸

حضرت ابن وہبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قال اللہ تعالیٰ سل یا محمد فقلت: ما اسأل یا رب؟ اتخذت ابراھیم خلیلا' وکلمت موسی تکلیما' و اصطفیت نوحاً و اعطیت سلیمان ملکا لا ینبغی لأحدٍ من م بعده' فقال اللہ تعالیٰ مااعطیتک خیر من ذلک اعطیتک الکوثر وجعلت اسمک مع اسمی ینادی به فی جوف السماء و جعلت الارض

باری تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا۔ اے حبیب! جو چاہو مجھ سے مانگو۔ میں عرض گزار ہوا کہ اے رب! مانگوں تو کیا مانگوں جبکہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا' حضرت نوح علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی حکومت عطا فرمائی جو ان کے بعد کسی کو مرحمت نہیں فرمائی جائے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔ اے حبیب! میں نے جو تمہیں مرحمت

طهورا لک ولامتک و غفرت لک ما تقدم من ذنبک و ما تأخر فانت تمشی فی الناس مغفورا لک ولم اصنع ذلک لاحد قبلک و جعلت قلوب امتک مصاحفها و خبأت لک شفاعتک ولم اخبأها لنبی غیرک۔ [1]

فرمایا ہے وہ ان سب سے بہتر ہے میں نے تمہیں کوثر عطا کیا اور تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا جس کی منادی فضاؤں میں سنی جاتی ہے اور زمین کو تمہارے لیے اور تمہاری امت کے لیے پاک قرار دیا اور تمہاری خاطر تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دیئے اور تمہیں بخشوانے والا بنایا اور قبل ازیں میں نے ایسا کسی کے ساتھ نہیں کیا اور تمہاری امت کے دلوں کو صحیفے بنایا اور حق شفاعت کو تمہارے لیے اٹھا رکھا تھا جبکہ یہ حق کسی دوسرے نبی کے لیے نہیں رکھا گیا۔

حدیث نمبر ۹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من الانبیاء نبی الا اعطی من الآیات ما مثله اومن او امن علیه البشر و انما کان الذی اوتیت وحیا اوحاه الله الی فارجو انی اکثرهم تابعاً

ہر نبی کو اتنے ہی معجزے عطا ہوئے جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن مجھے جو معجزہ عطا ہوا ہے وہ وحی (قرآن کریم) ہے۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میرے پیروکار تمام

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' ۱: ۱۰۱

انبیاءؑ سے زیادہ ہوں گے۔ [1] یوم القیامة.

محققین حضرات کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک دنیا باقی ہے اس وقت تک آپ کا یہ معجزہ بھی رہے گا۔ دیگر انبیائے کرامؑ کے معجزے وقتی تھے بعد میں ان کی کوئی نشانی بھی نظر نہیں آئی۔ صرف اسی وقت کے لوگوں نے انہیں دیکھا لیکن قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک موجود رہیگا اور ہر کوئی اس کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ یہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کی طرح محض ایک خبر ہوکر نہیں رہ گیا کہ بعد میں آنے والے اسے ایک واقعہ سمجھ کر دہراتے رہیں بلکہ اس کی شان بے مثال تو بقولِ اقبال یہ ہے:

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمتِ او لا یزال است و قدیم

(قرآن حکیم وہ ہمیشہ رہنے والی زندہ کتاب ہے جس کی حکمت کو زوال نہیں اور وہ قدیم یعنی ازل سے ابد تک رہنے والی ہے)۔

ماحصل کلام

ماحصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرامؑ کو ان کی شانِ نبوت کے مطابق مختلف درجات وکمالات سے نوازا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کے درجات وکمالات جہاں اپنی انتہا کو پہنچتے ہیں وہاں سے سید المرسلین ﷺ کے درجات وکمالات کی ابتداء ہوتی ہے۔ بلاشبہ یہی عالم حضور ﷺ کی شانِ علم غیب کا ہے کہ جس جگہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے علومِ غیبیہ کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں وہاں سے سید عالم فخر الرسل حضرت محمد ﷺ کے علوم غیبیہ کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں اور وہ کہاں ختم ہوتی ہیں اس کا علم خدائے خبیر وعلیم کے سوا کسی کو نہیں لیکن یہ ملحوظ خاطر رہے کہ آپ ﷺ کی یہ شان علم غیب سراسر عطائی ہے ذاتی نہیں اور یہ شان عطا کرنے والا اس کائنات کا خالق ہے جس کی عطاء غیر محدود اور غیر مجذوذ ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، ۲: ۱۰۸۰، کتاب الاعتصام

باب دوم

معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
کی
شانِ اُمیّت

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب کے سوا کسی سے کچھ نہ پڑھنا اور سیکھنا)

حضور ﷺ شہرِ علم ہیں اور تمام علوم معلمِ اعظم ﷺ کے قدموں کی خیرات لے کر ارتقاء کی بلندیوں پر روشنی بکھیر رہے ہیں۔ وہ روشنی، روشنی ہی نہیں جو آفتاب رسالت ﷺ کے وجود مسعود سے اکتساب شعور نہ کرے۔ وہ علم، علم ہی نہیں جو دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ کی دریوزہ گری سے کسبِ نور نہ کرے۔ وہ دانش، دانش ہی نہیں جو لبِ اقدس پر علم، حکمت اور دانائی کی خوشبوئے لازوال سے مشامِ جاں کو معطر نہ کرے، اس لئے کہ علم، حکمت اور دانائی کا سرچشمہ نقوشِ کف پائے محمد ﷺ سے پھوٹتا ہے۔ ربِ کائنات نے اپنے آخری آسمانی صحیفے قرآن مجید فرقان حمید میں رسول اول و آخر ﷺ کے جن معجزات کے تذکارِ جمیلہ سے ہم غلاموں کے قصرِ ایمان میں چراغاں کیا ہے ان میں سرکارِ کون و مکاں ﷺ کا شانِ امیت سے مزین ہونا بھی ہے۔ امی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی استاد سے آپ ﷺ نے پڑھا اور نہ کسی اور انسانی ذریعے سے ہی سیکھا۔ اس کے باوجود ساری انسانیت میں علوم وفن اور افکار ونظریات کے خزانے بانٹے، اس لئے تحریکِ اسلامی کو فروغِ علم کی تحریک سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ خاکِ دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ سے علم کی روشنی کا ظہور، حضور ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے اور اس معجزے کا تسلسل ہی تہذیبِ انسانی کے ارتقاء اور علومِ جدیدہ اور جدید ترٹیکنالوجی کے مختلف مظاہر کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اُمی کے لغوی اور اصطلاحی معنی

امی کا لفظ ام سے نکلا ہے اور ام عربی زبان و ادب میں دو معنوں میں مستعمل ہے:

۱۔ اصل اور جڑ

۲۔ ماں

اُمّ بمعنی اصل

اگر لفظ اُمّ اصل کے معنوں میں مستعمل ہو تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات جو اپنی اصل پر قائم ہوا سے اُمّی کہا جائے گا۔ اصل اور جز وہ فطرت ہے جس پر ربّ کائنات انسان کو تخلیق کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فِطْرَةَ اللهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا.[۱]

اللہ کی اس فطرت پر جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا (قائم رہ)۔

ارشاد مصطفیٰ ﷺ ہے:

ما من مولود إلا يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه.[۲]

ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

گویا ہر بچہ خواہ وہ کسی یہودی کے ہاں پیدا ہو یا نصرانی کے ہاں، کسی مسلمان گھرانے میں اُس کی وِلادت ہو یا کسی ہندو کے گھر میں آنکھ کھولے، ابتداء اللہ تعالیٰ کی توحید اور معرفت اُس کے من میں موجود ہوگی۔ جب وہ دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو سب سے پہلے اپنے گھر کے ماحول سے اثر قبول کرتا ہے۔ اگر اُس کے والدین ہندو ہوں گے تو وہ بھی ہندو بنے گا، اگر یہودی ہوں گے تو بچہ بھی یہودی بنے گا۔

مذہب سے وابستگی عموماً اسے والدین کی طرف سے منتقل ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ کے بچپن سے لے کر لڑکپن تک کا مطالعہ کریں تو اس خوشگوار حیرت کا انکشاف ہوتا ہے کہ

---

[۱] روم، ۳۰:۳۵

[۲] صحیح البخاری، ۱: ۱۸۱ کتاب الجنائز

آپ ﷺ نے قریش کے مذہبی اُفکار و نظریات سے کوئی اثر قبول نہ کیا۔ اپنے زمانے کی سماجی قدریں اور خارجی ماحول جو صنم تراشی اور صنم پرستی سے عبارت تھا سے قطعاً متاثر نہ ہوئے اور ایک بچے کی جو اصل فطرت ہوتی ہے وہ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس میں کسی شکست و ریخت کا شکار ہوئے بغیر محفوظ رہی۔ آپ نے اپنی حیاتِ مقدسہ کے ابتدائی چالیس سال ایک ایسے ماحول میں گزارے جہاں سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش ہوتی تھی۔ حرم کعبہ ۳۶۰ بتوں کا معبد تھا جنہیں لوگ اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارتے تھے۔ اَخلاقی قدروں کا جنازہ نکل چکا تھا۔ اس کرہ ارضی پر آباد انسانی معاشرے حیوانی معاشروں کے بہت قریب پہنچ چکے تھے۔ کوئی اصول تھا اور نہ کوئی ضابطہ۔ بات بات پر تلواریں نیام سے باہر آ جاتیں، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوتا۔ قبائلی عصبیت انتقام در انتقام کے روپ میں ڈھل کر اوراقِ زندگی پر انسانی لہو کی ارزانی کی علامت بن جاتی۔ جھوٹ، دغا، منافقت، دجل اور فریب نے زمین پر محیط طویل شبِ زندگی کے اندھیروں کو کچھ اور بھی گہرا کر دیا تھا۔ شرک اور کفر کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں حضور ﷺ کا بچپن اور لڑکپن گزرا۔ اسی اندوہناک ماحول کے پس منظر میں آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے شادی کی۔ کردار کی مضبوطی کا یہ عالم تھا کہ یقین کی شمع آپ کے قول و عمل میں ہمیشہ فروزاں رہی۔ آپ ﷺ کا دامنِ عصمت ہوائے شہر میں بداخلاقی کے چھینٹوں سے کبھی داغدار نہ ہو سکا۔ اعلانِ بعثت کے وقت کردار کی اسی خوشبو اور شخصیت کی اسی روشنی کو نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا یعنی حضور ﷺ اپنی فطرت پر اسی طرح پاک اور صاف رہے جس فطرت پر رب کائنات نے آپ ﷺ کی تخلیق مکمل کی تھی۔ استحصال اور ظلم پر مبنی اس بے روح معاشرے میں زندگی کی چالیس بہاریں دیکھ چکنے کے بعد بھی حضور ﷺ کی امیت اور اصلیت اپنی فطرت پر قائم رہی۔

اُمّ بمعنی ماں

لفظ ''اُمّ'' اگر بمعنی ماں مستعمل ہو تو اس لحاظ سے اُمّی کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ہستی جو اپنی ساری زندگی گزار کر بھی اُسی حالت میں ہو جس حالت میں ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ دو بنیادی خوبیوں کا حامل ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ برائی' گناہ اور آلائش سے پاک ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ تمام اِکتسابی علوم سے بھی منزہ ہوتا ہے' اس لئے کہ اکتساب کا تعلق پیدائش انسانی کے بعد شروع ہوتا ہے اور جب انسان سیکھنے کے عمل کا آغاز کرتا ہے تو اچھائی اور برائی دونوں کے اس کی سیرت کا جزو بننے کا امکان ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں رب کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کو اس لئے اُمّی قرار دیا کہ آپ ﷺ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزار کر بھی اسی طرح معصوم تھے جیسے اپنی پیدائش کے وقت .... ماحول کی گندگی کا ہلکا سا دھبہ بھی آپ ﷺ کے دامنِ روز و شب کو داغدار نہ کر سکا۔ آپ ﷺ کی اسی ظاہری و باطنی طہارت اور پاکیزگی کی بناء پر قرآن مجید نے آپ کو ''اَلنَّبِیُّ الْاُمِّیّ'' کے لقب سے یاد کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ۔[1]

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں)

---

[1] الاعراف' ۷:۱۵۷

دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ [1] سو تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ جو شان امیت کا حامل نبی ہے۔

آیاتِ مذکورہ سے واضح ہے کہ حضورﷺ امی نبی ہیں' اس لئے کہ انہوں نے سوائے اپنے رب کے کسی سے کچھ پڑھا اور نہ کچھ سیکھا۔ حضورﷺ کا علم عطائی ہے' اکتسابی نہیں اور یہ علم حضورﷺ کو عطا کرنے والا ان کا پروردگار ہے جو کل جہانوں کا پالنے والا اور ہر مخلوق کا خالق ہے' جس کی قدرت مطلقہ کائنات کے ذرے ذرے پر محیط ہے۔

اُمیّ کہنے کی حکمتیں

حضورﷺ کی شان امیت بھی آپﷺ کا معجزہ قرار پاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے جب آپﷺ کو امی کہا تو یقیناً اس میں ہزارہا حکمتیں پوشیدہ ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہر حکمت اور ہر دانش کا سرچشمہ ہے' اس لئے حضورﷺ کو امی کہنا بھی خالی از حکمت نہیں ہو سکتا۔

پہلی حکمت

بعثت کے وقت تاجدار کائناتﷺ کسی کتاب کو پڑھنا جانتے تھے اور نہ آپﷺ نے اپنے دست اقدس سے لکھنا سیکھا تھا۔ اس وصف سے باری تعالیٰ نے آپﷺ کی ذاتِ اقدس کو کیوں مزین کیا؟ اس کا جواب قرآن یوں دیتا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ ور (آخران لوگوں کے شبہ میں پڑنے کی

---

[1] الاعراف ۷:۱۵۸

كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ O [1]

وجہ ہی کیا ہے) آپ نہ تو اس (قرآن کے اترنے) سے قبل کوئی کتاب (ہی) پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے (کیونکہ) اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شبہ میں پڑ جاتے (لیکن جب یہ دونوں باتیں نہیں پھر تو یہ ان کی حق ناشناسی' ہٹ دھرمی ہے)

گویا معلم اعظم حضور رحمت عالم ﷺ کو امی قرار دینے کی پہلی حکمت یہ تھی کہ اگر آپ نے کسی استاد سے کچھ پڑھا ہوتا' کسی مکتب میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہوتی' لکھنا سیکھا ہوتا اور اس کے بعد آپ ﷺ کو منصب رسالت پر جلوہ افروز کیا جاتا اور آپ احکام الٰہی بیان کرتے تو شک کرنے والے حاسدین اور معاندین یہ تہمت عائد کرتے کہ یہ احکام منجانب اللہ نہیں یہ وحی الٰہی نہیں بلکہ حضور ﷺ یہ بات فلاں کتاب سے پڑھ کر یا فلاں استاد سے سیکھ کر بیان کر رہے ہیں۔ یوں انہیں شان نبوت میں تنقیص کا موقع مل جاتا اور وہ تحریک اسلامی اور اس کے عظیم قائد کے خلاف اپنا پروپیگنڈہ تیز کر دیتے۔ یہ نکتہ تحریک اسلامی کی قیادت کی کردارکشی کی مہم میں خوب خوب اچھالا جاتا اور نبوت کی صداقت اور حقانیت پر مسلمانوں کے اعتماد کو متزلزل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ اللہ رب العزت نے منصب نبوت کو اس اتہام سے بچانے کیلئے اور تمام کسبی علوم سے اکتساب کے امکان کو رد کرتے ہوئے حضور ﷺ کی چالیس سالہ حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ ان کے سامنے رکھا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ

بے شک میں اس (قرآن کے اترنے)

---

[1] العنکبوت' ۲۹: ۴۸

أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○ ۱؎ | سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کرچکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

ایک اُمی ہوکر علم و حکمت اور دانائی کی اقلیم کا تاجدار ہونا اور غیب کی خبریں دینا بذاتِ خود ایک معجزہ ہے۔ قرآن میں جن سائنسی حقائق کا انکشاف کیا گیا ہے انہیں دیکھ کر غیر مسلم سائنسدان بھی قران کو الہامی کتاب اور صاحب قرآن کو اللہ کا برحق رسول تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ جن سائنسی حقائق کا انکشاف قرآن نے کیا' آج سے چودہ سو سال قبل ان کا علم سوائے وحی الٰہی کے کسی اور ذریعے سے ممکن ہی نہیں تھا۔ مثلاً تخلیق انسانی کے بارے میں جو کچھ قرآن نے کہا اس کے توثیق آج کی سائنس بھی کررہی ہے' اس لئے آج سے چودہ سو سال قبل کے انسان کے ایمان کی پختگی کے لئے ضروری تھا کہ حضور ﷺ امی ہوتے' آپ ﷺ کا امی ہوکر ان سائنسی حقائق کا انکشاف کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رب محمد! ﷺ انہیں وحی کے ذریعہ ان حقائق سے آگاہ کرتا رہا ہے۔

دُوسری حکمت

اِکتسابی اور وہبی علم میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اکتسابی علم کو دہرانے سے الفاظ ادھر ادھر ہوجاتے ہیں حتی کہ بعض اوقات مفہوم میں بھی تھوڑا بہت فرق آجاتا ہے لیکن وہبی علم میں ایسا ممکن نہیں ہوتا۔ بار بار دہرانے سے بھی ایک لفظ ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آیات قرآنی میں کسی لفظی تبدیلی کا امکان ہی نہیں۔ پوری دنیا کے حفاظ جن کی زبانیں مختلف' ثقافتیں الگ' رہن سہن کے طریقے جدا لیکن جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو اس میں

۱؎ یونس' ۱۰: ۱۶

زیر زبر کا بھی فرق نہیں ہوتا۔ آقائے دو جہاں ﷺ پر قرآن بذریعہ وحی نازل ہوا۔ حضور ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں سالہا سال سینکڑوں بار ان آیات کو دہرایا لیکن ایک لفظ تو کجا ایک حرف بھی کبھی تبدیل نہ ہوا۔ حضور ﷺ نے کبھی ان آیات مقدسہ کو حفاظ کی طرح از بر نہیں کیا بلکہ یہ آیات اپنی صحت لفظی کے ساتھ خود بخود زبان اقدس پر جاری ہو جاتیں۔ حضور ﷺ کے اس دائمی معجزے کا فیض قیامت تک جاری رہے گا' اس لئے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو النبی الامی کی شان کے ساتھ مبعوث کر کے آپ کے سینہ اقدس کو اکتسابی علم کی ہر آلائش سے پاک کر دیا تھا۔ قرآن اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰیٓ ○ [1]

(اے حبیب مکرم ﷺ) ہم آپ کو خود (ایسا) پڑھائیں گے کہ آپ (کبھی) نہ بھولیں گے۔

فرمایا کہ اے محبوب ﷺ! ہم آپ کو امی بنا کر پڑھائیں گے تو آپ قیامت تک ایک حرف بھی نہیں بھول پائیں گے اور نہ آیات ربانی کا ایک لفظ ہی ادھر ادھر ہو سکے گا۔ قیامت تک قرآن امت کے سینوں میں محفوظ رہے گا۔ یہ حضور ﷺ کے امی ہونے کا ہی فیض ہے کہ آج قرآن پاک کو بچے بھی حفظ کرتے ہیں اور بڑے بھی لیکن ایک حرف کا بھی فرق نہیں آیا۔ آپ ﷺ کو امی بنانے میں ایک حکمت یہ بھی کارفرما تھی کہ ہر زمانے میں فیض مصطفوی ﷺ میں دوام اور یکسانیت رہے اور یوں وقت اور مقام بدل جانے سے آیات مقدسہ میں تحریف کے ہر امکان کو قیامت تک کے لئے ختم کر دیا گیا۔

---

[1] الاعلیٰ ۸۷:۶

تیسری حکمت:

یقینِ کامل ایمان کی بنیاد ہے اور یقین کامل عموماً اکتسابی علم کی نہیں وہبی علم کی عطا ہے۔ اس میں نقص یا غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ چونکہ حضور ﷺ کا علم وہبی تھا' آپ ﷺ نے خلقِ خدا میں ایمان کے ساتھ یقین کامل کی دولت بھی تقسیم کی اور اصحابِ رسول یقین کامل کی دولت سے بھی مستفید ہوئے۔ اسی یقین کامل نے عزم وعمل کے دروازوں پر دستک دی تو عظمت وشوکت کے راستے خود بخود مجاہدین اسلام کے قدموں کی پذیرائی کے لئے کھلتے رہے۔ حضور ﷺ کو امی قرار دینے کی تیسری حکمت اور اس میں کارفرما فلسفہ یہ تھا کہ وہبی علم کے مقابلے میں دینوی علم ظنی ہوتا ہے۔ اس میں گمان اور غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو دنیوی علوم اور کتابوں سے اس لئے بے نیاز کر دیا کہ غلطی' گمان اور نقص کا احتمال تک باقی نہ رہے۔ حضور ﷺ کے سینہ اقدس کو ظنی نہیں یقینی علم کا گنجینہ بنا دیا گیا۔ قرآن اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ۔ [1]

(وحی سے پہلے) نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کی (تفصیل) کیا ہے۔

رسول امی ﷺ کے علم کا منبع وسرچشمہ وحی الٰہی تھا دنیوی یا اکتسابی علم نہ تھا۔ وحی الٰہی میں جہاں غلطی' گمان یا نقص کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہوتا' وہاں اس کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم یقینی' حتمی اور قطعی بھی ہوتا ہے۔ غبارِ تشکیک اس علم کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے اور نہ ذہنِ انسانی اس میں اختراع کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ اکتسابی علوم وفنون کو حرف آخر ہونے کی سند عطا نہیں کی جا سکتی کیونکہ ان میں اصلاح وترمیم اور اضافہ کی

---

[1] شوریٰ' ۴۲: ۵۲

گنجائش ہر لحہ موجود رہتی ہے۔ اس کے برعکس وہبی علم ان اسقام سے پاک ہوتا ہے' اس لئے انبیاء اور مرسلین کے علاوہ کوئی فلاسفر یا دانشور یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کی نگارشات میں کسی غلطی کا امکان موجود نہیں۔ صرف انبیاء اور رسل ایسی ہستیاں ہیں جن کی زبانِ ترجمانِ حقیقت سے جو صادر ہوتا ہے اس میں قیامت تک اصلاح و ترمیم اور حذف و اضافہ ممکن نہیں۔ وہ حرفِ آخر ہوتا ہے اور قیامت تک اس میں کسی قسم کا کوئی ردو بدل نہیں کیا جا سکتا۔ حضور ﷺ کو امی کہا گیا تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کو پڑھانے والا اس کائنات کا رب ہے جو ہر قسم کے نقائص اور عیوب سے مبرا ہے' اس لئے حضور ﷺ کے ارشادات بھی ظنی علوم کے نقائص سے پاک اور مبرا ہیں۔

چوتھی حکمت

عربی گرائمر کی رو سے لفظِ نبی نَبَأ سے مشتق ہے۔ نَبَأ کا معنی غیب کی خبریں جاننا یا غیب کی خبریں ہے۔ اس اعتبار سے نبی اس شخص کو کہتے ہیں جو غیب کی خبریں یہ صرف جانتا ہو بلکہ لوگوں کو ان سے آگاہ بھی کرتا ہو۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ [1]

(اے محبوب ﷺ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔

جب نبی کی تعریف ہی یہ ہوئی کہ وہ نہ صرف خود غیب کی خبریں رکھتا ہے بلکہ ان خبروں سے دوسروں کو بھی مطلع کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کا سارا علم غیبی ہوتا ہے۔ اگر حضور ﷺ امی نہ ہوتے تو کوئی نہ کوئی شخص آپ کا استاد بھی ہوتا لیکن یہ صورت حال اللہ رب العزت کو گوارا نہ ہوئی کہ ہو تو ہمارا محبوب لیکن اس کا معلم کوئی عام شخص ہو۔ یہ چیز شان

---

[1] آل عمران' ۳:۴۴

نبوت کے بھی منافی ہوتی۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے اکتسابی علم کے سارے دروازے بند کر دیئے کہ محبوب! آ ہم اپنی وحی کے ذریعے تجھے پڑھاتے بھی ہیں اور سکھاتے بھی ہیں اور پھر تو سارے انسانوں اور سارے زمانوں کا معلم قرار پائے گا۔ تو شہرِ علم ہوگا اور ساری دنیا تیرے در سے حصولِ علم کی خیرات کی تمنائی ہوگی۔

ارشادگرامی ہے:

إنّما أنا قاسم و الله يعطى [1] — اللہ کی عطا کردہ ساری نعمتوں کا بانٹنے والا میں ہی ہوں۔

حضور علیہ السلام کو امی اس لئے بھی بنایا گیا تا کہ کوئی شخص حضور علیہ السلام کا معلم ہونے کا دعویٰ نہ کر سکے۔

---

[1] ا۔ صحيح البخارى، ۲: ۴۳۹، كتاب الخمس

۲. صحيح البخارى، ۲: ۱۰۸۷، كتاب الاعتصام

۳. صحيح مسلم، ۱: ۳۳۳، كتاب الزكوٰة

۴. مسند احمد بن حنبل، ۲: ۲۳۴، ۴: ۱۰۱

۵. مشكل الآثار، ۲: ۲۷۸، ۲۸۰

۶. صحيح البخارى، ۱: ۱۶، كتاب العلم

۷. المعجم الكبير، ۱۹: ۲۸۴، رقم الحديث: ۷۵۵

۸. المعجم الكبير، ۱۹: ۳۳۴، ۳۳۵، رقم الحديث: ۹۱۵، ۹۱۶

۹. شرح السنه، ۱: ۲۸۴، رقم الحديث: ۱۳۱

۱۰. كنز العمال، ۶: ۳۵۰، رقم الحديث: ۱۶۰۱۰

۱۱. المعجم الاوسط، ۱۰: ۷۶، رقم الحديث: ۹۱۵۴

۱۲. مشكوٰة المصابيح: ۳۲، رقم الحديث: ۲۰۰

اُمی ہونا حضور ﷺ کا ایک عظیم معجزہ

حضور ﷺ کا امی ہونا کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ امی ہونا آپ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ دنیا میں آپ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا' پھر ایسی کتاب بھی لائے جس میں اولین و آخرین کے علوم وغیوب ہیں۔

امام خازنؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

فلما کان امیا واتی بھذا القرآن العظیم الذی فیہ علم الاولین و الاخرین و المغیبات دل ذلک علی کونہ معجزۃ لہ ﷺ[1]

آپ ﷺ امی تھے اور وہ قرآن عظیم لائے جس میں اولین و آخرین کے تمام علوم وغیوب ہیں یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کا امی ہونا آپ کے لئے بطور معجزہ ہے۔

حضور ﷺ نے بھرپور مجلسی' ثقافتی' عائلی اور سماجی زندگی بسر کی۔ بکریوں کو چرانے سے لے کر تجارت کے شام تک کا سفر اختیار کیا۔ کفار و مشرکین کے ساتھ معاہدات کئے' غزوات میں شرکت کی' ثالث بن کر لوگوں کے جھگڑے ختم کرائے' تبلیغِ دین کا فریضہ سر انجام دیا لیکن دنیوی علوم کے حصول کی کبھی دل میں خواہش پیدا نہ ہوئی۔ کسی کے در پر حصول علم کے لئے دستک دینا یوں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس کے منافی ہوتا۔ اکتسابی علوم کے حصول کی آپ نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ اس کا سبب فقط یہ تھا کہ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ محبوب ﷺ! علم کے سارے خزانے تیرے قدموں کی خیرات ہیں۔ چنانچہ وقت آنے پر یہ سارے خزانے آپ پر کھلتے گئے اور سارے علوم غیب آپ پر منکشف ہوتے چلے گئے۔

---

[1] لباب التاویل' ۲: ۱۳۸

باب سوم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا قرآن سے استدلال

علم غیب خصائص نبوت میں سے ہے اور حضور ﷺ کو یہ خصوصیت بدرجہ کمال عطا ہوئی۔ آپ کی ذات علم غیب عطائی کی مظہر اتم ہے۔ آپ ﷺ کو وہ امتیازی شان عطا فرمائی گئی جو ہمارے تخیل کی پرواز سے ماوراء ہے چہ جائیکہ ہم اسے اپنی عقل وخرد کے پیمانے پر جانچتے اور پرکھتے پھریں۔

ساری کائنات کا علم حضور نبی اکرم ﷺ کے علم کے مقابلے میں جز کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے حقیقت روح کے بارے میں استفسار کرنے والوں کو یوں جواب ارشاد فرمایا۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا [1]

فرما دیجئے روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات انسانی کو جو علوم عطا کئے انہیں علم قلیل قرار دیا گیا ہے لیکن حضور ﷺ کو اس علم کی دولت سے نوازا جس کے ذریعے آپ ﷺ نے نہ صرف سارے عالم کو شرق سے غرب تک بلکہ کائنات پست و بالا کی وسعتوں کا مشاہدہ بھی فرما لیا، آپ ﷺ پر ان وسعتوں پر محیط کائنات انسانی کے علوم منکشف کر دیئے گئے۔ حضور ﷺ کے علم غیب پر خود قرآن مجید اور احادیث مبارکہ شاہد عادل ہیں۔

---

[1] بنی اسرائیل، ۱۷: ۸۵

علم غیب مصطفیٰ ﷺ پر قرآن سے دلائل

قرآن حکیم کی درج ذیل آیات انبیاء علیہم السلام کے علم غیب پر بالعموم اور حضور ختمی مرتبت ﷺ کے علم غیب پر بالخصوص دلالت کرتی ہیں۔

آیت نمبر ۱

اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے کو محیط ہے، مخلوق میں یہ طاقت نہیں کہ علم الٰہی میں سے کسی شے کا احاطہ کر سکے۔ مگر وہ ذات قادر مطلق ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے جس قدر چاہے علم عطا فرما دے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَآءَ۔ [۱]

اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔

آیت الکرسی کے مذکورہ بالا حصہ میں ''علمہ'' کی ایک تفسیر اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے کی گئی ہے۔ اور الا استثنا کے لئے ہے گویا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی اسکے علم غیب کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے غیوب خاصہ پر مطلع فرما دیتا ہے۔

حضور ﷺ افضل الخلائق ہیں اسلئے یہ امر یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے غیوب خاصہ پر جس قدر چاہا مطلع فرما دیا۔

۱۔ البقرہ، ۲: ۲۵۵

آیت نمبر۲

اللہ تعالیٰ اطلاع علی الغیب کے لئے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے منتخب فرما لیتا ہے۔ وہ خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ [1]

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے (عامۃ الناس) تمہیں غیب پر مطلع فرمادے لیکن اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (غیب کے علم کیلئے) چن لیتا ہے۔

آیت نمبر۳

دوسرے مقام پر اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنے غیب پر مطلع کرنے کے بارے میں فرمایا۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ [2]

وہ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

ان آیات کریمہ سے انبیاء علیہم السلام کے لئے اطلاع علی الغیب کا عقیدہ ثابت ہے اور یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پسندیدہ اور مجتبیٰ و مصطفیٰ رسول ہیں اس لیے یہ بات نص قطعی سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلع علی الغیب ہونے میں تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل واعلیٰ ہیں۔

☆ پہلی تین آیات کی تفصیل گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] آل عمران، ۳: ۱۷۹

[2] الجن، ۷۲: ۲۶۔۲۷

آیت نمبر۴

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور سیدہ مریم علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ۔ ۱	(اے محبوب) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔

۱۔ امام قرطبیؒ آیت مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں۔

ای الذی ذکرنا من حدیث زکریا و یحیی و مریم علیهم السلام من اخبار الغیب (نوحیه الیک) فیه دلالة علی نبوة محمد ﷺ حیث اخبر عن قصة زکریا و مریم ولم یکن قرأ الکتاب و اخبر عن ذلک وصدقه اهل الکتاب بذلک ۲	یعنی حضرت زکریا' یحییٰ و مریم علیہم السلام کا جو واقعہ ہم نے بیان کیا ہے غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں اس میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت زکریا و مریم علیہما السلام کے اس واقعہ کی خبر دی درآنحالیکہ آپ ﷺ نے کبھی کتاب نہ پڑھی تھی اور اہل کتاب نے آپ کی اس خبر کی تصدیق کی۔

۲۔ امام خازنؒ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

(ذلک من انباء الغیب) یقول الله عز و جل لمحمد ﷺ	(یہ غیب کی خبریں ہیں) اللہ عز و جل حضرت محمد ﷺ کو فرما رہا ہے کہ محبوب!

---

۱ آل عمران' ۳:۴۴

۲ الجامع لاحکام القرآن' ۴:۸۵

ذلک الذی ذکرت لک من حدیث زکریا و یحیی و مریم وعیسیٰ علیهم السلام من اخبار الغیب (نوحیه الیک) ای نلقیه الیک یا محمد لانه لا یمکنک ان تعلم اخبار الامم الماضین الا بوحی منا الیک۔[1]	حضرت زکریا، یحییٰ، مریم اور عیسیٰ علیہم السلام کا جو واقعہ ہم نے بیان کیا ہے یہ غیب کی خبروں میں سے ہے (جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں) یعنی اے محمد ﷺ آپ پر القاء فرماتے ہیں کیونکہ اے پیارے آپ کیلئے گزشتہ امتوں کی خبریں جاننا ہماری وحی کے بغیر ممکن نہیں

۳۔ امام ابن جوزیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

قوله تعالیٰ (ذلک من انباء الغیب) (ذلک) اشارة الی ما تقدم من قصة زکریا و یحیی و عیسی و مریم و الانبیاء والانباء الاخبار والغیب ماغاب عنک۔[2]	اللہ تعالیٰ کے فرمان (یہ غیب کی خبریں ہیں) سے حضرت زکریا، یحیٰ، عیسیٰ، سیدہ مریم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے گزرے ہوئے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اور انباء کا معنیٰ ہے خبریں اور غیب وہ ہے جو آپ سے پوشیدہ ہے۔

۴۔ امام اسماعیل حقیؒ لکھتے ہیں۔

انباء الغیب ای من اخبار الغیب التی لا یوقف علیها الا بمشاهدة او قراء ة کتاب او تعلم من عالم او بوحی من عند	انباء الغیب سے مراد ہے غیب کی خبریں جن کو آنکھوں سے دیکھ کر یا کتاب میں پڑھ کر یا کسی عالم سے سن کر یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے ہی جانا جا سکتا

---

[1] لباب التاویل، ۱: ۲۳۴

[2] زاد المسیر، ۱: ۳۸۸

الله تعالیٰ و انعدمت الثلاثة الاولیٰ فتعینت الرابعة وھو الوحی [1]

ہے۔اول الذکر تین ذرائع یہاں معدوم ہیں پس چوتھا ذریعہ جو یہاں متحقق ہے وہ وحی الٰہی ہے۔

کسی بھی خبر کو جاننے کے چار ذرائع ہوتے ہیں۔مشاہدہ ''قرأة'' سماعت اور وحی۔ پہلے تین ذرائع سے حاصل شدہ خبر پر غیب کا اطلاق نہیں ہوتا غیب کا اطلاق اسی خبر پر ہوگا جو چوتھے ذریعے یعنی وحی کے ذریعے حاصل ہوگی غیب اور وحی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حضرت زکریا' حضرت یحیٰ' حضرت عیسیٰ اور سیدہ مریم علیھم السلام کے احوال و واقعات بھی خبریں ہیں کہ جن کا علم حضور ﷺ کو نہ مشاہدے کے ذریعے حاصل ہوا اور نہ قراءة و سماعت ہی کے ذریعے حاصل ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کے اعلام و وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو ان واقعات پر مطلع کیا گیا۔

آیہ مذکورہ اس بات کا واضح طور پر اعلان کر رہی ہے کہ انبیاء سابقین کے واقعات غیب ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو دیا ہے۔

آیت نمبر ۵

حضور ﷺ کے مطلع علی الغیب ہونے پر سورۂ ہود کی درج ذیل آیہ کریمہ بھی شاہد ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَا اِلَیکَ۔ [2]

یہ بیان ان غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

---

[1] روح البیان' ۲: ۳۳

[2] ہود' ۱۱: ۴۹

امام خازنؒ آیہ مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں۔

هذا خطاب للنبی ﷺ یعنی ان هذه القصة التی اخبرناک یا محمد من قصة نوح و خبر قومه من انباء الغیب یعنی من اخبار الغیب [1]

یہ نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے یعنی اے محمد ﷺ! حضرت نوح علیہ السلام اور انکی قوم کا واقعہ جس کی ہم نے آپ کو خبر دی ہے یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا محبوب! حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعہ کا شمار بھی غیب کی خبروں میں ہوتا ہے۔ ہم نے اس غیب پر بھی آپ کو آگاہ فرمادیا ہے۔

ان دونوں آیات کریمہ سے واضح طور پر حضور ﷺ کیلئے اطلاع علی الغیب کا عقیدہ ثابت ہورہا ہے۔

آیت نمبر ۶

حضور ﷺ کے علم غیب کے بیان میں سورہ نساء درج ذیل آیہ کریمہ میں نہایت ہی فصیح و بلیغ اور جامع انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ○ [2]

اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اس آیہ کریمہ کے مفاہیم تک رسائی کیلئے تفاسیر کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

---

[1] لباب التاویل، ۲: ۳۳۶

[2] النساء، ۴: ۱۱۳

۱۔ علامہ بیضاویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد ہے۔

من خفیات الامور او من امور الدین والاحکام ۱؎

یعنی امور مخفیہ کا علم یا امور دینیہ اور احکام کا علم

۲۔ امام اسماعیل حقیؒ اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں۔

(وعلمک) بالوحی من الغیب و خفیات الامور (مالم تکن تعلم) ذلک الی وقت التعلیم ۲؎

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ غیب کا اور پوشیدہ باتوں کا وہ علم جو آپ نہ جانتے تھے عطا فرمادیا اور نہ جاننا اللہ تعالیٰ کے تعلیم فرمانے کے وقت تک تھا (جب تعلیم فرمادیا تو سب کچھ جان گئے)

۳۔ امام بغویؒ لکھتے ہیں۔

(و علمک مالم تکن تعلم) من الاحکام، و قیل: من علم الغیب ۳؎

(اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب علم عطا کردیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔) یعنی احکام میں سے اور یہ علم غیب میں سے۔

۴۔ امام خازنؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

و علمک مالم تکن تعلم یعنی من احکام الشرع و امور الدین و قیل علمک من علم الغیب مالم تکن تعلم و قیل معناه و

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب علم عطا کردیا جو آپ نہیں جانتے تھے یعنی احکام شرعیہ اور امور دینیہ کا علم اور کہا گیا کہ علم غیب میں سے جو آپ نہیں جانتے تھے وہ

۱؎ تفسیر البیضاوی ۱: ۳۸۰ ۳؎ معالم التنزیل، ۱: ۴۷۹

۲؎ روح البیان ۲: ۲۸۲

علمک من خفیات الامور و أطلعک علی ضمائر القلوب و علمک من احوال المنافقین و کیدھم مالم تکن تعلم [1]	آپ کو سکھا دیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوشیدہ امور کا علم دیا اور دلوں کے راز بتا دیئے اور آپ کو منافقین کے احوال اور ان کی بری چالوں کا علم جو آپ نہ جانتے تھے عطا فرما دیا۔

۵۔ تفسیر جلالین میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔

(و علمک مالم تکن تعلم) من الاحکام و الغیب۔ [2]	اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو احکام اور غیب کا وہ سب علم عطا کر دیا جسے آپ نہیں جانتے تھے۔

۶۔ امام اسمٰعیل حقیؒ لکھتے ہیں۔

و علمک (بانواع الوحی) مالم تکن تعلم ای الذی لم تکن تعلمه من خفیات الامور ضمائر الصدور ومن جملتها وجوہ ابطال کید الکائدین او من امور الدین و احکام الشرع کماروی عن ابن عباس رضی اللہ عنهما و من الخیر والشر	اور اس نے آپ کو وحی کی مختلف قسموں کے ذریعے وہ سب علم عطا کر دیا جو آپ نہ جانتے تھے یعنی پوشیدہ باتوں کا اور دل کے بھیدوں کا اور دشمن کی چالوں کو ناکام کرنے کا علم دیا امور دین اور احکام شرع کا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یا خیر و شر کا جیسا کہ ضحاک نے کہا ہے یا اگلوں کا اور پچھلوں کی خبروں کا

---

[1] لباب التاویل ۱: ۴۰۳

[2] تفسیر جلالین: ۹۷

كما قال الضحاك أومن اخبار الاولين و الاخرين كما قيل من جميع ما ذكر كما يقال۔ [1]

جیسا کہ کہا گیا ہے یا مذکورہ بالا تمام چیزوں کا علم جو آپ نہ جانتے تھے عطا فرمادیا۔

۷۔ اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر حسینی میں لکھا ہے۔

آنچه نبودی که بخود بدانی از خفیات امور و مکنونات ضمائر و جهمور گفته اند آن علم است بربوبیت حق و جلال او وشناختن عبودیت نفس و قدر حال او و در بحرالحقائق میفرماید که آن علم ما کان و ماسیکون است که حق سبحانه درشب اسری بدان حضرت عطا فرموده چنانچه در احادیث معراجیه آمده است که در زیر عرش بودم قطرهٔ در حلق من ریختند فعلمت بها ما کان و ما سیکون

جو نہ تھا تو کہ آپ سے جان لیتا چھپی ہوئی باتیں اور دلوں کے بھید اور بہت علماء نے کہا ہے کہ وہ علم ہے ربوبیت حق اور اس کے جلال کا اور پہچاننا عبودیتِ نفس کا اور اس کے قال کا اور بحر الحقائق میں لکھا ہے کہ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا یہ اسکا علم ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جیسا کہ معراج کی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ میں عرش کے نیچے تھا ایک قطرہ میرے حلق میں ڈال دیا پس جان لیا میں نے جو کچھ ہوگیا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے

(تفسیر قادری اردو ترجمہ تفسیر حسینی ۱:۱۹۲)

---

[1] روح البیان ۵: ۱۴۴

پس دانستم آنچه بود و آنچه

خواهد بود ۱

زیرنظر آیت کی متذکرہ بالا تفاسیر سے درج ذیل اقوال مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ حضور ﷺ کو احکام شرعیہ اور امور دینیہ کا وہ علم بھی دے دیا گیا جو ابھی تک آپ ﷺ کو عطا نہیں ہوا تھا۔

۲۔ آپ ﷺ کو ان مخفیات و مغیبات پر بھی اطلاع دے دی گئی جو آپ ﷺ کے علم میں نہیں تھے۔

۳۔ آپ ﷺ کو لوگوں کے قلبی احوال و کیفیات اور اسرار و مخفیات سے آگاہ کر دیا گیا۔

۴۔ آپ ﷺ کو منافقین کی حالتِ نفاق اور مکر و فریب پر مطلع کر دیا گیا۔

۵۔ آپ ﷺ کو گزرے ہوئے اور آنے والے لوگوں کے احوال کی خبر دے دی گئی۔

۶۔ آپ ﷺ کو خیر و شر کے وہ امور بھی بتا دیئے گئے جن سے آپ ﷺ اس سے پہلے واقف نہ تھے۔

۷۔ آپ ﷺ کو ما کان و ما یکون کا وہ علم بھی عطا کر دیا گیا جو اس سے قبل آپ ﷺ پر ظاہر نہ تھا۔

۸۔ آپ ﷺ کو متذکرہ بالا تمام امور کا علم عطا فرما دیا گیا۔

زیرِ تفسیر آیت اور متذکرہ بالا تفسیری اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو بالتدریج ما کان و ما یکون کا علم عطا فرما دیا جو نزولِ قرآن کے مکمل ہونے پر پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس آیت سے مذکورہ بالا تمام اقوال مراد لئے جا سکتے ہیں اس

۱ تفسیر حسینی، ۱: ۱۲۴

میں کوئی امر مانع نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ان تمام امور کا علم عطا فرما دیا تھا۔ پس آیت کو کسی ایک مفہوم کے ساتھ خاص کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

آیت نمبر ۷

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب پر آگہی حاصل ہوتی ہے اور وہ اسے اپنی امت کے سامنے بیان بھی فرماتا۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے اس فرض منصبی کے حسن ادائیگی کو یوں بیان فرماتا ہے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ [۱]	اور وہ (نبی اکرم) غیب (کے بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہیں۔

۱۔ امام بیضاویؒ اس آیہ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

(وما هو) وما محمد عليه الصلوة والسلام (على الغيب) على من الوحى اليه و غيره من الغيوب (بضنين) بالضاد و هو البخل اى لا يبخل بالتبليغ والتعليم۔ [۲]	اور محمد ﷺ وحی اور اس کے علاوہ غیوب کی تبلیغ اور تعلیم میں بخل نہیں فرماتے۔ (ضنین) ضاد کے ساتھ ہے اور اس میں بخل کا معنی پایا جاتا ہے۔

۲۔ تفسیر خازن میں اس آیت کے تحت لکھا ہے:

وما هو (يعنى محمدًا ﷺ) (على الغيب) اى الوحى و خبر	یعنی محمد ﷺ وحی اور آسمانی خبر اور وہ چیزیں اور واقعات جو آپ کے علم میں نہ

---

[۱] التکویر، ۸۱: ۲۴

[۲] انوار التنزیل، ۴۰: ۳۸۹

السماء و اطلع عليه مما كان غائبا عن علمه من القصص والانبياء (بضنين) معناه ببخيل يقول انه يأتيه علم الغيب ولايبخل به عليكم و يخبر كم به ولا يكتمه ؎	تھےاور جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی کے بیان میں بخل نہیں فرماتے بضنین کا معنی بخیل ہے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میرے محبوب ﷺ کے پاس علم غیب آتا ہےاور وہ تمہیں بیان کرتے ہیں بخل نہیں فرمائے۔ تمہیں اس کی خبر دے دیتے ہیں اور تم سے چھپاتے نہیں۔

اطلاع علی الغیب اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت عظمیٰ ہے جو ہر نبی اور رسول کے حصے میں آتی رہی اور نبی آخر الزماں ﷺ کو بدرجہ اتم ارزانی ہوئی۔ حضور ﷺ اسے آگے بیان فرمانے میں بخل سے کام نہیں لیتے' بخیل اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال و دولت ہو اور وہ اس میں سے خرچ نہ کرے بلکہ اسے چھپا چھپا کر رکھے جو خود مفلس و نادار ہو وہ کسی کو دے یا نہ دے اسے بخیل نہیں کہا جا سکتا' رسول اکرم ﷺ کے غیب کے بتانے میں بخیل نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس غیب کے خزانے ہیں جنہیں آپ خود تک محدود نہیں رکھتے بلکہ دوسروں کو بتا دیتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ نبی کتنا غیب جانتا ہے اور کتنا نہیں جانتا اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے آقا و مولا ﷺ اتنا غیب جانتے ہیں کہ کوئی جو چاہے پوچھ لے وہ غیب بتانے میں بخل نہیں کرتے وہ غیب حقیقی کی بھی خبر دیتے ہیں اور غیب اضافی کی بھی۔

آیہ مذکورہ سے حضور ﷺ کی وسعتِ علم غیب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اگر غیب سے مراد قرآن لیا جائے تو بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ قرآن بھی حضور ﷺ کے علوم میں شامل ہےاور قرآن مین ہر چیز کا بیان ہے۔

؎ لباب التاویل ۴۰:۳۵۷

باب چہارم

جامعیّتِ قرآن اور علومِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب ہے جو نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوئی۔ یہ کتاب مبین حضور ﷺ کا ابدالآباد تک زندہ رہنے والا عظیم معجزہ ہے۔ اس صحیفۂ خداوندی کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ یہ کتاب خود اپنی صداقت وحقانیت کا واشگاف الفاظ میں اعلان کرتی ہے۔

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ [1] — یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

اس کتاب میں سابقہ کتب کی طرح تغیر وتبدل اور تحریف (Distortion) ممکن نہیں کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود خداوند قدوس نے اٹھا رکھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ [2] — بے شک یہ ذکر عظیم (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

قرآن اور صاحب قرآن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ قرآن کے بغیر علمِ غیب مصطفیٰ ﷺ کا موضوع تشنہ اور نامکمل ہے اس لئے کہ قرآن علومِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک اہم ترین باب ہے۔ قرآن ایک جامع کتاب ہے اس کی جامعیت علومِ مصطفیٰ ﷺ کی وسعت پر دلالت کرتی ہے۔

---

[1] البقرہ، ۲:۲

[2] الحجر، ۱۵:۹

قرآن کی جامعیت

لفظ قرآن کا ایک معنیٰ ہے وہ کتاب جس کے اندر سب کچھ جمع کر دیا گیا ہو۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے لفظ قرآن اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کتاب کو "جامعیت" کا شرف حاصل ہے۔ زجاج اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ علامہ زرکشی "البرہان فی علوم القرآن" میں اسی معنیٰ کو نقل فرماتے ہیں۔ قرآن حکیم میں عورت کی عدت کے بارے میں حکم ہے۔ "یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ" لفظ قُرُوْءٌ قُ رْءٌ کی جمع ہے جو حیض (Menses) (اور شوافع کے نزدیک طہر) کے لیے استعمال ہوا ہے۔ "عورتیں طلاق کی صورت میں تین حیض تک انتظار کریں۔ اس کے بعد نکاح ثانی کر سکتی ہیں۔"

بہر حال قرء کا اطلاق ایام حیض پر ہو یا طہر پر۔ یہ رحم (Womb) میں خون کے جمع ہونے یا جمع شدہ خون کے جاری ہونے پر استعارہ ہے۔ چونکہ "قرء" میں بنیادی طور پر کسی شے کے جمع ہونے کا معنیٰ موجود ہے اس لیے اس مادے کی بناء پر قرآن کے لفظ میں بھی جامعیت اور ہمہ گیریت (Collectiveness & Comprehensiveness) کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جو اس کتاب کے جامع اور محیط ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ گویا یہ وہ کتاب ہے جو ہر شے کا علم اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہے اور تمام علوم و معارف پر حاوی اور محیط ہے۔ اس معنیٰ کی تصدیق و تائید خود قرآن حکیم کے متعدد مقامات سے ہوتی ہے۔ قرآن اس لیے جامع ہے کہ اس میں جملہ حقائقِ کائنات اور تمام اقسام کے علوم و معارف اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیئے ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں:

تَسْمِيَةُ هٰذَا الْكِتَابِ قُرآنًا مِنْ   اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں سے

بَيْنَ كُتُبِ اللهِ لِكَوْنِهِ جَامِعًا لِثَمْرَةِ كُتُبِهِ بَلْ لِجَمْعِهِ ثَمْرَةَ جَمِيْعِ الْعُلُومِ [۱]

اس کو قرآن کہنا اس وجہ سے ہے کہ خدا کی نازل کردہ ساری کتابوں کے ثمرات و مطالب اس میں جمع ہیں۔ جبکہ یہ تمام علوم و معارف کی بھی جامع ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو اول سے آخر تک اصلاً تمام حقائق و معارف اور جملہ علوم و فنون کی جامع ہے۔ قرآن خود کئی مقامات پر اس حقیقت کی تائید کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ [۲]

اے محبوب! ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو ہر شے کا تفصیلی بیان کرنے والی ہے۔

شیَ کے لفظ کا اطلاق کائنات کے ہر وجود پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ مادی ہو یا غیر مادی۔ جو چیز بھی ربِ ذوالجلال کی تخلیق ہے ''شی'' کہلاتی ہے اور ہر شے کا تفصیلی بیان قرآن کے دامن میں ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ [۳]

قرآن ہر شے کی تفصیل بیان کرتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ [۴]

اے رسول ﷺ ہم نے اپنی تخلیق کردہ کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کی تفصیل قرآن میں نہ ہو۔

چونکہ ازل سے ابد تک جملہ حقائق اور ما کان و ما یکون کے جمیع علوم قرآنِ

۱۔ المفردات: ۲۶۹
۲۔ النحل ۱۶: ۸۹
۳۔ یوسف ۱۲: ۱۱۱
۴۔ الانعام ۶: ۳۸

مجید میں موجود ہیں۔اس لیے اس حقیقت کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ [۱]	اس کائنات میں کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جس کا بیان کلام پاک میں موجود نہ ہو۔

رطب اور یابس' رطب کا معنی تر (wet) ہے اور یابس کا خشک (Dry)' یہ آیت قرآنی ایجاز اور فصاحت و بلاغت کی دلیلِ اتم ہے۔ کیونکہ کائناتِ ارض و سماء کو کوئی وجود اور کوئی ذرہ ایسا نہیں جو خشک یا تر یا دونوں حالتوں سے خارج ہو۔ بحر و بر' شجر و حجر' زمین و آسماں' جمادات و نباتات' جن و انس' خاکی ذرات اور آبی قطرات' حیوانات اور دیگر مخلوقات الغرض عالمِ پست و بالا کی جس شے کا بھی تصور کر لیجئے۔ وہ یا تو خشک ہوگی یا تر' یا دونوں حالتوں کا مرکب (Compound) ہوگی' قرآن نے صرف دو لفظ لا رطب و لا یابس استعمال کر کے درحقیقت ساری کائنات کے ایک ایک ذرے کا بیان کر دیا کہ اس کا علم قرآن میں موجود ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ كُلَّ شَىْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيْلًا [۲]	اور ہم نے قرآن میں ہر چیز کا الگ الگ مفصل بیان کیا ہے۔

علامہ ابنِ برہان اسی کی تائید میں فرماتے ہیں کہ:

مَامِنْ شَىْءٍ فَهُوَ فِى الْقُرْاٰنِ اَوْ فِيْهِ اَصْلُهٗ [۳]	کائنات کی کوئی شے ایسی نہیں جس کا ذکر یا اس کی اصل قرآن سے ثابت نہ ہو۔

---

۱ الانعام' ۶: ۵۹

۲ الاسراء ۱۷: ۱۲

۳ الاتقان' ۲: ۱۶۱

گویا قرآن میں یا تو ہر چیز کا ذکر صراحت کے ساتھ ملے گا یا اس کی اصل (Root) ضرور موجود ہوگی۔ یہ بات لوگوں کی اپنی اپنی استعداد وصلاحیت، فہم وبصیرت اور قوتِ استنباط واستخراج کے پیشِ نظر کہی گئی ہے۔ کیونکہ ہر کوئی، ہر شے کی تفصیل قرآن سے اخذ کرنے کی استعداد نہیں رکھتا۔

اگر قدرت کی طرف سے کسی کو نورِ بصیرت حاصل ہو، انشراحِ صدر ہو چکا ہو، حجابات اٹھ چکے ہوں اور ربِ ذوالجلال نے اس کے سینے کو قرآنی معارف کا اہل بنا دیا ہو تو اسے ہر شے کا تفصیلی بیان بھی نظر آ جائے گا۔

اسی موقع پر امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اصلاً ذکر کا معنی یہ ہے:

مَا مِنْ شَیءٍ اِلَّا یُمْکِنُ اِسْتِخْرَاجُهٗ مِنَ الْقُرْآنِ لِمَنْ فَهَّمَهُ اللّٰهُ [1]

کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا استخراج واستنباط آپ قرآن سے نہ کر سکیں۔ لیکن یہ علوم و معارف اسی پر آشکار ہوتے ہیں جس کو ربِ ذوالجلال خصوصی فہم سے بہرہ ور فرما دیں۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ نبی اکرم ﷺ کے وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کو حضور اکرم ﷺ نے ترجمان القرآن کے لقب سے سرفراز فرمایا تھا اور ان کے بارے میں جبرئیلِ امین نے یہ خوشخبری بھی دی تھی:

اِنَّهٗ کَائِنٌ حِبْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

عبداللہ بن عباسؓ اس امت کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَوْ ضَاعَ لِیْ عِقَالُ بَعِیْرٍ لَوَجَدْتُّهٗ

(صحبتِ نبوی کے فیضان سے مجھے

---

[1] الاتقان، ۲: ۱۶۱

فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ[۱] — قرآن کی اسقدر معرفت حاصل ہوچکی ہے) کہ میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہوجائے تو قرآن کے ذریعے تلاش کرلیتا ہوں۔

اُونٹ کی رسی کا گم ہونا کتنا معمولی واقعہ ہے۔ لیکن اہلِ بصیرت ایسا معمولی سے معمولی واقعہ اور حادثہ بھی قرآن سے معلوم کرلیتے ہیں۔ محقق ابن سراقہ ''کتاب الاعجاز'' میں جامعیت قرآن پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

مَامِنْ شَیْءٍ فِی الْعَالَمِ اِلَّا وَھُوَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ[۲] — کائنات میں کوئی شے ایسی نہیں جس کا ذکر قرآن میں موجود نہ ہو۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شے قرآن میں مذکور نہ ہو تو وہ کائنات میں موجود نہیں ہوسکتی۔ گویا قرآن میں کسی چیز کا مذکور نہ ہونا کائنات میں اس کے موجود نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا قرآن کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ اس میں کسی چیز کے ذکر یا عدمِ ذکر کو کائنات میں اس کے وجود و عدم کی دلیل تصور کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ نے جامعیتِ قرآن کی نسبت یہ دعویٰ کیا:

سلونی عما شئتم اخبر کم عنه فی کتاب اللہ[۳] — جس چیز کی نسبت چاہو مجھ سے پوچھ لو، میں تمہیں اس کا جواب قرآن سے دوں گا۔

آپؒ نے حضرت سعید بن جبیرؓ کا یہ قول بھی اپنی کتاب ''الام'' میں نقل فرمایا ہے:

ما بلغنی حدیث عن رسول اللہ — آج تک رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث

---

۱ الاتقان: ۲، ۱۶۱
۲ الاتقان: ۲، ۱۶۰
۳ الاتقان، ۲: ۱۶۰

علی وجه الا وجدت مصداقه فی کتاب اللہ[1]

مجھے ایسی نہیں ملی جس کا واضح مصداق میں نے قرآن مجید میں نہ پایا ہو۔

تمام آسمانی کتابوں کے ثمرات ومطالب اور علوم و معارف کی جامع بھی یہی کتاب ہے۔ امام بیہقیؒ حضرت حسنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں جن میں کائنات کے تمام علوم و معارف بیان کر دیئے۔ پھر ان تمام علوم کو چار کتابوں (تورات، زبور، انجیل اور قرآن) میں جمع کر دیا۔ پھر ان میں سے پہلی تین کتابوں کے تمام معارف کو قرآن حکیم میں جمع فرمایا اور اس طرح یہ قرآن ایسی جامع کتاب قرار پائی کہ ابن ابی الفضل المرسیؒ فرماتے ہیں کہ:

جمع القرآن علوم الاولین والاخرین، بحیث لم یحط بها علماً حقیقة الا المتکلم بها ثم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[2]

اس قرآن نے اول سے آخر تک، ابتداء سے انتہا تک کائنات کے تمام علوم و معارف کو اپنے اندر اس طرح جمع کر لیا ہے کہ فی الحقیقت خدا اور اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان علوم کا احاطہ نہ کوئی آج تک کر سکا اور نہ کر سکے گا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں مروی ہے:

مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَعَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ فَاِنَّ فِيْهِ خَبَرَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ[3]

جو شخص علم حاصل کرنا چاہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کا دامن تھام لے۔ کیونکہ اسی قرآن میں ہی اول سے آخر تک سارا علم موجود ہے۔

---

[1] الاتقان، ۲: ۱۶۰

[2] الاتقان، ۲: ۱۶۱

[3] الاتقان، ۲: ۱۶۱

تمام ظاہری و باطنی علوم و معارف کا جامع ہونا' تمام موجوداتِ عالم کے احوال کا جامع ہونا اور تمام آسمانی کتابوں کے ثمرات و مطالب کا جامع ہونا' یہ وہ نمایاں خصوصیات تھیں جن کے باعث اس مقدس کتاب کا نام اللہ تعالیٰ نے ''**القرآن**'' رکھا ہے۔

جامعیتِ قرآن کی عملی شہادتیں

پہلی شہادت:

حضور ﷺ کی (۶۳ برس) عمر مبارک کا قرآن سے استشہاد: امام جلال الدین سیوطی ''الاتقان'' میں اس ضمن میں یہ آیت نقل کرتے ہیں۔

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا [1]

جب کسی کی اجل آجائے تو اللہ تعالیٰ ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں فرماتے۔

قرآن کریم کی اس آیت کا اطلاق عمومی ہر انسان کی موت ہے لیکن اہل علم بصیرت جانتے ہیں کہ اس کے نزول کے وقت اس میں وصال محمدی ﷺ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا تھا۔

یہ آیت ''سورۃ المنافقون'' (جو قرآن مجید کی تریسٹھویں (۶۳) سورۃ ہے کی آخری آیت ہی۔ جس کے بعد رب ذوالجلال نے ''سورۃ تغابن'' کو منتخب فرمایا۔ تغابن نا پید ہو جانے اور ہست) سے نیست) ہو جانے کو کہتے ہیں۔ ۶۳ ویں سورت کے اختتام پر کسی پر وقتِ اجل کے آجانے کا ذکر اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی ظاہری عمر مبارک ۶۳ ویں برس پر اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی اور اس آیت کے فوراً بعد سورہ تغابن کا انتخاب مزید صراحت کے لیے تھا کہ اب اس ہستی مبارک کی حیاتِ ظاہری کے نا پید ہو جانے کے بعد انعقادِ قیامت کا ہی دور آئے گا۔ درمیان میں کسی اور نبی یا امت کا دور ممکن

---

[1] المنافقون ۶۳ : ۱۱

نہیں۔ یعنی حضور علیہ السلام کا دورِ نبوت، روزِ قیامت سے متصل ہے درمیانی سارے عرصے کو یہی محیط ہے۔ کسی اور کا زمانہ باقی نہیں رہا۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے خود اپنی درمیان والی انگلی اور انگشتِ شہادت کو ملا کر فرمایا تھا:

انا و الساعة کھاتین۔ [1]

میں (یعنی میرا دور) اور قیامت دونوں آپس میں ان دو انگلیوں کی طرح متصل ہیں۔

جیسے ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں۔ اسی طرح میرے دورِ نبوت اور قیامت کے درمیان کوئی فاصلہ یا زمانہ نہیں۔ گویا یہ آیت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک کے تعین کے ساتھ ساتھ آپ کے ختم نبوت کے اعلان پر بھی مشتمل ہے۔ اس شہادت سے ''قرآن'' کی شانِ جامعیت پر روشنی پڑتی ہے۔

دوسری شہادت

امام غزالیؒ سے ایک غیر مسلم نے سوال کیا کہ اجرامِ فلکی یعنی سورج، چاند اور دیگر سیارگان فضا میں جو حرکت کرتے ہیں وہ دو طرح کی ہے۔ ایک سیدھی اور دوسری معکوس! مثلاً مشرق سے مغرب کی طرف اور پھر مغرب سے مشرق کی طرف۔ قرآن مجید میں ایک کا ذکر تو موجود ہے لیکن دوسری کا کہاں ہے؟ اس پر امام غزالیؒ نے اس شخص سے پوچھا کہ پہلی

---

[1] ۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۹۶۳، کتاب الرقاق، رقم الحدیث: ۶۱۳۹

۲۔ صحیح مسلم، ۲: ۴۰۶، کتاب الفتن، رقم الحدیث: ۲۹۵۱

۳۔ جامع الترمذی، ۲: ۴۴، کتاب الفتن، رقم الحدیث: ۲۲۱۴

۴۔ سنن ابن ماجه: ۶، مقدمه، رقم: ۴۵. کتاب الفتن: ۲۹۳، رقم الحدیث: ۴۰۴۰

۵۔ سنن الدارمی، ۲: ۲۲۱ کتاب الرقاق، رقم الحدیث: ۲۷۶۲

۶۔ مسند احمد بن حنبل، ۵: ۱۰۳، رقم الحدیث: ۱۱۷۹۷

حرکت کا ذکر کس آیت میں ہے؟ اس نے یہ آیت پڑھی:

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ [1] سارے سیارے (فضا میں) تیرتے رہتے ہیں۔ یعنی حرکت پذیر رہتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے فرمایا۔ اسی آیت میں ان کی حرکتِ معکوس کا ذکر بھی ہے۔ اگر "کل فی فلک" کے الفاظ کو الٹا کر کے یعنی معکوس طریقے سے پڑھا جائے۔ یعنی فَلَكٍ کی ک سے شروع کر کے كُلٌّ کی ک تک پڑھا جائے تو پھر بھی "كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ" ہی بنے گا۔ گویا آیت کے اس حصہ کو سیدھی سمت میں پڑھنے سے سیارگانِ فلکی کی سیدھی حرکت کا ذکر ہے اور معکوس سمت میں پڑھنے سے حرکتِ معکوس کا ذکر ہے۔

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ کو الٹی سمت سے پڑھیے فَلَكٍ میں آخری حرف "ک" ہے۔ پھر "ل" ہے تو یہ كُلٌّ بن گیا۔ اب الٹی سمت سے اگلا حرف "ف" ہے اور پھر "ی"۔ اس طرح یہ فی بن گیا۔ اس کے بعد "ف" آتا ہے۔ پھر "ل" اور آخری حرف "ک" ہے تو یہ فلک ہو گیا۔ چنانچہ الٹی ترتیب سے بھی كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ ہی بنتا ہے۔ یہی سیارگان کی سیدھی حرکت ہے اور انہی لفظوں میں ان کی الٹی حرکت بھی مذکور ہے۔

تیسری شہادت .... "واقعہ تسخیرِ ماہتاب اور قرآن"

اس ضمن میں ایک اور شہادت تسخیر ماہتاب کے واقعہ سے متعلق ہے۔ آج سے کچھ عرصہ قبل امریکہ کے تین سائنس دانوں کے ہاتھوں تسخیرِ ماہتاب کا عظیم تاریخی کارنامہ انجام پذیر ہوا تھا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے چودہ سو سال پہلے اعلان کر دیا تھا۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ○ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا قسم ہے چاند کی جب وہ پورا ہو جائے"

---

[1] یسین ۳٦: ۴۰

عَنۡ طَبَقٍ۝ فَمَا لَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ[1] یقیناً تم طبق در طبق اوپر جاؤ گے۔ پس انہیں کیا ہے پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

ان تینوں آیات کا باہمی ربط اور سیاق وسباق یہ ہے کہ اس سورت میں قیامت سے پہلے رونما ہونے والے حادثات اور واقعات کا ذکر ہے۔ مذکورہ بالا آیات سے پہلے اجرامِ فلکی، کائناتی نظام اور بالخصوص نظامِ شمسی کے اہم پہلوؤں کا بیان ہے۔ اسی طرح اس میں کائنات کے اہم تغیرات کا بھی ذکر ہے۔ پھر مختلف قسمیں کھائی گئی ہیں۔ کبھی شفق کی اور کبھی رات کی۔ تیسری قسم چاند کی ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا کہ ''تم یقیناً ایک طبق سے دوسرے طبق تک پہنچو گے۔'' یعنی تم طبق در طبق پرواز کرو گے۔

اس آیت کی علماء نے متعدد تفسیرات بیان کی ہیں۔ اس کا معنوی اطلاق ''واقعۂ معراج'' پر بھی کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے طبق در طبق سے انسانی اعمال و درجات کا بلند ہونا مراد لیا ہے۔ بعض نے حیاتِ انسانی کے مختلف مراحلِ ارتقاء اور احوال مراد لیے ہیں۔ احادیثِ نبوی سے بھی ''حال در حال'' کے معنی کا استشہاد لیا گیا ہے۔ الغرض اس قسم کی متعدد تعبیرات بیان ہوئی ہیں۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ درست اور نا قابلِ تردید ہیں لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اگر پہلے کسی آیت کی ایک تفسیر بیان ہو چکی ہو تو اس کا صرف وہی ایک ہی مفہوم ہوگا۔ باقی مفاہیم، مطالب اور تعبیرات غلط ہوں گی۔ تفسیرِ قرآن کے ضمن میں ایسی بات درست نہیں۔ قرآن حکیم کی ایک آیت سے اہلِ علم متعدد تعبیرات اخذ کرتے چلے آئے ہیں اور متقدمین و متاخرین کی کتبِ تفسیر اس پر شاہد عادل ہیں۔ مختلف احوال پر انطباق کے اعتبار سے ہر تعبیر اپنی اپنی جگہ درست ہوتی ہے۔ لیکن اس مقام پر ہم اس مخصوص تاریخی واقعہ کے حوالے سے تفسیرِ آیت عرض کرنا چاہتے ہیں۔ اب آیات پر دوبارہ غور فرمایئے:

---

[1] الانشقاق، ۸۴:۱۹، ۲۰

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۱؎	قسم ہے چاند کی جب وہ پورا ہو جائے۔
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۲؎	یقیناً تم ایک سے دوسرے طبق تک اوپر جاؤ گے۔
فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۳؎	پس انہیں کیا ہے پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

قرآن حکیم کا اندازِ بیان، ربط بین الآیات اور نظمِ عبارت کا ایک ایک پہلو بلکہ ایک ایک حرف مستقل مفہوم، نمایاں افادیت اور خاص حکمت و مصلحت کا حامل ہوتا ہے۔ "لترکبن طبقاً عن طبق" سے پہلے متصلاً قرآن حکیم کا چاند کی قسم کھانا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آگے بیان ہونے والی حقیقت چاند سے ہی متعلق ہوگی۔

لَتَرْكَبُنَّ، رَكِبَ يَرْكَبُ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے کسی پر سوار ہونا، اسی سے اسم ظرف مَرْكَبُ نکلا ہے یعنی سوار ہونے یا بیٹھنے کی جگہ، گھوڑے پر سوار ہوتے وقت جس پر پاؤں رکھا جاتا ہے۔ اسے بھی اسی وجہ سے رکاب کہتے ہیں۔

گویا لترکبن کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اوپر جانا کسی سواری کے ذریعے ہوگا۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

الرکوب فی الاصل کون الانسان علی ظهر حيوان و قد يستعمل فی السفينة ۴؎	رکوب اصل میں انسان کے کسی حیوان پر سوار ہونے کو کہتے ہیں۔ لیکن اس کا استعمال جہاز پر بھی ہوتا ہے۔

لہٰذا اوّلیں ترجیح کے طور پر ہم "لَتَرْكَبُنَّ" کے اصلی اور حقیقی معنی کا استعمال مراد لیں گے۔ مجازاً بلند ہونا مراد نہیں لیں گے۔ کیونکہ بعض اوقات کوئی لفظ حقیقی اور مجازی

۱؎ الانشقاق، ۸۴:۱۸
۲؎ الانشقاق، ۸۴:۱۹
۳؎ الانشقاق، ۸۴:۲۰
۴؎ المفردات: ۳۶۳

دونوں معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن عام حالات میں جب کہ حقیقت مستعملہ ہو، متعذر رہ یا مہجورہ نہ ہو تو مجازی معنوں کی طرف التفات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب تک سائنس اور ٹیکنالوجی (Science & Technology) اس قدر فروغ پذیر نہ ہوئی تھیں کہ انسان زمین سے پرواز کر کے اوپر کسی دوسرے طبق تک پہنچ سکے۔ اس وقت تک مجازی معنوں کی بنیاد پر ہی آیت کا مفہوم بیان کیا جاتا رہا ہے۔ کیونکہ حقیقی معنی کا اطلاق ممکن نہ تھا۔ لیکن آج جب کہ سائنسی ترقی کے دور میں فضائی حدود میں انسانی پرواز نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہو گئی ہے تو ''لَتَرۡکَبُنَّ'' کا اپنے حقیقی معنی پر اطلاق بلا شک وشبہ جائز ہو گا۔

مزید برآں لَتَرۡکَبُنَّ میں لامِ تاکید اور نونِ ثقیلہ دونوں اظہارِ مقصود میں خصوصی تاکید پیدا کر رہی ہیں۔ جس سے مراد یہ ہے کہ آیتِ متذکرہ میں بیان ہونے والا واقعہ بہر صورت رونما ہو کر رہے گا۔ کیونکہ یہ ترکیب مستقبل میں صدورِ فعل پر دلالت کیا کرتی ہے۔ لہذا یہ آیت پیشگوئی کے اعتبار سے ایک چیلنج کے طور پر نازل کی گئی اور لَتَرۡکَبُنَّ کے اعلان سے قبل پے در پے قسموں کا ذکر منکرین قرآن کے لیے اس چیلنج میں مزید شدت اور سنجیدگی پیدا کرنے کے لیے تھا۔ مستزاد یہ کہ لَتَرۡکَبُنَّ جمع کا صیغہ ہے اور صیغہ جمع عام طور پر عربی زبان میں کم از کم تین کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہو گئی کہ لَتَرۡکَبُنَّ کے فاعل کم از کم تین افراد ہوں گے۔ جو ایک طبق سے دوسرے تک پرواز کر کے جائیں گے۔

اب پھر آیات اور ان کی ترکیب ملاحظہ کیجئے۔ قرآن قسم کھا رہا ہے کہ ''قسم ہے چاند کی جب وہ پورا ہو جائے۔ اے بنی آدم تم میں سے کم از کم تین افراد پرواز کریں گے۔ کہاں سے کہاں تک؟ ''طبقاً عن طبقٍ'' ایک طبق سے دوسرے طبق تک۔ پہلا طبق تو یقیناً زمین ہے کیونکہ مخاطب اہلِ زمین تھے اور کسی دوسرے طبق تک جائیں گے۔ دوسرے طبق کا تعین بھی حکیمانہ انداز میں کیا گیا۔ اگر یہاں دوسرے طبق کے لفظ کی بجائے سیدھا چاند ہی

کہہ دیا جاتا تو پھر تسخیرِ کائنات کی مہم صرف طبقِ مہتاب تک محصور و محدود ہوکر رہ جاتی اور ربِ ذوالجلال کو یہ منظور نہ تھا کہ انسان کی پرواز زمین کے بعد چاند پر جاکر رک جائے بلکہ وہ چاند کے بعد دیگر اجرامِ فلکی کی تسخیر بھی چاہتا تھا۔ اس لیے لفظ طبق کو تنوین کے ساتھ عام کر دیا تاکہ یکے بعد دیگرے انسان اجرام وطبقاتِ کائنات کو تسخیر کرتا چلا جائے اور رازِ کائنات فاش کرنے کی مہم جاری رہ سکے۔ لیکن پہلا طبق جس پر اولاً انسان پہنچے گا وہ چاند ہوگا۔ اس لیے اس کی قسم پہلے کھائی گئی۔ کیونکہ زمین کے سب سے زیادہ قریب چاند ہی کا طبق تھا۔ باقی سب اس کے مقابلے میں دور تھے۔ آج سے چودہ سو سال قبل اہلِ زمین کو یہ پیشین گوئی سنائی گئی کہ تم میں سے کم از کم تین شخص کسی چیز پر سوار ہوکر پرواز کریں گے اور زمین کے طبق سے چاند تک پہنچیں گے۔ لیکن تسخیرِ مہتاب (Conquest of the moon) کے بعد انسان کی تگ و دو ختم نہیں ہوجائے گی بلکہ جاری رہے گی۔ اب اسی طرح مریخ (Mars) کے طبق تک بھی انسان رسائی حاصل کرتا دکھائی دے رہا ہے۔ انسانی پرواز کی یہ کامیاب کاوشیں دراصل واقعہ معراج کی صحت و حقانیت پر روشن مادی دلیلیں بنتی جا رہی ہیں۔ بقول اقبالؒ

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ معجزات و کرامات جن کے امکان و وقوع کو انسانی عقل منطقی پیمانوں پر سمجھنے سے قاصر تھی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ نے کسی حد تک ان کے سمجھنے کی مادی اور عقلی بنیادیں فراہم کر دی ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ امر منکشف ہوتا جا رہا ہے کہ انسان جسے ایک دور میں ناممکن سمجھتا ہے وہ مستقبل میں نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہوجاتا ہے۔ اس لئے نام نہاد تعقل پسند طبقے کے انکارِ خوارق کی یہ دلیل کہ یہ بات عقل کے خلاف ہے اور سمجھ میں نہیں آتی قابلِ التفات نہیں رہتی۔ کیونکہ عقل کا انحصار

صرف محسوسات و مشاہدات پر ہوتا ہے اور جب تک کوئی حقیقت محسوس نہ ہو یا اس کی کوئی مثل مشاہدے میں نہ آئی ہو۔ عقل اس کے امکان کو کیونکر سمجھ سکتی ہے۔ اس لیے عقل کا فیصلہ جزئی و اضافی ہوتا ہے۔ وہ کلی و مطلق نہیں ہوسکتا۔ جب کہ قرآن کا ہر دعویٰ ابدی ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ انسانی عقل قرآن کے بعض دیگر دعاوی و اعلانات کو آج ممکن نہ سمجھے لیکن مستقبل کے کسی دور میں وہ سب کچھ ممکن اور واقع نظر آنے لگے۔ لہذا محض عقل کے قصورِ فہم کی بناء پر کسی حقیقت کا انکار کر دینا نادانی ہے۔ عافیت ایمان بالغیب میں ہی ہے۔

مزید برآں تسخیرِ ماہتاب کی متذکرہ بالا قرآنی تعبیر کی نسبت اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس موقع پر تین امریکی سائنسدانوں میں سے صرف دو چاند کی سطح پر اترے تھے اور تیسرا شخص چاند گاڑی کے اس حصے پر رہا تھا۔ جو چاند کے گرد گھومتا رہا تاکہ بعد ازاں گاڑی کے چاند پر اترنے والے حصے کو ساتھ ملا کر واپس لا سکے۔ لہذا لترکبن کا اطلاق تین افراد پر کیسے ہوگیا۔ یہ اعتراض دراصل غور و فکر نہ کرنے کے باعث پیدا ہوگا۔ بات چاند کی سطح پر اترنے کی نہیں بلکہ چاند کے طبق تک پہنچنے کی ہو رہی ہے اور یہی "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ" کے الفاظ سے مستفاد ہے۔ اس امر کا اعتراف تو صاحبِ اعتراض کو بھی ہوگا کہ اس طبق تک تو تین ہی افراد پہنچے۔ ایک گاڑی پر چاند کے گرد گھومتا رہا اور دو اس کی سطح پر اتر گئے۔ طبق محض کسی سیارے کی سطح (Soil Surface) کو نہیں کہتے بلکہ کسی سیارے اور اس کے گرد فضائی حدود پر مشتمل اس وسیع و عریض حلقے کو کہتے ہیں جہاں تک اس سیارے کی کششِ ثقل (Force of Gravitation) اثر انداز ہوتی ہے اور یہ علاقہ یا طبق سیارے کی سطح کے گرد فضا میں ہزاروں میل تک محیط ہوتا ہے۔ جس طرح ہوائی جہاز کی پرواز زمین کی سطح پر نہیں بلکہ اس سے اوپر فضا میں ہزاروں فٹ کی بلندی پر ہوتی ہے۔ لیکن طبقِ ارضی میں ہی تصور کی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن بھی طبقِ ارضی سے پرواز کر کے انسان

کے دیگر طبقاتِ فلکی تک پہنچنے کی یہ پیشین گوئی کر رہا ہے۔ انسان کی ایسی کامیابیوں کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کائنات کے اندر یعنی آسمانوں اور زمین کی وسعتوں میں جو کچھ موجود ہے وہ انسان کے لیے تخلیق کیا گیا اور انسان ہی کے لیے مسخر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ [1]

اور اس نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔

اس کے بعد سورہ انشقاق کی زیرِ مطالعہ آیت سے آگے فرمایا گیا:

فَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ [2]

پس انہیں کیا ہے پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

اے فرزندانِ آدم! تم میں سے کچھ افراد زمین سے اٹھ کر چاند کے طبق تک پہنچیں گے۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ ہمارے اس دعوے کے پورا ہو جانے اور اس طبق پر بھی ہماری قدرت کا نظام دیکھ لینے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔ ایمان نہ لانے کا ذکر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تسخیرِ ماہتاب کی مہم غیر مسلموں کے ہاتھ سے سر ہو گی۔ آپ نے دیکھ لیا کہ تین غیر مسلم سائنسدان چاند تک پہنچے، وہاں بھی تخلیقِ خداوندی کے مناظر دیکھے۔ اس کے نظامِ قدرت کا مشاہدہ کیا۔ لیکن قرآنی دعوے کے مطابق ان کی قوم قرآن کی حقانیت پر ایمان نہ لائی۔

تسخیرِ کائنات کے مذکورہ بالا قرآنی بیان کی تصدیق ایک غیر مسلم فرانسیسی سکالر Maurice Bucaille نے اپنی کتاب "The Bible The Quran and Science" کے صفحات نمبر ۱۴۹ تا ۱۵۱ پر "The Quran and Modern

---

[1] الجاثیہ ۴۵: ۱۳ [2] الانشقاق ۸۴: ۲۰

"Science" کے باب میں "The Conquest of Space" کے زیر عنوان
ان الفاظ سے فراہم کی ہے۔

"THE CONQUEST OF SPACE"

From this point of view three verses of the Qur'an should command our full attention. One expresses, without any trace of ambiguity, what man should and will achieve in this field. In the other two, God refers for the sake of the unbelievers in Makka to the surprise they would have if they were able to raise themselves up to the Heavens; He alludes to a hypothesis which will not be realized for the latter!

There can be no doubt that this verse indicates the possibility men will one day achieve what we today call (perhaps rather improperly) 'the conquest of space'. One must note that the text of the Qur'an predicts not only penetration through the regions of the Heavens, but also the Earth, i.e. the exploration of its depths.

1) The first of these verses is sura 55, verse 33: "O assembly of Jinns and Men, if you can penetrate regions of the heavens and the earth, then penetrate them! You will not Penetrate them save with a Power."

2) The other two verses are taken from sura 15, (verses 14 and 15). God is speaking of the unbelievers in Makka, as the context of this passage in the sura shows:

"Even if we opened unto them a gate to Heaven and they were to continue ascending therein, they would say: our sight is confused as in drunkenness. Nay, we are

people bewitched."

The above expressess astonishment at a remarkable spectacle, differeent from anything man could imagine.

When talking of the conquest of space therefore, we have two passages in the text of the Qur'an: one of them refers to what will one day become a reality thanks to the powers of intelligence and ingenuity God will give to man, and the other describes an event that the unbelievers in Makka will never witness, hence its character of condition never to be realized. The event will however be seen by others, as intimated in the first verse quoted above. It describes the human reactions to the unexpected spectacle that travellers in space will see: their confused sight, as in drunkenness, the feeling of being bewitched...

This is exactly how astronauts have experienced this remarkable adventure since the first human space flight around the world in 1961. It is a completely new spectacle therefore that presents it self to men in space, and the photographs of this spectacle are well known to present-day man.

خلا کی تسخیر

اس نقطۂ نظر سے قرآن کی تین آیتوں پر ہماری پوری توجہ مرکوز ہونی چاہیے' ان میں سے ایک بغیر کسی ابہام کے اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ انسانوں کو اس میدان میں کیا چیز حاصل کرنی چاہیے اور کیا وہ حاصل کرے گا۔ باقی دو میں اللہ تعالیٰ منکرین مکہ کی خاطر

فرماتا ہے کہ انہیں کس قدر حیرت ہوگی اگر وہ خود کو آسمانوں کی بلندیوں تک پہنچا سکے۔ وہ ایک تمثیل دیتا ہے، جس کو مؤخر الذکر محسوس نہیں کرے گا۔

(۱) ان آیات میں سب سے پہلی صورت ۵۵ کی آیت ۳۳ ہے:۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ [۱]	اے گروہ جن و انس، اگر تم زمین اور آسمانوں کی سرحدوں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو نہیں بھاگ سکتے۔ اس کے لیے بڑی قوت کی ضرورت ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ یہ آیت اس امکان کو ظاہر کرتی ہے کہ ایک دن انسان وہ مقصد حاصل کرلے گا جس کو آج ہم (غالباً غیر موزوں طریقہ پر) ''خلا کی تسخیر'' کا نام دیتے ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ قرآن کا متن نہ صرف اقطار السمٰوٰت کے بیچ سے نفوذ کی پیشنگوئی کرتا ہے بلکہ ''ارض'' کے بیچ سے بھی نکل جانے یعنی اس کی گہرائیوں کی دریافت کا بھی پتہ دیتا ہے۔

(۲) دوسری دو آیتیں سورۃ ۱۵ سے لی گئی ہیں (آیت ۱۴ اور آیت ۱۵) اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ سے ارشاد فرمارہا ہے جیسا کہ محولہ بالا سورۃ میں اس عبارت کے سیاق سے پتہ چلتا ہے۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ	اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیتے اور وہ دن دہاڑے اس میں چڑھنے بھی لگتے تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکا ہو رہا ہے بلکہ ہم پر

[۱] الرحمٰن، ۵۵: ۳۳

مَسْحُوْرُوْنَ O [۱]   جادو کر دیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے ایک عجیب وغریب نظارہ پر تحیر کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ نظارہ اس سے مختلف ہے جو کوئی بشر تصور میں لا سکتا ہے۔

لہذا جب خلا کی تسخیر پر گفتگو کی جاتی ہے تو ہمیں قرآن کے متن میں دو عبارتیں ملتی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو اس بات کی اطلاع دیتی ہے جو فہم وذکا کی ان قوتوں کی بدولت جو اللہ تعالیٰ انسان کو عطا کریگا حقیقت بن کر سامنے آ جائیگی۔ دوسری اس واقعہ کا ذکر کرتی ہے جو منکرین مکہ کے مشاہدہ میں کبھی نہیں آئیگا۔ لہذا یہ شرط کی وہ نوعیت ہے جو کبھی حقیقت کے لباس میں جلوہ گر نہیں ہوگی تاہم اس واقعہ کو دوسرے لوگ دیکھیں گے جیسا کہ مذکورہ بالا پہلی آیت میں بتایا گیا ہے۔ اس میں ان غیر متوقع مناظر پر انسانی ردعمل کا ذکر کیا گیا ہے جو خلا کے مسافروں کے مشاہدہ میں آئیں گے' ان کی مبہوت ومسحور بینائی جیسی کہ خمار بادہ کی حالت میں ہوتی ہے اور سحر زدگی کا احساس۔

یہ ٹھیک وہی چیز ہے جس کا تجربہ ۱۹۶۱ء میں دنیا کے گرد پہلی انسانی خلائی پرواز کے وقت سے خلابازوں کو ہوا ہے۔ یہ بات بطور حقیقت نفس الامری معلوم ہوتی ہے کہ کس طرح جب کوئی شخص کرۂ باد میں کچھ بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو آسمان اس طرح نیلگوں دکھائی نہیں دیتا جس طرح کہ اس کا ہمیں زمین سے مشاہدہ ہوتا ہے یہ نیلگونی نتیجہ ہے اس چیز کا کہ کرۂ باد کے طبقات سورج کی روشنی کو جذب کر لیتے ہیں۔ زمین کے کرۂ باد سے اوپر خلا میں پہنچ جانے والے انسان کو ایک سیاہ آسمان کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور زمین ایک نیلے رنگ کے ہالے میں لپٹی ہوئی دکھائی دیتی ہے جس کا سبب زمین کے کرۂ باد کے روشنی کو جذب کر لینے کا حادثہ ہوتا ہے لیکن چاند کا کوئی کرۂ باد نہیں ہے اور اس لیے کرۂ ارض آسمان کے سیاہ پس منظر میں اپنے اصلی رنگوں کے ساتھ دکھائی دیتا ہے لہذا یہ ایک بالکل ہی نیا منظر ہوتا

---

[۱] الحجر' ۱۵: ۱۴

ہے جو خلا میں انسان کی آنکھوں کے آگے آتا ہے موجودہ دور کے انسان کیلئے اس منظر کے فوٹوگراف نہایت معروف شے ہے۔

چنانچہ یہ دعوے بجا طور پر حق ہے کہ کائنات کے اندر جو کچھ ہو چکا یا ہونے والا ہے۔ اس کا ذکر قرآن کے اندر موجود ہے۔

چوتھی شہادت:

جامعیتِ قرآن کی نہایت وسیع اور عملی شہادت یہ بھی ہے کہ قرآن اپنی تعلیمات کے اعتبار سے انسان کی نجی زندگی کی فکری و عملی ضروریات سے لے کر عالمی زندگی کے جملہ معاملات پر حاوی ہے۔ حیاتِ انسانی کا مذہبی و روحانی پہلو ہو یا مادی و جسمانی' عائلی و خاندانی پہلو ہو یا سماجی و معاشرتی' سیاسی و معاشی پہلو ہو یا تعلیمی و ثقافتی' حکومت و سلطنت کی تاسیس ہو یا ادارت کی تشکیل' مختلف طبقاتِ انسانی کے نزاعات و معاہدات ہوں یا اقوامِ عالم کے باہمی تعلقات' الغرض قرآنی احکام و تعلیمات اس قدر جامع ہیں کہ ہر مسئلے میں اصولی رہنمائی قرآن ہی سے میسر آتی ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے علماء نے آیاتِ قرآنی کی تقسیم بھی کی ہے۔ معروف قول کے مطابق قرآن حکیم کی کل آیات (٦٦٦٦) کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔ آیاتِ اُمر (۱۰۰۰) آیاتِ نہی (۱۰۰۰) آیاتِ وعدہ (۱۰۰۰) آیاتِ وعید (۱۰۰۰) آیاتِ مثال (۱۰۰۰) آیاتِ قصص (۱۰۰۰) آیاتِ تحلیل (۲۵۰) آیاتِ تحریم (۲۵۰) آیاتِ تسبیح (۱۰۰) آیاتِ متفرقہ (٦٦)

قرآنی احکام کا بیان و استنباط کہیں ''عبارۃ النص'' سے ہوتا ہے اور کہیں ''اشارۃ النص'' سے کہیں ''دلالۃ النص'' سے ہوتا ہے اور کہیں ''اقتضاء النص'' سے کہیں اس کا انداز حقیقت ہے کہیں مجاز' کہیں صریح ہے کہیں کنایۃً کہیں ظاہر ہے کہیں خفی' کہیں مجمل ہے کہیں مفسر' کہیں مطلق ہے کہیں عام ہے کہیں خاص۔ الغرض قرآنی تعلیمات مختلف صورتوں اور

طریقوں میں موجود ہیں۔ ان میں اصل احکام (Substantive Laws) بھی ہیں اور ضابطہ جاتی (Procedural Laws) بھی جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا [۱]	ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک اصل قانون بنایا اور ایک اس کا ضابطہ و طریق کار

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے تمام شعبہ ہائے حیات سے متعلق قوانین اور اصول وضوابط کا استخراج اصلاً قرآن ہی سے کیا ہے۔

اسی طرح قرآن علوم کے بیان کے اعتبار سے بھی جامع و مانع ہے۔ دنیا کا کوئی مفید علم ایسا نہیں جس کا سرچشمہ قرآن نہ ہو' قاضی ابوبکر بن عربیؒ اپنی کتاب ''قانون التاویل'' میں ابتدائی طور پر قرآنی علوم کی تعداد ستتر ہزار چار سو پچاس (۷۷۴۵۰) بیان کرتے ہیں۔ یہی تعداد قرآن مجید کے کلمات کی بھی ہے تو اس سے یہ حقیقت مترشح ہوئی کہ قرآن حکیم میں الحمد سے والناس تک استعمال ہونے والا ہر کلمہ یقیناً کسی نہ کسی مستقل علم اور فن کی بنیاد ہے۔ گویا ہر قرآنی حرف سے کوئی نہ کوئی علم اور فن جنم لے رہا ہے۔ یہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی یہ حدیثِ رسول اللہ ﷺ بھی پیشِ نظر رہے کہ قرآن کے ہر حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور پھر ہر ظاہر و باطن کے لیے ایک حدِ آغاز ہے اور ایک حدِ اختتام۔ اس لحاظ سے ہر قرآنی حرف کے چار پہلو متعین ہوئے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن عربیؒ متذکرۃ الصدر تعداد کو پھر چار سے ضرب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ درحقیقت قرآنی علوم کی تعداد کم از کم تین لاکھ نو ہزار آٹھ سو (۳،۰۹،۸۰۰) ہے۔ یہ تو ایک بزرگ کی وسعتِ نظر ہے۔ فکر ہر کس بقدرِ ہمت اوست۔ امام رازیؒ سے پوچھیں تو وہ فرماتے ہیں کہ صرف تعوذ وتسمیہ (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اور بسم اللہ

---

[۱] المائدہ' ۵: ۴۸

الرحمن الرحیم) میں لاکھوں مسائل کا بیان ہے اور باقی آیات وکلمات کا تو ذکر ہی کیا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علوم کے اعتبار سے بھی قرآن کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ ان کی صحیح تعداد کا نہ شمار ہو سکتا ہے اور نہ اندازہ۔ ایسے اقوال یا تو ان اکابر کی تحقیقات ہیں یا ان کے ذاتی انکشافات، درحقیقت قرآنی علوم احصاء وتحدید سے ماوراء ہیں۔ کوئی علم ہو یا فن، کوئی صنعت وحرفت ہو یا پیشہ تجارت، جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی کوئی دریافت ہو یا علومِ قدیمہ کی، اس کائنات میں کوئی ایسی شے معرضِ وجود میں نہیں آئی اور نہ آسکتی ہے جس کا ذکر خلاقِ عالم نے کسی نہ کسی انداز سے قرآن مجید میں نہ کر دیا ہو۔

فلسفہ (Philosophy) تمام علوم کا سرچشمہ اور مبداء تصور کیا جاتا ہے۔ علم طبعیات (Physics) اور علم حیاتیات (Biology) بھی ابتداء فلسفے ہی کا حصہ تھے۔ طبیعی کائنات کے حقائق سے بحث کرنے والے علوم یہی تین ہیں۔

فلسفہ شروع سے آج تک تین چیزوں سے بحث کرتا چلا آیا ہے کہ حقیقت کیا ہے؟ علم کیا ہے اور کیونکر ممکن ہے؟ اعلیٰ ترین نصب العین کیا ہے؟ گویا فلسفے کی بحث حقیقت علم اور نصب العین سے ہے۔ اسی طرح طبعیات کا موضوعِ تحقیق یہ ہے کہ موجوداتِ عالم اور مظاہر طبیعی کا آغاز کب ہوا؟ کس طرح ہوا؟ اور ان مظاہر طبیعی کی حرکت کی علت کیا ہے؟ حیاتیات کا موضوع یہ ہے کہ انسان اور دیگر مظاہر حیات کی اصل کیا ہے؟ اور تمام مظاہر حیات کی حرکت اور زندگی کی علت کیا ہے؟ تینوں علوم کا خلاصہ مبحث یہ ہوا کہ:

فلسفہ کائنات کی حقیقت، اعلیٰ نصب العین اور اس کے علم کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ طبعیات مظاہرِ طبیعی اور ان کی حرکت کو جاننے میں مصروف ہے۔ جب کہ حیاتیات مظاہرِ حیات کے آغاز اور ان کے ارتقاء کو سمجھنے میں مشغول ہے۔ آج تک یہ علوم اقدام و خطا (Trial & Error) کے انداز میں اپنی ارتقائی منازل طے کرتے چلے آرہے ہیں اور ان میں سے کسی ایک ماہرِ علم وفن نے بھی یہ حتمی دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے مظاہرِ حیات

کے نقطہ آغاز کو یقینی طور پر جان لیا یا اس نے ان کی حرکت کی علت کو حتمی طور پر متعین کر لیا ہے۔ اسی طرح اہلِ فلسفہ آج تک یہ دعویٰ نہیں کر سکے کہ یہ حقیقت' کائنات کی حتمی و ابدی حقیقت ہے۔ ہندوستان کے نو کے نو فلسفے نفسِ ناطقہ کو بھی حقیقت مانتے ہیں اور مادہ کو بھی۔

فلسفہ اور قرآن

ہزاروں سال کی انسانی جدوجہد کے باوجود آج تک یہ علوم وفنون اپنی صحت اور کمال کی حتمی منزل کو نہیں پہنچ سکے۔ لیکن آخری الہامی کتاب قرآن کا یہ عالم ہے کہ سورہ علق کی صرف پہلی ہی پانچ آیتوں نے فلسفے کے تمام مسائل کو حل کر دیا ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں:

۱. اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَO	پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے (سب کچھ) پیدا فرمایا انسان کو خون کے
۲. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍO	چھٹکے (یا داعیہ محبت) سے تخلیق کیا۔
۳. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُO	پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ
۴. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِO	بزرگی والا ہے۔ جس نے قلم سے لکھنا
۵. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْO [۱]	سکھایا (جس نے) انسان کو وہ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اگر غور کریں تو ان آیات میں فلسفہ کے جملہ موضوعات اور ان کے حتمی جوابات بیان کر دیے گئے ہیں۔

ان آیات کی تفسیر اور وضاحت اپنے موقع پر کی جائے گی۔ یہاں صرف اس قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ اس کائنات کی حقیقتوں کو جاننے کے لیے آج تک تاریخ انسانی میں جتنی فلسفیانہ کوششیں ہوئی ہیں۔ وہ سب قطعیت و حتمیت سے محروم ہیں۔ لیکن قرآن کی

---

[۱] العلق' ۱۔۵

جامعیت وقطعیت کا یہ عالم ہے کہ صرف پانچ مختصر آیات میں فلسفے کے تمام موضوعات' مسائل تحقیق اوران کے حتمی جوابات کی نشاندہی کردی گئی ہے۔اب یہ اہلِ تحقیق کا کام ہے کہ وہ اس رخ پر ریسرچ کریں اوران حقائق کائنات کی کامل معرفت حاصل کریں۔

سائنس اور قرآن

اسی طرح طبیعی اور حیاتیاتی سائنس جن مسائل پر تحقیق سے عبارت ہے۔وہ اصطلاحات کی صورت میں درج ذیل ہیں:۔

۱۔تخلیقِ کائنات اوراس کا تشکیلی نظام — Creation of Universe and Its Structural System)

۲۔زمانہ ہائے تخلیق اورادوارارتقاء — Periods of Creation and Eras of Euolution)

۳۔ وجودِ کائنات کی طبیعی اور کیمیائی اساس — Physical And Chemical Basis of The Formation of Universe)

۴۔زمین اورظہورِزندگی — Earth And Appearance of Life

۵۔ ارتقائے حیات کے طبیعی اور کیمیائی مراحل — Physical And Chemical Process of Evolution of Life

۶۔اجرامِ فلکی کی ماہیت اورنظامِ کار — Nature And Phenomena of Heavenly Bodies)

۷۔انسانی زندگی کا آغازاورنظام ارتقاء — Origin of Human Life And its Development)

۸۔نباتات وحیوانات کی زندگی — The Vegetable And Animal Kingdoms)

۹۔افزائش نسل انسانی کانظام — System of Human Production And Self Perpetuation)

ان تمام سائنسی موضوعات پر قرآن حکیم نے بہت سا بنیادی موادفراہم کیا ہے جو اس میں سینکڑوں مختلف مقامات پر مذکور ہے۔ہم استشہاد کے طور یہاں صرف تین مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

١. اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا
فَفَتَقْنٰهُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ
شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ O وَجَعَلْنَا
فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَبِهِمْ
وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ
يَهْتَدُوْنَ O وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا
مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا
مُعْرِضُوْنَ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ
وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ
فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ O وَمَا جَعَلْنَا
لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ
مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ O [١]

کیاان کافروں نے اس پر غور نہیں کیا کہ
کائنات کے بالائی اور زیریں حصے'
دونوں باہم پیوست تھے یعنی ایک تخلیقی
وحدت(Unit of Creation) کی
صورت میں موجود تھے ۔ہم نے ان
دونوں کو جدا جدا کر کے کھول دیا اور ہم
نے ہر جاندار چیز کو پانی سے تخلیق کیا۔کیا
وہ اب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ہم
نے زمین کی تیز رفتار یکے باعث اس
میں پیدا ہونے والی جنبش کو ختم کرنے
کے لیے اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال
دیئے۔تا کہ وہ اپنے اوپر بسنے والی مخلوق
کو لے کر کانپے بغیر حرکت پذیر ہے اور
ہم نے اس میں (بحری' بری اور فضائی
کشادہ راستے بنائے تا کہ لوگ اپنی اپنی
منازل سفر تک جاسکیں اور ہم نے آسمانی
کائنات کو محفوظ چھت بنایا۔اور (کیا) وہ
اس کی نشانیوں سے اب بھی روگرداں
ہیں؟ اور وہی ذات ہے جس نے رات

---

١ الانبیاء ٢١: ٣٠-٣٣

اور دن بنائے اور سورج اور چاند جو اپنے اپنے مدار اور فلک میں گردش پذیر ہیں اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر (ارضی مخلوق) کو ایسی ہمیشگی اور دوام نہیں بخشا (کہ وہ ہمیشہ اپنے حال پر بدلے یا ختم ہوئے بغیر قائم رہی ہو)۔ اگر آپ انتقال فرما گئے تو کیا یہ طعن زنی کرنے والے ہمیشہ رہیں گے؟

٢۔وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ○اَلَمْ تَرَكَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا○وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا○وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ○ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ○وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ○لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا○ [١]

حالانکہ اس نے تمہیں نوع بنوع اور درجہ بدرجہ تخلیق کیا۔ یعنی تمہیں تخلیق کے کئی مراحل، ادوار اور احوال سے گزار کر مکمل کیا۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ نے کس طرح آسمانی کائنات کے سات تدریجی طبقات بنائے اور ان میں چاند کو انعکاسی نور سے روشن کیا اور سورج کو چراغ (کی طرح روشنی کا منبع) بنایا۔ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے سبزے کی طرح اٹھایا۔ پھر وہ تمہیں اسی میں لے جائیگا۔ اور تمہیں دوبارہ نئی زندگی کے ساتھ باہر نکالے گا اور اللہ نے تمہارے لیے زمین

---

[١] نوح، ٧١: ١٤۔٢٠

کو بچھایا ہوا قطعہ بنایا۔ تا کہ تم اس کے کشادہ راستوں پر چلو۔

۳۔اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَالَکُمْ
مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا
تَتَذَکَّرُوْنَ Oیُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ
السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ
اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ
اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ Oذٰلِکَ
عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ
الرَّحِیْمُOالَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ
خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ
طِیْنٍO ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ
مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍOثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ
فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَکُمُ
السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ
قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَO [1]

’’اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں یعنی چھ ادوار میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش یعنی کائنات کے تختِ اقتدار پر جلوہ افروز ہوا۔ اسے چھوڑ کر نہ تمہارا کوئی کارساز ہے نہ سفارشی۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ وہ اپنے اوامر اور معاملات کی تدبیر آسمان سے اس لیے کرتا ہے کہ زمین یعنی نچلی کائنات میں ان کا نفاذ اور تعمیل ہو، پھر وہ امور رفتہ رفتہ اسی کی طرف اوپر اٹھائے جائیں گے۔ اس تدریجی مرحلے کی تکمیل ایک دن (One Era of Evolution) میں ہوگی جس کا عرصہ تمہارے شمار کے مطابق ہزار سال پر محیط ہے۔ وہی ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا (اور) عزت و رحمت والا ہے۔ جس نے ہر اس چیز کو جسے اس نے پیدا کیا‘ (اس کے حال کے مطابق)

---

[1] السجدہ‘ ۳۲: ۴-۹

نہایت احسن اور مناسب صورت
میں تشکیل دیا۔ اوراس نے ☆

☆انسانی تخلیق کی ابتداء زمین کی مٹی یعنی غیر نامی مادے (Inorganic Matter) سے کی' پھراس کی نسل کو کمزور اور بے قدر پانی (Despised Fluid) کے نچوڑ سے چلایا۔ پھراس وجود کو صحیح شکل وصورت دی اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ یعنی اسے زندگی عطا کی' بعد ازاں تمہیں سماعت اور دل ودماغ (Physical & Mental Faculties) سے نواز دیا لیکن تھوڑے لوگ ہی ان نعمتوں پر شکر بجالاتے ہیں۔ یعنی ان کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔''

اگر آپ مذکورہ بالا تین مقامات پر ہی غور وفکر کریں تو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ طبیعات (Physics) اور حیاتیات (Biology) کے جملہ مسائل پر اصولی اور بنیادی رہنمائی قرآن میں موجود ہے۔ قرآن کی اسی وسعتِ علمی کا نام ''جامعیت'' ہے جو اس کی وجہ تسمیہ ہے

پانچویں شہادت-----قرآن تمام نقلی فنون کا ماخذ ہے

علوم وفنون کے اعتبار سے جامعیتِ قرآن کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ علماءِ اسلام نے جملہ علوم کی انواع واقسام سب قرآن حکیم سے ہی اخذ کی ہیں۔ قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ میں جب علوم وفنون کی باقاعدہ تقسیم اور علم وفن کی تفصیلات مرتب کرنے کا کام سرانجام دیا جانے لگا تو علماء کی ایک جماعت نے لغات وکلماتِ قرآن کے ضبط وتحریر کا فریضہ اپنے ذمہ لے لیا۔ اس نے مخارجِ حروف کی معرفت' مدِّ کلمات کا شمار سورتوں اور منزلوں کی گنتی' سجدات وعلاماتِ آیات کی تعداد وتعیین' حصرِ کلمات' متشابہ ومتماثلہ آیات کا احصاء' الغرض تعرّضِ معانی ومطالب کے بغیر جملہ مسائلِ قرأت کا کام سرانجام دیا۔ ان کا

نام قراء رکھا گیا اور اسی طرح "علم القرأة و التجوید" منصۂ شہود پر آیا۔ بعض نے قرآن کے معرب ومبنی' اسماء وافعال اور حروفِ عاملہ وغیر عاملہ وغیرہ کی طرف توجہ کی تو "علم النحو" معرض وجود میں آیا۔ بعض نے الفاظِ قرآن' ان کی دلالت و اقتضاء اور ان کے مطابق ہر حکم کی تفصیلات بیان کیں تو "علم التفسیر" وجود میں آیا۔ بعض نے قرآن کے ادلہ عقلیہ اور شواہد نظریہ کی جانب التفات کیا اور اللہ تعالیٰ کے وجود و بقاء' قدم و وجوب' علم و قدرت' تنزیہہ و تقدیس' وحدانیت والوہیت' وحی ورسالت' حشر ونشر' حیات بعد الموت اور اس قسم کے دیگر مسائل بیان کیے تو "علم الاصول" اور "علم الکلام" وجود میں آئے۔ پھر انہی اصولیین میں سے بعض نے قرآن کے معانی خطاب میں غور کیا اور قرآنی احکام میں اقتضاء کے لحاظ سے عموم وخصوص' حقیقت ومجاز' صریح وکنایہ' اطلاق وتقلید' نص' ظاہر' مجمل' محکم' خفی' مشکل' متشابہ' امر ونہی اور نسخ وغیرہ میں کلام کیا' انواعِ قیاس اور دیگر ادلہ کا استخراج کیا تو فنِ "اصول فقہ" تشکیل پذیر ہوا۔ بعض نے قرآنی احکام سے حلال وحرام کی تفصیلات و فروعات طے کیں تو "علم الفقہ" یا "علم الفروع" کو وجود ملا۔

بعض نے قرآن سے گزشتہ زمانوں اور امتوں کے واقعات وحالات کو جمع کیا اور آغازِ عالم سے قیامت تک کے آثار ووقائع کو بیان کیا' اس طرح "علم التاریخ" اور "علم القصص" وجود میں آئے۔ بعض نے قرآن سے حکمت وموعظت' وعد و وعید' تحذیر و تبشیر' موت ومعاد' حشر ونشر' حساب وکتاب اور جنت ونار کے بیانات اخذ کیے۔ جس سے "علم التذکیر" اور "علم الوعظ" کی تشکیل ہوئی۔ بعض نے قرآن سے مختلف خواب اور ان کی تعبیر کے اصول اخذ کیے تو "علم تعبیر الرؤیا" کی تشکیل ہوئی۔ بعض نے قرآن سے "علم المیراث" اور "علم الفرائض" کی تفصیلات بیان کیں۔ بعض نے رات' دن' چاند سورج اور ان کی منازل وغیرہ کے قرآنی ذکر سے "علم المواقیت" حاصل کیا۔ بعض نے قرآن کے حسن الفاظ' حسن سیاق' بدیع نظم اور اطناب وایجاز وغیرہ سے "علم المعانی"' "علم البیان"

اور ''علم البدیع'' کو مدون کیا۔ عرفاءِ کاملین نے قرآن میں نظر وفکر کے بعد اس سے معانی باطنہ اور دقائق مخفیہ کا انکشاف کیا۔ انہوں نے اس سے تزکیہ وتصفیہ' فناء و بقاء' غیبت وحضور' خوف وہیبت' اُنس ووحشت اور قبض وبسط وغیرہ کے حقائق وتصورات بھی اخذ کیے۔ جن سے ''علم التصوف'' کی تشکیل ہوئی۔

بعض علماء نے قرآن سے طب' ہیئت' ہندسہ' جدل' جبر و مقابلہ' نجوم اور مناظر وغیرہ کے علوم وفنون اخذ کیے اوران کی تفصیلات بھی طے کیں۔ اس طرح یہ مقدس اور جامع الہامی کتاب بالفعل دنیا کے ہر فن اور علم کے لیے منبع وسر چشمہ قرار پا گئی۔

امام موسیٰؒ نے مزید تفصیل کے ساتھ مذکورہ بالا موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ جس کی تلخیص امام جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان میں کی ہے۔ الغرض دنیا میں موجود ہر فن و صنعت جو انفرادی' اجتماعی اور عالمی سطح پر انسانی زندگی کی بقا ودوام اور فروغ وارتقاء کے لیے ضروری ہے اصلاً قرآن سے ثابت ہے۔ علوم وفنون کے حوالے سے قرآن مجید کی جامعیت کے اس بیان سے یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہوگئی کہ قرآن اپنے ماننے والوں کو محض ذکر وعبادت اور اخلاق وروحانیت کا ہی درس نہیں دیتا بلکہ دنیا میں ہر قسم کی علمی' فنی' صنعتی' سائنسی اور فوجی ترقی کی راہیں بھی کشادہ کرتا ہے تاکہ ملت اسلامیہ ایک ہمہ گیر ترقی پسند امت کے طور پر ابھرے اور آفاقی سطح پر انقلاب بپا کر کے عظیم مقام حاصل کر لے۔ کیونکہ اس کے بغیر عالمگیر غلبہ حق کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اسی کی نشاندہی قرآن نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کے حوالے سے فرمادی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی	اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول معظم کو
وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ	ہدایت اور دین حق دے کر اس لیے بھیجا
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ [1]	کہ اس نظام حق کو دنیا کے تمام نظاموں پر

---

[1] الصف' ۶۱: ۹

غالب کردے۔ خواہ مشرک یعنی کفرو
طاغوت کے علمبردار اس کی مخالفت
کرتے رہیں۔

اسی جامعیت کی بناء پر ربِ ذوالجلال نے اس مقدس کتاب کا نام ''القرآن'' رکھا۔ کیونکہ انبیاء ماسبق کے زمانوں میں وحی کا سلسلہ جاری تھا اور ہر ایک الہامی کتاب کا بدل اگلے زمانوں میں بنی نوع انسان کو کسی دوسری الہامی کتاب یا صحیفے کی صورت میں میسر آ رہا تھا۔ اس لئے ان کتابوں کو اس قدر جامع بنانے کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی کسی کتاب کو ہمیشہ کے لیے اس حیثیت میں باقی رہنا تھا۔ لیکن ان کے برعکس خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد نہ کوئی اور نبی یا رسول آ سکتا تھا اور نہ قرآن کے بعد کوئی آسمانی وحی۔ چنانچہ ضروری تھا کہ نبوتِ محمدی ﷺ کو آفاقی' کائناتی' ابدی' کلی' حتمی' قطعی اور آخری بنانے کے لیے ہر اعتبار سے کامل اور جامع بنایا جائے اور اس طرح وہ کتاب جو نبی آخر الزماں ﷺ پر نازل ہوئی اسے بھی عالمگیر اور ابدی بنانے کے لیے اس قدر جامع کیا جائے کہ انسانیت کو سب کچھ اس کتاب کے دامن سے میسر آ سکے اور کسی کو دوسری سمت میں متوجہ ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہ رہے۔ لہذا قرآن اپنی جامعیت کا ذکر اس انداز میں کرتا ہے:۔

يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ [1]

وہ اس قرآن کی تلاوت کرتا ہے جو ایسا مقدس صحیفہ آسمانی ہے کہ اس میں تمام آسمانی کتب کے علوم' ان کے ثمرات و مطالب اور حیاتِ انسانی کے تمام مفید و صحیح ضابطے درج ہیں۔

کوئی ضرورت کی چیز جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہو قرآن سے خارج نہیں۔

---

[1] البینۃ ۹۸: ۲۔۳

باوجود قلتِ حجم کے اس میں وہ تمام علوم و معارف بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جن کا احصاء و استیفاء کوئی فرد نہیں کر سکتا تھا۔ خود قرآن اعلان کرتا ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ [۱]	اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم بن جائیں اور سمندر ان کی سیاہی۔ اس کے بعد سات سمندر اور ہوں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے (یعنی کلامِ الٰہی کی وسعت و جامعیت کا احاطہ نہیں ہو سکے گا) بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

قرآن مجید کے اسی اعجاز جامعیت اور ابدی فیضان کا ذکر کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطی یہ شعر نقل کرتے ہیں:

کالبدر من حیث التفت رایته یھدی الی عینیک نورًا ثاقبًا

کالشمس فی کبد السمآء وضوٴھا یغشی البلاد مشارقًا وّ مغاربًا

(قرآن چودھویں رات کے چاند کی مانند ہے تو اسے جس طرف سے بھی نظر اٹھائے' دیکھے وہ تیری آنکھوں کو چمکتا ہوا نور عطا کرے گا۔ یہ قرآن آفتاب کی طرح آسمان کے وسط میں ہے۔ لیکن اس کی روشنی دنیا کے مشارق و مغارب سب کو ڈھانپ رہی ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے براہِ راست قرآن سیکھنا

مذکورہ بالا سائنسی مباحث اور دلائل سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے

---

۱ لقمٰن' ۳۱:۲۷

کہ کائنات کی ہر شے کا علم قرآن مجید میں موجود ہے اور وہ کتاب برحق جسے جملہ علوم کائنات کا سرچشمہ بنایا گیا ہے اس کا علم اپنی تمام وسعت و جامعیت کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کو عطا کر دیا گیا۔ اس طرح آپ ﷺ کے بے اندازہ وسعتِ علم کو تمام اہل جہاں پر آشکارا کر دیا گیا اور وہ یہ جان گئے کہ پوری کائنات کا علم حضور ﷺ کے علم کے پاسنگ کے برابر بھی نہیں۔ آپ ﷺ کے محیطِ علم کی بیکرانی کے باب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ [۱]	رحمٰن نے (رسول کو کل علم والا یہ) قرآن تعلیم فرمایا (اپنے محبوب رسولِ کامل) انسان کو پیدا کیا۔ انہیں (علوم قرآن کا) بیان سکھایا۔

اس آیہ کریمہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ کس ذات کو دی؟ اس کے بارے میں جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ وہ ذات حبیب کبریا حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔ اب ہم یہاں چند مفسرین کے اقوال ذکر کرتے ہیں:

۱۔ امام خازنؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

الرحمن ○ علم القرآن ○ یعنی علم محمدًا القرآن [۲]	رحمٰن (وہی ہے) جس نے قرآن کی تعلیم دی، یعنی اس نے محمد (ﷺ) کو قرآن کی تعلیم دی۔

امام خازنؒ نے ان آیاتِ کریمہ کی ایک تفسیر یوں بیان کی ہے:

و قیل اراد بالانسان محمدا ﷺ علمه البیان یعنی بیان ما یکون و کان لانه ﷺ ینبئ عن	اور کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد (حضرت) محمد ﷺ ہیں اور بیان سے مراد جو کچھ ہوگا اور جو کچھ ہو چکا ہے اس کا

---

[۱] الرحمن، ۵۵: ۱۔۴ [۲] لباب التاویل، ۴: ۲۰۸

خبر الاولین والآخرین[۱]	بیان ہے کیونکہ نبی ﷺ اولین وآخرین کی خبر دیتے ہیں۔

۲۔ امام بغویؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقال ابن کیسان: (خلق الانسان) یعنی محمدﷺ، (وعلمه البیان) یعنی بیان ماکان وما یکون لانه کان یبین عن الاولین والآخرین وعن یوم الدین[۲]	ابن کیسان فرماتے ہیں! اس آیت کریمہ میں انسان سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور بیان سے مراد جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ اولین وآخرین اور یوم حشر کی خبر دیتے ہیں۔

۳۔ امام صاویؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقیل هو محمدﷺ لانه الانسان الکامل والمراد بالبیان علم ماکان وما یکون وما هو کائن[۳]	اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے کیونکہ وہی انسانِ کامل ہیں اور بیان سے مراد ہے ہر اس واقعے کا علم جو ہو چکا ہے اور ہوگا، اور (قیامت تک) ہونے والا ہے۔

۴۔ امام ابن جوزیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انه محمدﷺ، علمه البیان ماکان وما یکون، وقاله ابن کیسان[۴]	انسان سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور بیان سے مراد ہے جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اور جو آئندہ ہونے والا ہے اور یہ ابن

۱۔ لباب التاویل، ۴: ۲۰۸

۲۔ معالم التنزیل، ۴: ۲۶۷

۳۔ الصاوی علی الجلالین، ۴: ۱۵۳

۴۔ زادالمسیر، ۸: ۱۰۶

کیسان کا قول ہے۔

۵۔ امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

عن ابن عباس ایضاً وابن کیسان: الانسان ھاھنا یراد به محمد صلی اللہ علیہ وسلم، والبیان بیان الحلال من الحرام، والھدی من الضلال و قیل: ما کان ومایکون، لانه بیّن عن الاولین والآخرین و یوم الدین۔[1]

حضرت ابن عباسؓ اور ابن کیسان فرماتے ہیں کہ یہاں انسان سے مرادِ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے اور بیان سے مراد حلال وحرام اور ہدایت وگمراہی کو جدا کرنے والا بیان ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے جو کچھ ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولین و آخرین اور یوم حشر کی خبر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے براہ راست قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو سکھایا اور وہ سارے علوم جو قرآن میں مخفی تھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھا دیئے۔ جب تعلیم دینے والا خود خدا اور متعلّم ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور پڑھا جانے والا نصاب قرآن مجید ہو تو ہمہ خانہ آفتاب است کے مصداق کسی کمی کے رہ جانے کا سوال ہی خارج از بحث ہو جاتا ہے۔ کمی کا سوال تو اس وقت پیدا ہوتا جب تعلیم دینے والا یا تعلیم پانے والے یا پھر کتاب میں کسی قسم کی کمی ہوتی۔ جب پڑھانے والا اور پڑھنے والا دونوں کامل واکمل ہوں اور کتاب بھی مکمل ہو تو پھر کمی کہاں باقی رہے گی۔ یہاں تو عالم ہی اور ہے۔ علم عطا کرنے والی کی عطاؤں کی کوئی انتہا نہیں اور لینے والے کے دامن کی وسعت وکشادگی کا کوئی اندازہ نہیں۔ ایسے میں یہ تصور کرنا کہ کائنات کی کوئی شے علم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر ہو سکتی ہے خام خیالی اور قول بے بنیاد ہے

[1] الجامع لاحکام القرآن، ۱۷: ۱۵۲

قرآن میں احوال غیب کا بیان

قرآن حکیم میں احوال غیب کا بیان کئی اعتبارات سے آیا ہے لیکن یہاں صرف دو کا ذکر کیا جاتا ہے:

(الف) امم سابقہ کے احوال وواقعات

(ب) مستقبل کی پیشین گوئیاں

(الف) اُمَمِ سابقہ کے اَحوال وواقعات

قرآن شریعت محمدی کے مختلف پہلوؤں کے پس منظر کو اجاگر کرنے کے لئے امم سابقہ کے احوال وواقعات بیان کرتا ہے تا کہ اس تہذیبی شعور سے آگاہی ہو سکے جو مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں ہدایت آسمانی اور پیغمبرانہ جدوجہد کے نتیجے میں بتدریج فروغ پاتا رہا۔

قرآن حکیم نے امم سابقہ اور گزشتہ انبیاء کے حوالے سے بہت سے واقعات و حالات بیان کیے ہیں جن میں سے کئی ایک کا ذکر پہلی کتابوں میں سرے سے موجود ہی نہ تھا اور بعض کا ذکر پہلی کتابوں میں تھا لیکن وہ اس قدر محرف ومتبدل صورت میں تھا جس کی صحت کے بارے میں کسی کے پاس کوئی یقینی شہادت موجود نہ تھی۔ قرآن نے ان احوال و واقعات اور انبیاء کی تعلیمات وخدمات کو سند تصدیق عطا کردی۔

اس لئے اس کا لقب مُصَدِّقٌ لِمَا بَیْنَ یَدَیْهِ (اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والا) قرار پایا۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آدمؑ حواؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحاقؑ، اسماعیلؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، خضرؑ، سلیمانؑ، داؤدؑ، یونسؑ، ذوالکفلؑ، صالحؑ، شعیبؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ، مریم علیہم السلام اور ذوالقرنینؑ اور اصحاب کہف وغیرہم کے حالات کا بیان ہے۔

ان کے علاوہ قوم ہودؑ، قوم عادؑ، قوم ثمودؑ، قوم لوطؑ اور دیگر اقوام وملل کا ذکر کیا گیا

ہے۔اسی طرح فرعون، نمرود، قارون اور ہامان وغیرہم کے احوال کا بیان ہے۔ان کے علاوہ بھی قرآن حکیم میں اس قبیل کے متعدد قصص بیان کئے گئے ہیں۔

اس اعتبار سے قرآن کے اعجاز اور اس کی صحت وحقانیت کی دلیل یہ ہے کہ ایک ایسی ہستی کی زبان سے .... جس نے کوئی تاریخ پڑھی ہو اور نہ کسی مورخ سے علمی اِستفادہ کیا ہو...... ان احوال وواقعات کا بیان ہونا، پھر اس کا بعض روایات اور تاریخی نقطہ ہائے نظر کی تردید اور بعض کی تصدیق کرنا، بلاشبہ بہت بڑا معجزہ تھا۔ جب قرآن نے اپنے منکرین ومخالفین کے سامنے خود اپنے بیان کردہ قصص کو انباء الغیب (غیب کی خبروں) سے تعبیر کیا تو کسی بھی دشمن کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ ان قصص وواقعات کا کوئی زبانی یا کتابی ماخذ بنا کر قرآن کے اس دعوے کی تردید کر سکتا اور یہ کہہ سکتا کہ ''اے محمد ﷺ! تم یہ دعویٰ کیسے کرتے ہو، حالانکہ تمہیں تو یہ معلومات فلاں ذریعے سے حاصل ہوئی ہیں!'' تاریخِ عالم شاہد ہے کہ آج تک یہ بات کوئی نہ کہہ سکا۔ پھر اس سے بھی زیادہ حیران کن بیان احوال غیب کا دوسرا پہلو تھا جو مستقبل میں رونما ہونے والے اہم واقعات سے متعلق تھا۔

(ب) مستقبل کی پیشین گوئیاں

پیشین گوئی کا طریقہ کسی دعویٰ کی صحت وحقانیت کے اثبات میں سب سے زیادہ نازک اور اہم ہوتا ہے۔ حقانیت قرآن کے داخلی دلائل میں سے یہ دلیل بہت موثر اور فیصلہ کن ہے کہ قرآن نے بعض پیشین گوئیاں ایسے حالات میں کیں جن میں ظاہراً ان کے وقوع پذیر ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ مخالفین قرآن وہ پیشین گوئیاں سن کر حیران وششدر رہ گئے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پیشین گوئیاں اپنے وقت پر حقائق ووقائع میں بدلتی چلی گئیں۔ یہ سب کچھ اب تاریخ کا ناقابل انکار حصہ بن چکا ہے جو زبان حال سے قرآن کی صداقت وحقانیت کا اعلان کر رہا ہے۔ ذیل میں چند قرآنی

پیشین گوئیاں بیان کی جاتی ہیں:

ا۔غلبۂ روم کی پیشین گوئی

یہ سب سے نمایاں، حیرت انگیز اور معجزانہ پیشین گوئی ہے۔قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۝ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ هُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ۝ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ[۱]

الف لام میم ۝ رومی مغلوب ہو گئے ۝ قریب ہی کی سرزمین میں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے ۝ (یعنی) چند ہی سال میں (بس نو سال کے اندر اندر) اللہ ہی کو اختیار پہلے بھی (تھا جب ان کو اپنی حکومت و طاقت پر غرور تھا، وہ پسپا ہوئے) اور بعد میں بھی (ہوگا جب وہ ظاہری اسباب سے مایوس ہو چکے ہوں گے تو پھر فتح یاب ہوں گے۔)

یہ آیات بعثتِ نبوی کے پانچویں سال ۶۱۴ء میں نازل ہوئیں جبکہ ایرانیوں کے مقابلے میں رومیوں کی شکست کا آغاز ہو چکا تھا۔ جو بالآخر ۶۱۶ء میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔اس جنگ میں بعض مؤرخین کے مطابق رومیوں کے نوے ہزار (90,000) آدمی قتل ہوئے۔ کلیساؤں کو نذرِ آتش کر دیا گیا اور سلطنت روم کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ آنحضرت ﷺ نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں یہ پیشین گوئی کی کہ

---

[۱] الروم، ۳۰: ۱۔۴

چند برس کے اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے۔ اس وقت اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں کہی جا سکتی تھی کیونکہ ''ہرقل'' کی حکومت کے یہ سال سلطنت روم کی تباہی و خاتمے کا اعلان کر رہے تھے۔ بہر حال ان نامساعد و ناموافق حالات میں قرآن مجید نے غلبہ روم کی بظاہر بالکل مستبعد پیشین گوئی کا اعلان کیا اور رومیوں کی فتح یابی کے لئے ''بِضْعِ سِنِيْنَ'' کہہ کر نو برس تک کی حد مقرر کر دی۔ جامع ترمذی اور مستدرک حاکم کے باب تفسیر سورہ روم میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''بِضْعَ کا لفظ تین سے نو تک کے اعداد کے لئے بولا جاتا ہے۔'' اس لحاظ سے اس پیشین گوئی کے ظہور کی آخری حد ۹ برس مقرر ہوئی۔ ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس عرصے میں مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں بلند آواز سے اس پیشن گوئی کا اعلان کرتے رہے۔

تاریخ کے اوراق الٹیں تو اس خوشگوار حیرت کا سامنا ہوتا ہے کہ اس پیشین گوئی کے اعلان یعنی رومیوں کے آغاز شکست سے ٹھیک آٹھ برس بعد ۶۲۲ء میں رومیوں کے تن مردہ میں پھر جان پیدا ہو گئی۔ وہ اسی کاہل و عشرت پرست کمانڈر ''ہرقل'' کے زیرِ قیادت منظم ہو کر ایرانیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ۶۲۳ء میں یعنی پیشین گوئی کے ٹھیک نویں برس رومی فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ بالآخر یہ فتح اس شان سے پایہ تکمیل کو پہنچی کہ انہوں نے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے ساحل سے ہٹا کر پھر دجلہ و فرات کے ساحلوں تک دھکیل دیا۔ اس طرح قرآن کی پیشین گوئی کے سچ ثابت ہونے پر بے شمار کافر مسلمان ہو۔

۲۔ فتحِ مکہ کی پیشین گوئی

۶ ھ میں جب مسلمان صلحِ حدیبیہ سے واپس لوٹے تو ان میں بعض قدرے دل برداشتہ دکھائی دیتے تھے۔ وہ اس صلح اور اس کی شرائط کو اپنے لئے اعترافِ شکست سمجھ رہے

تھے۔ یہاں تک کہ بعض نے صاف لفظوں میں اس خیال کا اظہار بھی کر دیا تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کے اطمینانِ قلب کے لئے قرآن مجید کی اس پیشن گوئی کا اعلان فرمایا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ [1]	بیشک ہم نے تمہارے لئے واضح فتح مقدر کردی ہے۔

اس آیت میں یہ اشارہ تھا کہ حدیبیہ کی صلح کو شکست نہ سمجھو بلکہ یہ درحقیقت ایک عظیم الشان فتح کا پیش خیمہ ہے جو فتحِ مکہ کی صورت میں تمہیں حاصل ہونے والی ہے۔
چنانچہ اسی سورت میں فرمایا گیا:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ. [2]	انشاء اللہ تم مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں امن وامان سے داخل ہو گے (اور تم میں سے کچھ) سر منڈواتے ہوں گے اور (کچھ) بال کترواتے ہوں گے (اور پھر احرام کھولیں گے) تمہیں کسی بات کا خوف نہ ہوگا۔

بالآخر اس پیشین گوئی کا ظہور فتح مکہ کی صورت میں ۸ ھ میں ہوا۔ صلح حدیبیہ سے مایوس ہونے والوں نے نتیجتاً اس صلح نامہ کی کامیابی وکامرانی کو دل وجان سے تسلیم کرلیا اور کفار مکہ ہی اس معاہدے سے روگرداں ہوگئے جس کا خمیازہ انہیں کئی صورتوں میں بھگتنا پڑا۔

---

[1] الفتح، ۴۸: ۱ [2] الفتح، ۴۸: ۲۷

۳۔ فتحِ خیبر کی پیشین گوئی

غزوہ خیبر کی فتح کے بارے میں بھی سورۃ الفتح میں پیشین گوئی کی گئی۔ ارشاد فرمایا گیا:

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلٰى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ؕ[۱]

(مسلمانو!) جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے کو چلو گے تو جو لوگ (سفر حدیبیہ میں) پیچھے رہ گئے تھے کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے ساتھ چلیں۔

جو لوگ حدیبیہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ یہاں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ صلح حدیبیہ سے واپس لوٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح خیبر کی پیشین گوئی بھی عطا فرما دی اور صراحت کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ غزوہ خیبر میں تمہارے ہاتھ بہت سا مال غنیمت بھی آئے گا لیکن ہم نے وہ مال غنیمت صرف ان مجاہدین کے لئے مخصوص کر دیا ہے جو حدیبیہ کے موقع پر ہمارے محبوب ﷺ کے ہمراہ ہیں۔ اس وقت ساتھ نہ دینے والے اس مال غنیمت سے بھی محروم رہیں گے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کی صداقت بھی تاریخ عالم کے صفحات پر نمایاں انداز میں مرقوم ہے۔ خیبر فتح بھی ہوا اور بے شمار مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

۴۔ غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی

سب سے بڑھ کر حیرت انگیز وہ پیشین گوئی ہے جس میں مسلمانوں کو روئے زمین پر عظیم الشان تمکن و استخلاف اور اقتدار و استحکام کی خوشخبری سنائی گئی، حالانکہ اس وقت روم و ایران کی دو عظیم عالمی طاقتیں مشرق و مغرب پر اسی طرح قابض و متصرف تھیں، جس

۱۔ الفتح، ۴۸: ۱۵

طرح ماضی قریب میں امریکہ اور سوویت یونین۔ صحرائے عرب کے ان مکینوں کے بارے میں اس بے سروسامانی کے عالم میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ بھی بین الاقوامی سطح پر ایک عظیم اور موثر طاقت بن کر ابھر سکتے ہیں کیونکہ دونوں عالمی طاقتیں اس انقلابی قوم کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ اندریں حالات قرآن مجید نے اس بشارت کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا [1]

اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ وہ ضرور انہی کو زمین میں خلافت (یعنی امانت اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو (حق) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (غلبہ و اقتدار کے ذریعہ) مضبوط و مستحکم فرما دے گا اور وہ ضرور (اس تمکن کے باعث) ان کے پچھلے خوف کو (جو ان کی سیاسی، معاشی اور سماجی کمزوری کی وجہ سے تھا) ان کے لئے امن و حفاظت کی حالت سے بدل دے گا۔

اس پیشین گوئی کا معجزانہ عملی ظہور بھی چشم فلک نے دیکھ لیا۔ عہد رسالت مآب

---

[1] النور ۲۴: ۵۵

ﷺ میں اسلامی فتوحات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا' روز افزوں ترقی پذیر رہا۔ عہدِ خلافتِ راشدہ میں روم اور ایران سمیت قریباً ۱۰ لاکھ مربع میل سے زائد رقبہ اسلامی سلطنت کے زیر نگین تھا۔ عہد فاروقی میں بلوچستان کی سرحدوں تک مسلمان مہلب بن ابی صفرہ الازدی کی زیر قیادت لاہور تک آ پہنچی تھیں۔

ابھی اسلام کی پہلی صدی ختم نہ ہوئی تھی کہ سپین سے آگے سرحد فرانس تک' مشرق میں سندھ اور ملتان تک' شمال مشرق میں ماوراء النہر سے آگے سرحد چین تک وسطی ایشیاء' شمالی افریقہ اور دنیا میں انسانی آبادی کے کثیر ترین حصے پر پرچم اسلام لہرانے لگا۔ سطوتِ اسلام کا یہ پرشکوہ نظارہ قرآنی وعدے کے مطابق تقریباً چھ سو سال تک قائم و دائم رہا۔ زوال بغداد کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد پھر ترکوں کی زیرِ قیادت ملتِ اسلامیہ کی سیاسی قوت مجتمع ہوئی اور بالآخر بین الاقوامی سطح پر غلبہ اسلام کا دور پھر چھ سو سال تک منصہ عالم پر شہود پذیر رہا۔

اس طرح کی پیشینگوئیاں جو قرآن نے بیان کیں...... اور اپنے وقت پر عالم خارج میں واقعہ بن کر حقانیت قرآن کی حتمی دلیلیں بنتی رہیں...... تعداد میں اتنی ہیں کہ ان کا احصاء و شمار آسانی سے نہیں کیا جا سکتا۔

باب پنجم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا احادیث سے استدلال

فصلِ گزشتہ میں نبی محتشم ﷺ کے علمِ غیب اور اطلاع علی الغیب کے اثبات میں متعدد آیات قرآنی درج کی گئیں اور ان کی توضیح میں بعض ائمہ تفسیر کے ثقہ، معتبر اور مستند اقوال نقل کئے گئے تاکہ جمہور مسلمین کے ذہن میں اگر آنحضور ﷺ سے متعلق عقیدۂ علم غیب کے باب میں کوئی ابہام، التباس یا اشتباہ پایا جاتا ہو تو اسے دور کیا جا سکے اور ہر چیز قرآن حکیم کے نصِ قطعی کی رو سے واضح طور پر نکھر کر سامنے آ جائے۔ اس فصل میں علم غیب نبوی ﷺ کے باب میں وارد ہونے والی احادیث کا جائزہ لیا جائے گا اور بعض روایات کی وضاحت کیلئے چند مستند شروحات سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

لاریب علم غیب حضور نبی اکرم ﷺ کی ان امتیازی خصوصیات اور معجزات میں سے ہے جو حتمی اور قطعی طور پر ثابت ہیں۔ اس موضوع پر کثیر روایات حدیث موجود ہیں یہاں ان تمام روایات کا بیان کرنا ممکن نہیں لہذا طوالت سے بچنے کے لئے چند روایات کے بیان پر اکتفا کیا جائے گا۔ اگر قارئین ان کی تفصیل میں جانا چاہتے ہیں تو انہیں امہات الکتب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

۱۔ ارض وسماوات کی ہر شئے کا علم اور پہچان

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنی قدرت کاملہ سے علم و معرفت کی وہ شان عطا فرمائی کہ زمین و آسمان کی ہر شے آپ کے سامنے روشن ہوگئی اور آپ ﷺ نے بچشم سر اسے دیکھ لیا۔ اس ضمن میں ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے۔

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال احتبس عنا رسول اللہ ﷺ ذات غداۃ عن صلاۃ الصبح حتی کدنا نتراء ی عین الشمس فخرج سریعاً فثوب بالصلاۃ فصلی رسول اللہ ﷺ و تجوز فی صلاتہ فلما سلم دعا بصوتہ قال لنا علی مصافکم کما انتم ثم انفتل الینا ثم قال أما انی سأحدثکم ما حبسنی عنکم الغداۃ انی قمت من اللیل فتوضأت و صلیت ما قدرلی فنعست فی صلاتی حتی استثقلت فاذا انا بربی تبارک و تعالیٰ فی احسن صورۃ فقال یا محمد قلت لبیک رب قال فیم یختصم الملأ الاعلی؟ قلت لا ادری قالھا ثلاثاً قال فرأیتہ وضع کفہ بین کتفی حتی وجدت برد انا ملہ بین ثدییّ

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے وقت حضور ﷺ کو دیر ہوگئی اور ہم لوگوں نے آپ کا انتظار اس حد تک کیا کہ قریب تھا کہ آفتاب کی شعاع نظر آنے لگے۔ اتنے میں نبی اکرم ﷺ تیزی سے تشریف لائے چنانچہ تکبیر کہی گئی اور آپ نے اختصار سے نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے باآواز بلند فرمایا جس طرح تم بیٹھے ہو اسی طرح صف بندی کیے ہوئے بیٹھے رہو پھر فرمایا میں اپنی تاخیر کا واقعہ تم کو سناتا ہوں پھر واقعہ سنایا (واقعہ یہ ہے) رات کے وقت وضو کر کے جس قدر نماز میرے لیے مقدور تھی میں نے پڑھی اس کے بعد مجھے نیند آ گئی اور میں نماز میں ہی سو گیا۔ یکا یک کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے رب کے حضور میں ہوں اور میں نے اپنے رب کو (اس کی شان کے لائق) نہایت اچھی شکل میں دیکھا (مجھ

فتجلی لی کل شئ و عرفت۔ ۱؎

سے) ارشاد ہوا اے محمد ﷺ! میں نے عرض کی: لبیک! اے میرے پروردگار میں حاضر ہوں! فرمایا اس وقت ملائکہ آسمانی کیا گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی مجھے معلوم نہیں تین مرتبہ یہی ارشاد ہوا حضور ﷺ فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے سینہ پر رکھا حتی کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے درمیان محسوس کی پس ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔

☆ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

جامع ترمذی میں یہ حدیث دو مختلف سندوں کے ساتھ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے باختلافِ الفاظ مروی ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض۔ ۲؎

پس میں نے آسمانوں اور زمین کی ہر شے کو جان لیا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں

فعلمت ما بین المشرق

میں نے مشرق و مغرب کے درمیان ہر

۱؎ ا۔جامع الترمذی، ۵: ۳۶۸، ۳۶۹ تفسیر سورۃ ص، رقم الحدیث ۳۲۳۵

۲۔مسند احمد بن حنبل، ۵: ۲۴۳

۲؎ .جامع الترمذی، ۲: ۱۵۵ کتاب التفسیر

والمغرب۔[1]

شے کو جان لیا۔

ملا علی قاری اس حدیث پاک کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فعلمت بسبب وصول ذلک الفیض ما فی السمٰوٰت والارض یعنی اعلمه الله ما فیها من الملائکة والاشجار و غیرها و هو عبارة عن سعة علمه الذی فتح الله و قال ابن حجر ای جمیع الکائنات التی فی السمٰوٰت بل وما فوقها کما یستفاد من قصة المعراج والارض هی بمعنی الجنس و جمیع ما فی الارضین السبع بل وما تحتها کما افاده اخبار علیه السلام عن الثور والحوت الذی علیهما الارضون۔[2]

اس فیض ربانی کی بدولت میں نے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے جان لیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے اندر پائے جانے والے فرشتوں، درختوں اور دیگر چیزوں کا علم عطا فرمادیا۔ یہ حدیث آپ ﷺ کی اس وسعت علم سے عبارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

ابن حجرؒ نے فرمایا: کہ حضور ﷺ نے آسمانوں کی بلکہ ان سے بھی اوپر کی تمام مخلوقات کو جان لیا جیسا کہ حدیث معراج سے ثابت ہے اور زمین جنس کے معنی میں ہے، معنی آپ ﷺ نے سات زمینوں کی بلکہ ان سے بھی نیچے کی تمام چیزوں کو جان لیا جیسا کہ قرآن اور احادیث ﷺ نے بیل اور مچھلی کی خبر دی جن پر زمینیں قائم ہیں۔

---

[1] جامع الترمذی، ۲: ۱۵۶ کتاب التفسیر

[2] مرقاة شرح المشکوٰة، ۲: ۲۱۰۔

مذکورہ بالا مضمون کی چند دیگر احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ایک مرتبہ سورج گرہن کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الکسوف کے بعد ارشاد فرمایا۔

ما من شئ لم اکن اریته الا رأیته فی مقامی ھذا حتی الجنة و النار۔ [۱]	ہر وہ شے جو مجھے پہلے نہیں دکھائی گئی تھی میں نے اپنی اس جگہ کھڑے دیکھ لی ہے حتی کہ جنت اور دوزخ بھی۔

۲۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ زوی لی الارض فرائیت مشارقھا و مغاربھا۔ [۲]	اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا پس میں نے اس کو شرق تا غرب تمام اطراف سے دیکھ لیا۔

۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ قد رفع لی الدنیا فأنا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامة کأنما انظر الی کفی ھذا۔ [۳]	بے شک اللہ تعالیٰ نے دنیا میرے سامنے کردی ہے پس میں اسے اور اس میں تا قیامت ہونے والے احوال و واقعات کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں

احادیثِ مذکورہ سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کائناتِ پست و بالا اور اس کی ہر شے کا علم تھا۔ ان احادیث سے علمِ مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے دست قدرت کے فیضان سے اپنے

---

[۱] صحیح البخاری، ۱: ۱۸ کتاب العلم
[۲] ۱۔ صحیح مسلم، ۲: ۳۹۰ کتاب الفتن
۲۔ جامع الترمذی، ۲: ۴۰
[۳] ۱۔ المواھب اللدنیه، ۳: ۵۵۹
۲۔ زرقانی علی المواھب، ۷: ۲۰۴

حبیب ﷺ کو کائنات کی ہر شے کا علم اور پہچان عطا فرما دی۔ ہماری محدود اور ناقص عقل علم مصطفےٰ ﷺ کی اس عظمت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن اگر ہمارا ایمان بھی اس کی تفہیم سے عاری ہو گیا تو ہماری فوز و فلاح کے تمام راستے مسدود ہو جائیں گے۔

۲-اخبار ما کان وما یکون (گزشتہ اور آئندہ کے احوال وواقعات کی خبر)

حضور ﷺ نے عطائے ربانی سے ماضی میں جو کچھ ہو چکا اس کی خبر بھی دے دی اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اس کے بارے میں بھی بیان فرما دیا اس مضمون پر مبنی احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں۔

قام فینا النبی ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم و اهل النار منازلهم حفظ ذلک من حفظه و نسیه من نسیه۔[۱]

ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان قیام فرما ہوئے اور ہمیں ابتدائے خلق سے لیکر روز قیامت اہل جنت کے جنت میں داخل ہو جانے اور اہل دوزخ کے دوزخ میں داخل ہو جانے تک سب کچھ بتا دیا۔ پس اس بیان کو جس نے جس قدر یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے جو کچھ بھلا دیا بھول گیا۔

امام ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

و دل ذلک علی انه اخبر فی

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ

---

[۱] ۱۔صحیح البخاری، ۱: ۴۵۳ کتاب بدء الخلق ۲۔مشکوۃ المصابیح : ۵۰۶

المجلس الواحد بجميع احوال المخلوقات منذ ابتدئت الى ان تفنى الى ان تبعث فشمل ذلک الاخبار عن المبدأ و المعاش والمعاد۔ [۱]

حضور ﷺ نے ایک ہی مجلس میں تمام مخلوقات کے از ابتدا تا انتہا، دوبارہ اٹھائے جانے تک کے تمام احوال کی خبر عطا فرما دی پس حضور ﷺ کا یہ خبر دینا مبدأ (پیدائش) معاش (دنیوی زندگی) اور معاد (اخروی زندگی) کو شامل تھا۔

امام بدرالدین عینیؒ حدیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

و فیه دلالة على انه اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات من ابتدائها الى انتهائها۔ [۲]

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک ہی نشست میں تمام مخلوقات کے ابتدا سے انتہا تک تمام احوال کی خبر دے دی۔

امام قسطلانیؒ ارشاد الساری میں اور ملا علی قاریؒ مرقاۃ میں امام طیبیؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ قول صحیح بخاری کے حاشیہ میں بھی درج ہے۔

قال الطيبي حتى غاية اخبرنا ای اخبرنا مبتدئاً من بدء الخلق حتى انتهى الى دخول اهل الجنة الجنة ووضع الماضی موضع المضارع للتحقق المستفاد من قول الصادق الامين ودلّ ذلک على انه

طیبیؒ نے کہا حتی اخبرنا کی غایت کیلئے ہے یعنی آپ ﷺ نے ہمیں مخلوق کی پیدائش سے لیکر لوگوں کے جنت میں داخل ہونے تک کے بارے میں خبر دے دی اور یہاں ماضی مضارع کی جگہ آیا ہے صادق اور امین نبی ﷺ کے فرمان گرامی سے حاصل ہونے والے تحقق کی وجہ سے

---

۱ فتح الباری، ۶ : ۲۹۱   ۲ عمدة القاری، ۱۵ : ۱۱۰

اخبر بجميع أحوال المخلوقات منذ ابتدئت الى ان تفنى الى ان تبعث ۔ [1]

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے تمام مخلوقات کے تمام احوال از ابتدا تا انتہا اور دوبارہ اٹھائے جانے تک کے بارے میں خبر دے دی۔

متذکرہ بالا مفہوم کی حامل چند دیگر احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

قام فينا رسول الله ﷺ مقاما ما ترک شيأيكون فى مقامه ذلک الى قيام الساعة الاحدث به حفظه من حفظه و نسيه من نسيه۔ [2]

رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان قیام فرما ہوئے اور خطاب فرمایا) آپ نے اس مقام پر قیامت تک واقع ہونے والی کوئی شے ایسی نہیں کہ جسے بیان نہ فرما دیا ہو۔ پس اس بیان کو جس نے جس قدر یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے جو کچھ بھلا دیا وہ بھول گیا۔

۲۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دوسری جگہ یہ الفاظ مروی ہیں۔

اخبرنى رسول الله ﷺ بما هو كائن الى ان تقوم الساعة فما منه شئ الاقد سألته الا انى لم اسأله ما يخرج اهل المدينة من المدينة۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے مجھے جو کچھ قیامت کے قائم ہونے تک ہونے والا ہے کے بارے میں خبر دے دی۔ پس اس میں سے کوئی شے ایسی نہیں، کہ جس کے بارے میں میں نے آپ ﷺ سے سوال

---

[1] ا۔ مرقاۃ، ۱۱: ۴

[2] ا۔ ارشاد الساری، ۵: ۲۵۰

۲۔ حاشیة صحیح البخاری، ۱: ۴۵۳

[3] صحیح مسلم، ۲: ۳۹۰، کتاب الفتن

[4] صحیح مسلم، ۲: ۳۹۰، کتاب الفتن

نہ کیا ہو ماسوائے اس کے کہ اہل مدینہ کو
مدینہ سے کونسی شے نکالے گی۔

۳۔ حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

صلّی بنا رسول اللہ ﷺ الفجر و صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر فنزل فصلے ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلے ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما کان و بما ھو کائن فاعلمنا احفظنا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوگئے پس آپ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا حتی کہ ظہر کا وقت آ گیا، آپ منبر سے نیچے تشریف لائے نماز ادا فرمائی اور پھر منبر پر تشریف فرما ہوگئے اور ہمیں خطاب فرمایا حتی کہ سورج غروب ہوگیا پس آپ نے ہمیں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کے بارے میں آگاہ فرمادیا۔ ہم میں سے زیادہ عالم وہی ہے جو زیادہ یادرکھنے والا ہے۔

۴۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس مضمون کی حدیث بایں الفاظ روایت فرماتے ہیں۔

صلّی بنا رسول اللہ ﷺ یوماً صلٰوۃ العصر بنھار ثم کان خطیبا، فلم یَدَعْ شیأ یکون الی

ایک روز حضور ﷺ نے ہمیں نماز عصر پڑھائی پھر آپ ﷺ نے خطاب فرمایا پس آپ ﷺ نے قیامت تک واقع

---

[1] ا۔ صحیح مسلم ۲: ۳۹۰، کتاب الفتن
۲۔ مستدرک الحاکم، ۴: ۴۸۷ باختلاف الالفاظ

قیام الساعة الا اخبر نا به حفظهمن حفظه و نسیه من نسیه۔ ۱؎

ہونے والی ہر شے کے بارے میں ہمیں خبر دے دی۔ جس نے یاد رکھا سو یاد رکھا جس نے بھلا دیا سو بھول گیا۔

۵۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپؓ نے فرمایا۔

اصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فصلی الغداۃ ثم جلس حتی اذا کان من الضحی ضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلس مکانه حتی صلی الاولی والعصر والمغرب کل ذلک لا یتکلم حتی صلی العشاء الآخرۃ ثم قام الی اهله فقال الناس لابی بکر لاتسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما شأنه صنع الیوم شیألم یصنعه قط قال فسأله فقال نعم عرض علی ما هو کائن من امر الدنیا و امر الآخرۃ۔ ۲؎

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ بیٹھ گئے حتی کہ چاشت کا وقت آ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ بیٹھے مسکرائے یہاں تک کہ آپ نے نماز ظہر عصر اور مغرب ادا فرمائی (اس دوران) کسی کے ساتھ کوئی گفتگو نہ فرمائی پھر نماز عشاء ادا فرمائی پھر اٹھ کر اہل خانہ کے پاس تشریف لے گئے۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آج کے عمل کے بارے میں دریافت نہیں کریں گے کہ پہلے کبھی آپ نے ایسا عمل نہیں فرمایا حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! دنیا و آخرت

۱؎ جامع الترمذی ۲: ۴۲ کتاب الفتن ۲؎ مسند احمد بن حنبل' ۱: ۴

میں ہونے والے تمام امور میرے اوپر
پیش کیے گئے (یعنی مجھے ان کے بارے
میں پیشگی آگاہ کیا گیا)

احادیث مذکورہ سے واضح ہے کہ حضور ﷺ کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات کا ابتدا سے لیکر انتہا تک علم عطا کر دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کو یہ بھی علم تھا کہ کونسی مخلوق کب اور کیسے پیدا ہوئی اور دنیا میں اس نے کتنا عرصہ گزارنا ہے کیسے رہنا ہے کیا کیا اعمال انجام دینے ہیں اور کب اس عالم فانی سے کوچ کر جانا ہے اور آپ ﷺ یہ بھی جانتے تھے کہ دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد لوگوں کے ساتھ کیا احوال پیش آئیں گے کون لوگ جنت میں جائیں گے اور کون لوگ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو ان تمام امور سے آگاہ فرمایا جو ماضی میں ہو چکے تھے اور ان امور کی بھی خبر عطا فرما دی جو قیامت تک واقع ہونے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ تمام امور جن کی خبر حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو دی غیب سے متعلق تھے اور آپ کو اس غیب کا علم تھا۔ اگر علم نہ ہوتا تو صحابہؓ کو خبر نہ دیتے خبر تھی تو آگے خبر دی ورنہ جو خود بے خبر ہو وہ دوسروں کو کیا خبر دے گا۔

صحابہ کا معیارِ علم

صحابہ کرامؓ کے "فاعلمنا" کہنے سے معیارِ علم کا تعین ہو گیا گویا صحابہ کرامؓ یہ اعتراف فرما رہے ہیں کہ ہمارے علم کا کوئی اور سرچشمہ اور مبدا نہیں، ہمیں جو کچھ ملا ہے بارگاہ مصطفےٰ سے ملا ہے پس جس نے جتنا یاد رکھا وہ اتنا بڑا عالم ہو گیا اور جس نے جتنا بھلا دیا وہ علم میں اتنا ہی ضعیف اور ناقص ہو گیا۔ یہ اپنے اپنے مقام و مرتبہ اور درجہ کی بات ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ باب العلم بن گئے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو حبر الامۃ کا لقب عطا ہوا اسی

طرح سیدنا ابو ہریرۃؓ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو راویانِ حدیث میں اہم اور نمایاں مقام حاصل ہوا۔ یہ علم نبوت کا فیضان ہی تھا کہ ہر صحابی رسول امت مصطفوی کیلئے ہدایت کا روشن ستارہ بن گیا۔

زمان و مکان کی مسافتیں کیونکر سمٹ گئیں؟

مذکورہ بالا تمام احادیث کے مطالعہ کے بعد بتقاضائے بشریت انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ پر کھڑے ہوئے لاکھوں کروڑوں کلومیٹرز پر مشتمل آسمانوں اور زمینوں کی تمام کائنات کا مشاہدہ فرمالیا اور ایک ہی نشست میں تمام مخلوقات کے ابتدا سے لیکر قیامت تک کے تمام احوال و واقعات بیان فرمادیئے۔ اس اشکال کا حل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ و کرامت اپنے مقرب و برگزیدہ انبیاء کرام اور اولیائے کاملین کو طیِّ زمانی اور طیِّ مکانی کے کمالات سے نوازا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمالات بدرجہ اتم عطا فرمائے گئے۔

مذکورہ بالا احادیث بھی طیِّ زمانی و طیِّ مکانی کی جامعیت کی مظہر ہیں۔ ان دونوں اصطلاحات کا مفہوم بالاختصار درج ذیل ہے۔

طیِّ مکانی

کروڑوں اربوں کلومیٹرز کی وسعتوں پر محیط مسافتوں کے ایک جنبشِ قدم میں سمٹ آنے کو اصطلاحاً ''طیِ مکانی'' کہتے ہیں۔

طیِّ زمانی

صدیوں پر محیط وقت کے چند لمحوں میں سمٹ آنے کو اصطلاحاً ''طیِ زمانی'' کہتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں طیِّ مکانی کا ذکر

حضرت سلیمان علیہ السلام ملکۂ سبا ''بلقیس'' کے تخت کے بارے میں اپنے درباریوں سے سوال کرتے ہیں:

قَالَ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَّأْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ○ [۱]

(حضرت سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا: اے دربار والو! تم میں سے کون اُس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے، قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر میرے پاس آ جائیں۔

ملکہ سبا بلقیس کا تخت دربارِ سلیمان علیہ السلام سے تقریباً 900 میل کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے کہ ملکہ سبا جو مطیع ہو کر اُن کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے اپنے پایۂ تخت سے روانہ ہو چکی ہے، اُس کا تخت اُس کے آنے سے قبل ہی سرِ دربار پیش کر دیا جائے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ أَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَ إِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِيْنٌ ○ [۲]

ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا: ''میں اُسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اُٹھیں اور بے شک میں اُس (کے لانے) پر طاقتور (اور) امانتدار ہوں۔

قرآنِ مجید کی اس آیتِ کریمہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے دربار کے ایک جن کو قاعدۂ طیِّ مکانی کے تحت یہ قدرت حاصل تھی کہ وہ دربار برخاست

---

۱ النمل، ۲۷: ۳۸   ۲ النمل، ۲۷: ۳۹

ہونے سے پہلے 900 میل کی مسافت سے تختِ بلقیس لا کر حاضر کر دے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو اِتنی تاخیر بھی گوارا نہ ہوئی۔ اِس موقع پر آپ کا ایک صحابی 'آصف بن برخیا' جس کے پاس کتاب اللہ کا علم تھا' خود کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اِس انداز کو قرآنِ کریم نے اِس طرح بیان فرمایا:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ ط فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔ [1]

(پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اُسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے۔ پھر جب سلیمان (علیہ السلام) نے اُس (تخت) کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا (تو) کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہوا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک برگزیدہ صحابی آنکھ جھپکنے سے پیشتر تختِ بلقیس اپنے نبی کے قدموں میں حاضر کر دیتا ہے۔ یہ طئ مکانی کی ایک نا قابلِ تردید قرآنی مثال تھی کہ فاصلے سمٹ گئے' جسے قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک اُمتی سے منسوب کیا ہے۔ اگر اس کرامت کا صدور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک اُمتی سے ہو سکتا ہے تو اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نبئ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے نفوسِ قدسیہ کے کمالات کی کیا حد ہو گی! مردِ مومن کا اشارہ پاتے ہی ہزاروں میل کی مسافت اُس کے ایک قدم میں سمٹ آتی ہے اور اُس کے قدم اٹھانے سے پہلے شرق و غرب کے مقامات

---

[1] النمل' ۲۷: ۴۰

زیرِ پا آ جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ:

دو نیم اُن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی

قرآنِ حکیم میں طیِ زمانی کا ذکر

قرآن ہر علم، حکمت اور دانائی کا سرچشمہ ہے جو کائنات کے رازہائے سربستہ کو ذہنِ انسانی پر منکشف کرتا ہے اور اس میں شعور و آگہی کے اَن گنت چراغ روشن کرتا ہے۔ طیِ زمانی کا ذکر بھی ربِ ارض و سماوات کی آخری الہامی کتاب میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام اور اصحابِ کہف کے واقعات طیِ زمانی کی خوبصورت مثالیں ہیں۔ ان دونوں واقعات میں خرقِ عادت اور محیر العقول میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات اسی کرۂ ارضی پر وقوع پذیر ہوئے اور طیِ زمانی کے حصول کے لئے سماوی کائنات (Outer Cosmos) میں روشنی کی رفتار سے سفر نہیں کیا گیا، مگر پھر بھی ظہورِ قدرتِ الٰہیہ کا نظارہ کیا عجب ہے کہ وقت تھم گیا اور مادی اجسام بھی محفوظ رہے اور صدیوں پر محیط عرصہ بھی بیت گیا۔

حضرت عزیر علیہ السلام اور طیِ زمانی

طیِ زمانی کی ایک اور مثال قرآن حکیم نے حضرت عزیر علیہ السلام کے قصے میں بیان کی ہے۔ انہوں نے حصولِ حق الیقین کے لئے اللہ تعالیٰ سے طیِ زمانی کے بارے میں سوال کیا۔ اُن کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بطورِ مشاہدہ ان پر ایک سو سال کے لئے موت طاری کر دی اور پھر بعد ازاں قدرتِ خداوندی ہی سے وہ زندہ ہوئے۔ قرآن فرماتا ہے:

فَأَمَا تَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ قَالَ کَمْ لَبِثْتَ؟ ۱؎

سو (اپنی قدرت کا مشاہدہ کرانے کے لئے) اسے سو برس تک مردہ رکھا۔ پھر اسے زندہ کیا۔ (بعد ازاں) پوچھا: ''تو یہاں (مرنے کے بعد) کتنی دیر ٹھہرا رہا (ہے)''؟

ایک صدی تک موت کی آغوش میں سوتے رہنے کے بعد جب حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ رب العزت کی طرف سے نئی زندگی عطا ہوئی' تو ان سے یہ پوچھا گیا کہ کتنا عرصہ لیٹے رہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

لَبِثْتُ یَوْمًا أَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَۃَ عَامٍ۔ ۲؎

'میں ایک دن یا ایک دن کا (بھی) کچھ حصہ ٹھہرا ہوں''۔ فرمایا: (نہیں) بلکہ تو سوٗ برس پڑا رہا (ہے)۔''

حضرت عزیر علیہ السلام کو اصل صورتحال سے آگاہ کیا گیا کہ انہیں تو لیٹے ہوئے 100 سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ان کے پاس کھانے کا جو سامان تھا وہ بھی جوں کا توں تر و تازہ رہا اور اس میں کوئی عفونت پیدا نہ ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی توجہ اس طرف دلانے کے لئے ارشاد ہوا:

فَانْظُرْ إِلٰی طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہْ۔ ۳؎

پس اب تو اپنے کھانے اور پینے (کی چیزوں) کو دیکھ (وہ) متغیر (باسی) بھی نہیں ہوئیں۔

قدرتِ خداوندی ہے کہ ایک طرف تو حضرت عزیر علیہ السلام کے طعام اور

۱؎ البقرہ' ۲: ۲۵۹

۲؎ البقرہ' ۲: ۲۵۹

۳؎ البقرہ' ۲: ۲۵۹

مشروب میں عفونت اور سڑاند تک پیدا نہ ہوئی اور وہ جوں کے توں تر و تازہ رہے جبکہ دوسری طرف اللہ کے پیغمبر کے گدھے کی ہڈیاں بھی گل سڑ کر پیوندِ خاک ہو گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے سامنے اس گدھے کی ہڈیاں اکٹھی ہوئیں اور وہ زندہ سلامت کھڑا ہو گیا۔

جدید ترین سائنسی تحقیقات بھی طئ زمانی کی تصدیق کر رہی ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ کسی لاعلاج مریض پر مصنوعی موت طاری کر کے اسے طویل مدت تک سردخانے میں محفوظ رکھا جائے اور جب اس کے مرض کا علاج دریافت ہو جائے تو اس کے جسم میں دوبارہ سے زندگی کی لہر دوڑا کر اس مریض کا علاج کیا جائے اور ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد اسے ایک بار پھر روزمرہ کے معمولات کی ادائیگی کے قابل بنا دیا جائے۔ عین ممکن ہے کہ اس وقت تک اس کی اپنی اولاد میں سے کئی نسلیں موت سے ہمکنار ہو چکی ہوں۔ انسان کا یہ خواب اب خواب نہیں رہے گا۔

جدید سائنس اپنے ارتقاء کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں درج سائنسی حقائق کی توثیق کرتی چلی جا رہی ہے۔ مغرب کے سائنسدان اپنے تمام تر تعصبات کے باوجود قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ آج نہیں تو کل عقلی بنیادوں پر تشکیل پانے والا ذہنِ جدید تعلیمات اسلامی کی سچائیوں کے اعتراف میں پیش پیش ہوگا' اس لئے آنے والی ہر صدی اسلام کی صدی ہے۔ مغربی دنیا کے پاس اسلامی تعلیمات کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے دامن رحمت میں پناہ ڈھونڈنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا اور مصطفوی انقلاب کا سورج مغرب کے افق پر بھی اپنی تمام تر تخلیقی توانائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگا۔ زمین پر اترنے والا ہر لمحہ اللہ کی توحید اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہا ہے۔

قرآن مجید میں مذکور حضرت عزیر علیہ السلام کی اس مثال میں طئ زمانی کا کیا منظر تھا کہ 100 سال کا عرصہ گزر گیا اور اس کے باوجود ان کے مادی جسم کو کوئی گزند نہ پہنچا اور وہ موسموں کے تغیر و تبدل سے پیدا ہونے والے اثرات سے محفوظ رہا۔ وقت ان کے کھانے

پینے کی اشیاء پر بھی اس طرح سمٹ گیا کہ ان کی تروتازگی میں بھی کوئی فرق نہ آیا' لیکن وہی ایک صدی اللہ کے نبی کے گدھے پر اس طرح گزری کہ اس کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ حتیٰ کہ اس کی ہڈیاں تک بکھر کر مٹی میں تحلیل ہوگئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو احیائے موتیٰ کا نظارہ کرانے کے لئے ان کے گدھے پر تجلّی کی تو 100 سالہ مردہ گدھے کی ہڈیاں اکٹھی ہوئیں' ان پر گوشت پوست چڑھ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ زندہ ہو کر کھڑا ہوگیا۔ قادرِ مطلق نے چشم زدن میں حضرت عزیر علیہ السلام کو طیِّ زمانی اور احیائے موتیٰ کے منظر دکھلا دیئے۔

اَصحابِ کہف اور طیِّ زمانی

قرآن حکیم طیِّ زمانی کی مثال اصحابِ کہف کے حوالے سے یوں بیان کرتا ہے کہ تین سو نو سال تک وہ ایک غار میں لیٹے رہے اور جب سو کر اٹھے تو انہیں یوں گمان ہوا گویا وہ محض ایک دن یا دن کا کچھ حصہ سوئے رہے ہیں۔ قرآن مجید اس محیر العقول واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

قَالَ قَائِلٌ مِّنۡهُمۡ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ۔[1]

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''تم (یہاں) کتنا عرصہ ٹھہرے ہو''؟ انہوں نے کہا: ''ہم (یہاں) ایک دن یا اس کا (بھی) کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔''

309 سال گزر جانے کے باوجود انہیں یوں محسوس ہوا کہ ایک دن بھی نہیں گزرنے پایا اور اُن کے اجسام پہلے کی طرح تروتازہ اور توانا رہے۔ طیِّ زمانی کی یہ کتنی حیرت انگیز مثال ہے کہ مدت مدید تک اصحاب کہف اور ان کا کتا غار میں مقیم رہے اور مرورِ

---

[1] الکھف' ۱۸ : ۱۹

ایام سے انہیں کوئی گزند نہ پہنچا۔ قرآنِ مجید کے اس مقام کے سیاق وسباق کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو اصحابِ کہف کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے غار میں 309 سال تک آرام فرما رہے۔ کھانے پینے سے بالکل بے نیاز قبر کی سی حالت میں 309 سال تک ان کے جسموں کو گردش لیل ونہار سے پیدا ہونے والے اثرات سے کلیتاً محفوظ رکھا گیا۔ سورج رحمتِ خداوندی کے خصوصی مظہر کے طور پر ان کی خاطر اپنا راستہ بدلتا رہا تاکہ ان کے جسم موسمی تغیرات سے محفوظ و مامون اور صحیح و سالم رہیں۔ 309 قمری سال 300 شمسی سالوں کے مساوی ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کرۂ ارضی کے 300 موسم ان پر گزر گئے مگر ان کے اجسام تر و تازہ رہے۔ تین صدیوں پر محیط زمانہ ان پر انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ گزر گیا اور وہ بیدار ہونے پر صدیوں پر محیط اس مدت کو محض ایک آدھ دن خیال کرتے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نشانی اور قدرتِ الٰہیہ کا ظہور تھا جس سے عادتِ الٰہیہ کے پیمانے سمٹ گئے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ إِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِنْهُ ط [1]

اور آپ دیکھتے ہیں جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہونے لگتا ہے تو ان سے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ اس کشادہ میدان میں (لیٹے) ہیں۔

اللہ کی وہ خاص نشانی جس کا ظہور اس نے اصحابِ کہف کی کرامت کے طور پر کیا، یہ ہے کہ اس نے اپنے مقربین کو ظالم بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے 309 قمری سال تک سورج کے طلوع و غروب کے اُصول تک بدل دیئے اور "ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ

---

[1] الکہف، ۱۸: ۱۷

الْعَلِیْمِ" کی رو سے ایک معین نظام فلکیات کو سورج کے گرد زمین کی 300 مکمل گردشوں کے طویل عرصے کے لئے تبدیل کر دیا گیا اور فطری ضابطوں کو بدل کر رکھ دیا گیا۔

خدائے رحمٰن و رحیم نے اپنی خصوصی رحمت سے اصحابِ کہف کو تھپکی دے کر پُر کیف نیند سلا دیا اور ان پر عجیب سرشاری کی کیفیت طاری کر دی۔ پھر انہیں ایک ایسے مشاہدۂ حق میں مگن کر دیا کہ صدیاں ساعتوں میں تبدیل ہوتی محسوس ہوئیں۔ جیسا کہ قیامت کا دن بھی طیِّ زمانی ہی کی ایک صورت میں برپا ہوگا جس میں پچاس ہزار سال کا دن اللہ کے نیک بندوں پر عصر کی چار رکعتوں کی ادائیگی جتنے وقت میں گزر جائے گا' جبکہ دیگر لوگوں پر وہ طویل دن ناقابل بیان کرب واذیت کا حامل ہوگا۔ مشاہدۂ حق کے استغراق میں وقت سمٹ جاتا ہے اور صدیاں لمحوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت میں گزرتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

معراجِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم اور طیِّ زمانی و مکانی

خدا کی ذات اگر بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر کو اپنی قدرتِ خاص کے کرشمے دکھا سکتی ہے تو اپنے حبیب نبیِّ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اس سے بڑھ کر معجزے کیوں برپا نہیں کر سکتی؟ اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ شبِ معراج صاحبِ لولاک فخرِ موجودات حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمان و مکاں (Time & Space) کی مسافتیں طے کروانے کے بعد خدائے لم یزل نے اپنے قرب و وصال کی بے پایاں نعمتیں عطا فرما دیں۔ مقامِ قَابَ قَوْسَیْن پر اپنی ہمکلامی اور بے حجاب دِیدار کا شرف اس طرح ارزانی فرمایا کہ ایک طرف خدا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا سمیع و بصیر تھا تو دوسری طرف حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدا کا سمیع و بصیر تھا' اور دونوں کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ تھا۔

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

شبِ معراج تاجدارِ کائنات رسولِ کون و مکاں حضرت محمد ﷺ کو کیا کیا مقامات عطا ہوئے! انہیں عظمت و رفعت کی کن بلندیوں سے ہمکنار کیا گیا! ارتقائے نسلِ انسانی کو تسخیر کائنات کے مقفل دروازوں پر دستک دینے کی کس طرح ترغیب دی گئی! اس شب کتنی مسافتیں طے ہوئیں اور کتنے زمانے بیت گئے! اس کا حال اللہ رب العزت اور اس کے حبیب ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان ہی سکتا ہے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

ہم غلامانِ پیغمبر ﷺ تو بس اتنا جانتے ہیں کہ ہمارے حضور ﷺ کی خاطر پوری خدائی کی طنابیں کھینچ لی گئیں۔ چرخ نیلوفری دم بخود تھا کہ یہ کون مہمانِ مکرم لامکاں کی سیر کو نکلا ہے۔ ستارے حیرت کی تصویر بنے رہگزر مصطفی ﷺ کی گرد کو اپنے ماتھے کا جھومر بنا رہے تھے۔ وقت کی نبضیں ایک جگہ تھمی کی تھمی رہ گئیں اور کائنات بے حس و حرکت اور ساکت اپنے روحِ رواں کے انتظار میں ایک نقطے پر ٹھہری رہی۔ حضور ﷺ کے زمانہ نبوت میں عقلِ انسانی نے کرۂ ارضی پر محیط فضا کے غلاف کو عبور کرتے ہوئے چاند پر پہنچ کر معجزۂ معراجِ مصطفوی ﷺ کے امکان کی نشاندہی تو کر دی لیکن اس منزل تک پہنچنا معجزہ ہے اور سیارگانِ فلکی تک پہنچنا اس منزل کی تائید اور سفر معراج کی توثیق ہے' فرمانِ مصطفی ﷺ کی تصدیق ہے اور یہ تائید و توثیق فقط نشاندہی کی حد تک ہے کیونکہ اگر عقلِ انسانی بھی منزلِ مصطفوی ﷺ تک پہنچ جائے تو پھر نبوت کا معجزہ ہی باقی نہ رہے۔ اس لئے انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جتنی بھی ترقی کر لے آسمان کی حدود کو پھلانگ کر اور مکاں کی حدوں کو چھو کر بھی وہ لامکاں کی بلندیوں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ سفرِ معراج کے نقوشِ پا کو

چومنا تو اس کا مقدر بن سکتا ہے لیکن منزل مصطفی ﷺ تک رسائی روزِ قیامت تک اس کے لئے ممکن نہ ہو سکے گی۔ علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

تو معنیٔ "والنّجم" نہ سمجھا تو عجب کیا

ہے تیرا مدّ و جزر ابھی چاند کا محتاج

اب جدید سائنس بھی اپنی تحقیقات کو بنیاد بنا کر اس کائناتی سچائی تک رسائی حاصل کر چکی ہے کہ رفتار میں کمی و بیشی کے مطابق کسی جسم پر وقت کا پھیلنا اور سکڑ جانا اور جسم کے حجم اور فاصلوں کا سکڑنا اور پھیلنا قوانینِ فطرت اور منشائے خداوندی کے عین موافق ہے۔ ربِ کائنات نے اپنی آخری آسمانی کتاب قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں طیِ زمانی اور طیِ مکانی کی بعض صورتوں کا ذکر فرما کر بنی نوع انسان پر یہ واضح کر دیا ہے کہ انسان تو بیسویں صدی میں اپنی عقل کے بل بوتے پر وقت اور جگہ (Time & Space) کے اضافی (Relative) تصورات کو اپنے حیطۂ ادراک میں لانے میں کامیاب ہو گا لیکن ہم ساتویں صدی عیسوی کے اوائل ہی میں اپنی وحی کے ذریعہ اپنے محبوب رسول ﷺ پر ان کائناتی سچائیوں کو منکشف کر رہے ہیں۔

امام ابن حجر عسقلانیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

و فی تیسیر ایراد ذلک فی مجلس واحد من خوارق العادة امر عظیم و یقرب ذلک مع کون معجزاته لامریة فی کثرتها انه ﷺ اعطی جوامع الکلم و مثل هذا من جهة اخری ما رواه الترمذی من

حضور ﷺ ایک ہی مجلس میں روزِ قیامت تک کے احوال و واقعات کا بیان فرمانا آپ کا عظیم معجزہ ہے اور آپ ﷺ کی شان جوامع الکلم (طویل کلام کو چند جملوں میں بیان کرنا) کا آئینہ دار ہے۔ اور اس کی مثال ایک دوسری جہت سے عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث میں

حدیث عبداللہ بن عمرو ابن العاص خرج علینا رسول اللہ ﷺ و فی یدہ کتابان فقال الذی فی یدہ الیمنی ھذا الکتاب من رب العالمین فیہ اسماء اھل الجنۃ و اسماء آبائھم و قبائلھم ثم اجمل علی آخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم أبدا اثم قال للذی فی شمالہ مثلہ فی اھل النار۔ ۱؎

ہے جسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ کہ حضور علیہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے درآنحالیکہ آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں، دائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا: یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں اہل جنت اور ان کے آباء اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں اور ان کے آخر پہ ان کی میزان ہے ان پر کبھی بھی نہ کوئی نام زیادہ ہوسکتا ہے اور نہ کوئی نام کم ہوسکتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے بائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں اہل دوزخ کی نسبت اسی کی مثل بیان فرمایا۔

ملا علی قاریؒ نے یہ قول اختصار کے ساتھ) مرقاۃ' ۱۱:۴ (میں نقل کیا ہے۔

امام بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں۔

وفی ایراد ذلک کلہ فی مجلس واحد امر عظیم من خوارق العادۃ و کیف وقد اعطی جوامع الکلم مع ذلک۔ ۲؎

حضور ﷺ کا روز اول سے روز آخر تک تمام احوال و واقعات کا ایک ہی مجلس میں بیان فرما دینا آپ ﷺ کے معجزات میں سے عظیم معجزہ ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ کو اس کے ساتھ جوامع الکلم

۱؎ فتح الباری' ۶: ۲۹۱

۲؎ عمدۃ القاری' ۱۵: ۱۱۰

بھی عطا کیے گئے۔

امام قسطلانیؒ لکھتے ہیں۔

و هذا من خوارق العادة ففيه تيسيرا القول الكثير في الزمن القليل۔ [1]

اور آپ ﷺ کا ابتدائے خلق سے قیامت تک کے احوال کی ایک ہی مجلس میں خبر دینا آپ ﷺ کے معجزات میں سے ایک ہے اس حدیث میں کثیر کلام کر کے تھوڑے وقت میں بیان کر دینے کا معجزہ ہے۔

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بداندیشوں کو کھلا چیلنج

یہ امر مُسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء و رسل کو علوم غیبیہ عطا فرمائے لیکن علمِ غیب کی جو شان نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا ہوئی اس میں کوئی آپ کا مثیل نہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ کبھی کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو چاہو پوچھو تمہیں جواب ملے گا۔ یہ شان فقط حضور رسالت مآب ﷺ کی ہے کہ آپ نے ہر معترض کو کھلا چیلنج دیا کہ جو پوچھنا ہے پوچھو تمہیں ہر سوال کا جواب دیا جائے گا۔ اس واقعہ کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ حضور ﷺ نے مکہ پاک میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا تو کفار و مشرکین نے آپ ﷺ کے مشن کی بھرپور مخالفت کی اور آپ ﷺ کو اذیت دینے کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا یہ لوگ کھلم کھلا اللہ کے رسول ﷺ کے اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کے دشمن تھے اور اپنی دشمنی کا اظہار بھی اکثر و بیشتر برملا کرتے مگر جب حضور ﷺ حکم الٰہی سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اہل مدینہ میں ایک گروہ جسے منافقین کا

---

[1] ارشاد الساری، ۵: ۲۵۰

گروہ کہا جاتا ہے۔ رسول خدا ﷺ اور دین اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا۔ یہ بدطینت لوگ ہمہ وقت آپ ﷺ کی شانِ علم کو بزعمِ خویش گھٹانے کی کوشش میں لگے رہتے اور از رہِ تمسخر طرح طرح کے سوالات کرتے جو آپ ﷺ کی طبع نازک پر گراں گزرتے۔

منافقین کے سوالات کی نوعیت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

کان قوم یسألون رسول الله ﷺ استهزاء فیقول الرجل من ابی و یقول الرجل تضل ناقته این ناقتی۔ [1]	یک گروہ ایسا تھا جو رسول اللہ ﷺ سے از رہِ تمسخر سوالات کرتا ان میں سے ایک شخص کہتا میرا باپ کون ہے؟ اور ا ایک شخص جس کی اونٹنی گم ہو جاتی کہتا میری اونٹنی کہاں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آیت کریمہ لا تسئلوا عن اشیاء الخ کا شانِ نزول بیان فرماتے ہیں۔

قال رجل یا نبی الله من ابی قال ابوک فلان و نزلت هذه الایة یا ایها الذین امنوا لا تسألوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم (الایة) [2]	ایک شخص نے کہا اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ فلاں ہے اور پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اے ایمان والو ایسی باتیں مت پوچھا کرو کہ اگر تمہارے آگے بیان کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے۔"

---

[1] صحیح البخاری، ۲: ۶۶۵ کتاب التفسیر

[2] صحیح البخاری، ۲: ۱۰۸۳، کتاب الاعتصام

امام ابن جریر طبریؒ اسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ان هذه الاية نزلت علی رسول الله ﷺ بسبب مسائل کان یسألها اياه اقوام امتحانا له احيانا و استهزاء احيانا فيقول له بعضهم من ابی؟ و يقول له بعضهم اذا ضلت ناقته اين ناقتی۔ [1]

یہ آیت رسول اللہ ﷺ بایں نازل ہوئی کہ کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کو جانچنے کیلئے اور کچھ نے ازراہ تمسخر سوالات پوچھنا شروع کر دیے۔ کوئی کہتا میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی جس کی اونٹنی گم ہو جاتی کہتا میری اونٹنی کہاں ہے۔

جب معاندین حق کی گستاخیاں حد سے بڑھ گئیں اور ان کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات کا سلسلہ طول پکڑ گیا تو حضور ﷺ کے رُخِ انور پر ناراضگی اور برہمی کے آثار نمودار ہوئے۔ روایات میں ہے کہ آپ ﷺ جلال میں آ کر برسر منبر جلوہ فروز ہوئے اور یہ اعلان فرمایا جس کا ذکر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بایں الفاظ کیا گیا ہے

۱۔ سئل النبی ﷺ عن اشياء كرهها فلما اكثر عليه غضب ثم قال للناس سلونی عماشئتم فقال رجل من ابی يا رسول الله قال ابوک حذافه فقام اخر فقال من ابی يا رسول الله قال ابوک سالم مولی شيبة

نبی ﷺ سے کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جنہیں آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ جب سوالات کا سلسلہ طوالت اختیار کر گیا تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے پھر لوگوں سے فرمایا تم مجھ سے جس شے کے بارے میں چاہو سوال کرو ایک شخص نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ

---

[1] جامع البیان ۵:۱۰۷

فلما رای عمر فی وجهه قال یا رسول الله انا نتوب الی الله عز و جل۔ [1]

نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ شیبہ کا غلام سالم ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرہ انور پر ناراضگی کی کیفیت دیکھی تو کہا یارسول اللہ! ہم اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث اس طرح مروی ہے

ان رسول الله ﷺ خرج فقام عبدالله بن حذافه فقال من ابی قال ابوک حذافة ثم اکثر ان یقول سلونی فبرک عمر علی رکبتیه فقال رضینا بالله ربًا وبالاسلام دینا و بمحمد ﷺ نبیًا ثلاثًا فسکت۔ [2]

رسول اللہ ﷺ (منبر پر) تشریف لائے اور خطبہ دیا، عبداللہ بن حذافہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا؟ میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر آپ ﷺ بار بار فرمانے لگے مجھ سے پوچھو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو زانو بیٹھ کر عرض کی "ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوئے" آپ نے یہ کلمات تین مرتبہ دہرائے، پھر حضور ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا۔

---

[1] صحیح البخاری، ۱: ۱۹، کتاب العلم

[2] صحیح البخاری ۱: ۲۰، کتاب العلم

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج حین زاغت الشمس فصلی الظهر فقام علی المنبر فذکر الساعة و ذکران فیها امور عظاماً ثم قال من احب ان یسأل عن شئ فلیسال فلا تسألونی عن شئ الا اخبرتکم مادمت فی مقامی هذا فاکثر الناس فی البکاء و اکثر ان یقول سلونی فقام عبدالله بن حذافه السهمی فقال من ابی قال ابوک حذافة ثم اکثر ان یقول سلونی فبرک عمر رضی اللہ عنہ علیٰ رکبتیه فقال رضینا بالله ربا و بالاسلام دیناً و بمحمد نبیًا فسکت ثم قال عرضت علی الجنة والنار انفا فی عرض هذا الحائط فلم ار کالخیر والشر۔ ۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے وقت باہر تشریف لائے نماز ظہر ادا فرمائی اور منبر پر رونق افروز ہو گئے اور قیامت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس دن بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے۔ پھر فرمایا جو کوئی کسی شے کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے پوچھ لے تم جس چیز کے متعلق بھی مجھ سے پوچھو گے تمہیں بتاؤں گا جب تک میں اس جگہ ہوں۔ لوگوں نے زارو قطار رونا شروع کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے رہے مجھ سے سوال کرو مجھ سے سوال کرو عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے فرمانے لگے مجھ سے پوچھو مجھ سے پوچھو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوزانو بیٹھ کر کہنے لگے ہم اللہ کے رب ہونے اسلام کے

---

۱ صحیح البخاری' ۱ : ۷۷' کتاب مواقیت الصلوٰة

۲ صحیح مسلم' ۲ : ۲۶۳' کتاب الفضائل

دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوئے تب حضور ﷺ نے سکوت فرمایا۔ پھر فرمایا:۔ ابھی ابھی میرے سامنے اس دیوار کے عرض میں جنت اور دوزخ پیش کی گئی پس میں نے اس کی مثل خیر (جنت) اور شر (دوزخ) نہیں دیکھی

۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

ان النبی ﷺ خرج حین زاغت الشمس فصلے الظهر فلما سلم قام علی المنبر فذکر الساعة وذکران بین یدیها امورا عظاماً ثم قال من احب ان یسأل عن شئ فلیسأل عنه فوالله لا تسألونی عن شئ الا اخبرتکم به مادمت فی مقامی هذا قال انس فاکثر الناس البکآء و اکثر رسول الله ﷺ ان یقول سلونی قال انس فقام الیه رجل فقال این مدخلی یا رسول الله قال النار فقام عبدالله

بے شک نبی ﷺ سورج ڈھلے باہر تشریف لائے نماز ظہر ادا فرمائی جب سلام پھیر لیا تو منبر پر کھڑے ہو گئے قیامت کا ذکر کیا اور فرمایا اس میں بڑے بڑے امور ہیں پھر فرمایا جو کسی شے کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہے وہ سوال کرے اللہ کی قسم تم مجھ سے کسی خبر کے بارے میں سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں جب تک یہاں ہوں اس کا جواب دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے زاروقطار رونا شروع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ بار بار فرمانے لگے مجھ سے پوچھو؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

بن حذافه فقال من ابی یا رسول الله؟ قال ابوک حذافه قال ثم اکثر ان یقول سلونی سلونی قال فبرک عمر علی رکبتیه فقال رضینا بالله ربًّا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا قال فسکت رسول الله ﷺ حین قال عمر ذلک۔ [1]

ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ! میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دوزخ میں پھر عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر آپ کثرت سے فرمانے لگے مجھ سے پوچھو! مجھ سے پوچھو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض کیا ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت عمرؓ نے یہ عرض کیا تو حضور ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا۔

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان الناس سألوا نبی الله ﷺ حتی احفوه بالمسئلة فخرج ذات یوم فصعد المنبر فقال سلونی لا تسئلونیغن شیئ

لوگ اللہ کے نبی ﷺ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے حتی ان کے سوالات کثرت اختیار کر گئے تب آپ ﷺ ایک روز باہر تشریف لائے

---

[1] صحیح البخاری، ۲: ۱۰۸۳، کتاب الاعتصام [2] مسند احمد بن حنبل، ۳: ۱۶۲

الابینته لکم فلما سمع ذلک القوم ارموا ورهبوا ان یسألوه ان یکون بین یدی امر قد حضر قال انس فجعلت التفت یمیناً و شمالاً فاذا کل رجل لاف رأسه فی ثوبه یبکی فانشأ رجل من المسجد کان یلاحی فیدعی لغیر ابیه فقال یا نبی الله من ابی قال ابوک حذافة ثم انشأ عمر بن الخطاب فقال رضینا بالله ربا و بالاسلام دیناً و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولاً عائذا بالله من سوء الفتن فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لم ارکالیوم قط فی الخیر والشر انی صورت لی الجنة والنار فرایتھا دون ھذا الحائط۔[1]

منبر پر آ کر فرمایا مجھ سے پوچھو! تم مجھ سے کسی بھی شے کے بارے میں نہیں پوچھو گے مگر میں تمہیں اس کے بارے میں کھول کر بتادوں گا جب لوگوں نے یہ سنا تو خاموش ہو گئے اور سوال کرنے سے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں کچھ ہو نہ گیا ہو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دائیں بائیں دیکھا تو ہر شخص کپڑے میں منہ لپیٹ کر رو رہا تھا پھر مسجد سے وہ شخص اٹھا جس کو جھگڑے کے وقت اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اس نے کہا یا نبی اللہ میرا باپ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہی ہے پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا ہم اللہ کو رب مان کر اسلام کو دین مان کر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول مان کر راضی ہیں درآنحالیکہ ہم برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے والے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے آج

---

[1] صحیح مسلم، ۲: ۲۶۳، کتاب الفضائل

کی طرح کبھی خیر اور شر کو نہیں دیکھا
میرے سامنے اس دیوار کے قریب جنت
اور دوزخ کی تصویر دکھائی گئی۔

ایک شبہ اور اس کا ازلہ

بعض ذہنوں میں شاید یہ شبہ پیدا ہو کہ آپ ﷺ کا فرمان عالی ''سلونی عما شئتم'' (مجھ سے جس شے کے بارے میں چاہو سوال کرو) مسائل شریعہ سے متعلق ہے۔ یہ موقف سراسر باطل اور بے بنیاد ہے کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان علم غیب سے متعلق ہے اگر اسے مسائل شریعہ تک محدود کر دیا جائے تو سوال و جواب کی نوعیت میں فرق پڑ جائے گا اور یہ مبنی برحقیقت نہیں کیونکہ حضور ﷺ سے جو سوالات پوچھے گئے تھے وہ براہ راست علم غیب سے متعلق تھے اور ان میں کوئی دینی مسئلہ نہیں پوچھا گیا تھا۔ عبداللہ بن حذافہ نے پوچھا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''تیرا باپ حذافہ ہے'' دوسرے شخص نے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''تیرا باپ شیبہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے۔''

کسی کے نسب کا تعین سوائے ماں کے کوئی نہیں کر سکتا حتی کہ باپ بھی وثوق سے نہیں بتا سکتا کہ یہ میرا نطفہ ہے لیکن قربان جائیں آقا ﷺ پر جنہوں نے علم نبوت کی بناء پر ان افراد کے نسب کا بھی تعین فرما دیا۔ اسی طرح جب ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کیا ''میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا ''دوزخ میں ہوگا'' اس مقام پر آقائے دو جہاں ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ناداں یہ تو نے کون سی بات پوچھ لی ہے، میں تو شریعت کے مسئلے کی بات کر رہا ہوں بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا ٹھکانہ جہنم ہے کیونکہ حضور ﷺ نہ صرف اس کی حیات و موت کی حالت کو دیکھ رہے تھے بلکہ اس کی آخرت کو بھی ملاحظہ فرما رہے تھے سو اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو حال و مستقبل میں پیش آنے والے امور غیبیہ کا علم تھا۔

۴۔حضور ﷺ نے طالبانِ علم ومعرفت کو ہر شے کا علم عطا کر دیا

حضور ﷺ کے جاں نثار صحابہ سفر وحضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتے اور آپ ﷺ کے بحرِ علوم ومعارف سے نایاب گوہر سمیٹنے کی سعی میں لگے رہتے۔آپ ﷺ بھی طالبانِ علم ومعرفت کو نوازنے میں ذرا بخل سے کام نہ لیتے۔حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اتنا علم عطا فرمایا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

لقد تركنا محمد ﷺ وما يحرك طائر جناحيه في السماء الاذكر منه علماً۔[۱]

حضرت محمد ﷺ نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ کوئی شے ایسی نہ تھی کہ جس کا علم آپ ﷺ نے ہمیں عطا نہ فرما دیا ہو حتی کہ یہ بھی بیان فرما دیا کہ کوئی پرندہ فضا میں اپنے بازوؤں کے ساتھ کیسے محوِ پرواز ہے۔

امام قسطلانیؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

ولا شك ان الله تعالیٰ قد اطلعه على أزيد من ذلك و ألقى عليه علم الاولين والآخرين۔[۲]

بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے بھی کہیں زیادہ پر مطلع فرمایا اور اولین و آخرین کا علم آپ ﷺ پر القا فرما دیا۔

قوانینِ حرکت کا علم

مذکورہ بالا حدیث میں قانون حرکت (Law of Motion) کی طرف اشارہ

---

[۱] ا۔مسند احمد بن حنبل، ۵: ۱۵۳ [۲] المواهب اللدنیہ، ۳: ۵۶۰

۲۔المواهب اللدنیہ، ۲: ۱۹۲

ہے جو علم طبیعیات (Physics) سے متعلق ہے جس میں پرندے کی پرواز کے اصول خصوصاً چیل اور باز کی پر ہلائے بغیر اڑان سے ہوائی جہاز کو گلائیڈر سسٹم (Glider System) جیسے اصول میسر آئے۔ حضور ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل اس علم کو بیان فرمادیا، یہ سب آپ ﷺ کی شانِ علمِ غیب کا اعجاز ہے۔

جدید سائنسی علوم کے حصول کا سبق

اس حدیث مبارکہ سے مسلمانوں کو یہ سبق بھی ملتا ہے کہ ان کے لئے سائنسی علوم پر عبور حاصل کرنا ضروری ہے اور صرف دینی یا روحانی علم کا حصول ہی کافی نہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے جو ہر قسم کے نافع علم کے حصول پر زور دیتا ہے اور اس میں جدید سائنس (Modern Science) کا علم بھی شامل ہے اگر یہ کہا جائے کہ علم مومن کی میراث ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اس میں دینی و روحانی علم کے ساتھ جدید سائنسی علوم کا حصول بھی میراثِ علم کا حصہ ہے جسے بہر کیف مسلمانوں کے تصرف میں ہونا چاہئے سائنس اور ٹیکنالوجی کے انہی اصولوں کی بدولت آج کا انسان مادی ترقی کی انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔ امکانات کی وسیع دنیا اسے خلاء کی تسخیر پر آمادہ کر رہی یہ سب حضور ﷺ کے معجزات و تصرفات ہی کی توسیع (Extension) ہے۔ صدیوں قبل جب جدید علوم کی مبادیات (Fundamentals) کا بھی کسی کو علم نہیں تھا آقائے کائنات ﷺ اپنے اصحاب کو جدید طبیعیات (Modern Physics) کے نظریات سے آگاہ فرمادیا تھا۔

۵۔ حضور ﷺ اپنے ہر امتی کو پہچانتے ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ خاتم النبین ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور آپ کی نبوت قیامت تک جاری و ساری ہے۔ آپ ﷺ کی امت بھی آخری امت ہے بقول علامہ اقبال

اور سل را ختم ما اقوام را

یعنی آپ ﷺ کی امت بھی تا قیامِ قیامت جریدہ عالم پر ثبتِ دوام حاصل کرے گی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی امت کی کثرت تعداد کے اعتبار سے کوئی حساب و شمار نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علم غیب کی وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ آپ اپنی امت کے ہر فرد کو پہچانتے ہیں۔ حضور ﷺ کا درج ذیل فرمان اس پر شاہد عادل ہے۔

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

عرضت علی امتی البارحة لدی هذه الحجرة اولها الی آخرها فقال رجل یا رسول الله هذا عرض علیک من خلق فکیف عرض علیک من لم یخلق؟ فقال صوّروا لی فی الطّین حتی لأنا اعرف بالانسان منهم من احدکم بصاحبه۔[1]

گزشتہ رات میری تمام امت از اول تا آخر اس حجرے کے پاس مجھ پر پیش کی گئی تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ جو لوگ پیدا ہو چکے ہیں وہ تو آپ پر پیش کیے گئے مگر جن کی ابھی تخلیق نہیں ہوئی وہ آپ پر کیسے پیش کیے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر ان کی مٹی کی صورتیں پیش کی گئیں حتی کہ ان میں سے ہر شخص کو اس سے زیادہ پہچانتا ہوں جتنا کہ تم میں سے کوئی اپنے کسی دوست کو پہچانتا ہے۔

۶- اہل جنت اور اہل دوزخ کی پہچان

اللہ تعالیٰ نے جزا اور سزا کا ایک نظام وضع فرما رکھا ہے جس میں نیک اعمال کی

---

[1] المعجم الکبیر، ۳: ۱۸۱، رقم: ۳۰۵۵

جزا اور برے اعمال کی سزا مقرر کردہ ضابطوں کے مطابق دی جائے گی اور جزا اور سزا کا ایک دن معین ہے جس کا مالک خود رب ذوالجلال ہوگا۔ روز قیامت کچھ لوگوں کو ان کے عقیدے اور اعمال صالحہ کے باعث جنت کی پر کیف بہاریں ملیں گی اور کچھ لوگوں کو ان کے عقیدے کے فساد اور اعمال بد کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا۔ اہل جنت کون ہیں اور اہل دوزخ کون ہیں؟ یہ ایک امر غیبی ہے جس کا علم بالذات صرف اللہ تعالیٰ کو ہے مگر اس نے یہ علم اپنے حبیب ﷺ کو بھی عطا کر دیا ہے۔ متعدد احادیث میں حضور ﷺ کی اس شان علم کا ذکر موجود ہے چند احادیث بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

۱ — عن عبداللہ بن عمر عن رسول اللہ ﷺ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ و فی یدہ کتابان فقال أتدرون ماھذان الکتابان قال قلنا لا الا ان تخبرنا یا رسول اللہ قال للذی فی یدہ الیمنی ھذا الکتاب من رب العلمین تبارک و تعالیٰ باسماء اھل الجنۃ و اسماء آبائھم و قبائلھم ثم اجمل علی آخرھم لا یزاد فیھم ولا ینقص

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں پس آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم ان دونوں کتابوں کے بارے میں جانتے ہو؟ راوی نے کہا ہم نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! سوائے اس کے کہ آپ ہمیں ان کے متعلق آگاہ فرما دیں۔ آپ ﷺ نے اس کتاب کے متعلق جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی فرمایا یہ کتاب رب العلمین تبارک وتعالیٰ

منهم أبدا ثم قال للذی فی یساره هذا کتاب اهل النار باسمائهم و اسمآء ابائهم و قبائلهم ثم اجمل علی آخر هم لا یزاد فیهم ولا ینقص منهم أبدا۔ ؎۱

کی طرف سے ہے اس میں اہل جنت کے اور ان کے آباؤ اجداد کے اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں اس کے آخر تک اجمالی ذکر فرمادیا۔ نہ اس میں کچھ زیادہ کیا جائے گا اور نہ ہی کچھ کم کیا جائے گا پھر بائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا یہ کتاب بھی رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں اہل دوزخ کے نام ان کے آباء کے نام اور ان کے قبیلوں کے آخر تک اجمالی ذکر فرمادیا۔ نہ کبھی ان میں کچھ زیادہ کیا جائے گا اور نہ ہی کم کیا جا سکے گا۔

۷-یارِ غار کو جنت کی خوشخبری

حضور ﷺ نے اپنے جاں نثار اور غم گسار صحابی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری عطا فرمادی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا:

کنا عند النبی ﷺ فقال النبی ﷺ یطلع علیکم رجل من اهل الجنة فأطلع ابو بکر فسلم

ہم نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص نمودار ہوگا تو

؎۱ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۱۶۷

ثم جلس۔ [1] | ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے انہوں نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

یہ حدیث دنیوی اور اخروی دونوں اعتبارات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب پر شہادت فراہم کر رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو یہ فرمانا کہ تمہارے پاس ایک شخص آئے گا۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ تھوڑی دیر بعد یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنے والے ہیں۔ اور اخروی اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا ثبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کے اعلان سے فراہم ہو رہا ہے۔

۸- چاروں خلفاءِ راشدین کے جنتی ہونے کی خوش خبری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چاروں خلفاء کے جنتی ہونے کی خوشخبری عطا فرمائی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔

كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يطلع عليكم رجل او قال يدخل عليكم رجل يريد رجل من اهل الجنة فجاء ابوبكر رضي الله عنه ثم قال يطلع عليكم أو يدخل عليكم شاب يريد رجل من اهل الجنة قال فجاء عمر رضي الله عنه ثم قال يطلع عليكم رجل من اهل الجنة اللهم اجعله عليا	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے پھر فرمایا تمہارے پاس ایک جنتی نوجوان آئے گا (راوی نے) فرمایا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے پھر (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا۔ یا اللہ وہ شخص علی

[1] المستدرک، ۳: ۷۳، کتاب معرفة الصحابہ، رقم الحدیث: ۴۴۴۳

اللھم اجعلہ علیا قال فجاء علی رضی اللہ عنہ۔ ۱؎

ہو! یا اللہ وہ شخص علی ہو! راوی نے کہا پھر علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔

۴۔ طبرانی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ربیع انصاری کو شرف ملاقات عطا کرنے کیلئے تشریف لے گئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما ہوئے' ہم بھی وہاں آپ کی خدمت اقدس میں بیٹھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

یطلع علیکم رجل من اھل الجنة فطلع عمر ثم قال یطلع علیکم رجل من اھل الجنة فطلع عثمان۔ ۲؎

تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا تو حضرت عمر تشریف لے آئے پھر فرمایا تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا تو حضرت عثمان تشریف لے آئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اصحاب ذی وقار کی آمد کی بھی خبر تھی اور ان کے انجام خیر کا بھی علم تھا۔ یہ دونوں خبریں امور غیب سے متعلق ہیں۔

۹- دس صحابہ کے جنتی ہونے کی خبر

حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بشمول خلفائے اربعہ دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی خبر ایک مجلس میں عطا فرمائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابوبکر فی الجنة و عمر فی

ابوبکر جنت میں ہیں اور عمر جنت میں ہیں

۱؎ مسند احمد بن حنبل' ۳: ۳۸۰ ۲؎ المعجم الاوسط' ۷: ۵۰۴ رقم ۶۶۹۹۸

الجنة و عثمان فی الجنة و علی فی الجنة و طلحة فی الجنة والزبیر فی الجنة و عبدالرحمن بن عوف فی الجنة و سعد بن ابی وقاص فی الجنة و سعید بن زید فی الجنة و ابو عبیدة بن الجراح فی الجنة۔ [1]

اور عثمان جنت میں ہیں اور علیؓ جنت میں ہیں اور طلحہ جنت میں ہیں اور زبیر جنت میں ہیں اور عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں اور سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں اور سعید بن زید جنت میں ہیں اور ابوعبیدہ بن جراح جنت میں ہیں۔

علاوہ ازیں حضور ﷺ نے متعدد مواقع پر بعض صحابہ کو جنت کی بشارت عنایت فرمائی جس کا ذکر کتب حدیث و سیر میں موجود ہے۔

۱۰۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ جبل احد پر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ احد پہاڑ وجد میں آ کر حرکت کرنے لگا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

اسکن احد اظنهٗ ضربه برجله فلیس علیک الا نبی و صدیق و شهیدان۔ [2]

احد ٹھہر جا میرا خیال ہے (راوی کا خیال ہے کہ) حضور ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک سے اس پر ضرب لگائی (پھر فرمایا) تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہی تو ہیں۔

---

[1] ۱۔ جامع الترمذی، ۲:۲۱۶۔ کتاب المناقب، رقم: ۳۷۴۷
۲۔ مشکوۃ المصابیح: ۵۶۶

[2] صحیح البخاری، ۱: ۵۲۳، کتاب المناقب

حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم شہید ہوں گے لہذا آپ نے ان کی شہادت کی خبر پہلے ہی دے دی۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ یہ دونوں ہستیاں شہادت کے مرتبہ پر فائز المرام ہوئیں۔

۱۱۔ جنگ موتہ میں سپہ سالاروں کی شہادت کی پیشگی خبر

جنگ موتہ کا معرکہ کارزار گرم تھا اور رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما شام میں ہونے والے معرکہ حق و باطل کے حالات و واقعات سے صحابہ کرام کو آگاہ فرما رہے تھے۔ اسی موقع پر آپ ﷺ نے تین جلیل القدر صحابہ حضرت زید حضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی پے در پے شہید ہو جانے کی خبر لوگوں کو سنائی اور یہ ایسے تھا جیسے حضور ﷺ انہیں آنکھوں دیکھا حال بتا رہے ہیں۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن انس ان النبی ﷺ نعی زیدا و جعفرا و ابن رواحة للناس قبل ان یاتیهم خبرهم فقال اخذ الرایة زید فاصیب ثم اخذ ها جعفر فاصیب ثم اخذ ابن رواحة فاصیب و عیناه تذرفان حتی اخذ سیف من سیوف اللہ حتی فتح اللہ علیهم.[۱]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی اطلاع پہنچنے سے پہلے ہی لوگوں کو اس کی خبر دے دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جھنڈا زید کے ہاتھ میں تھا، وہ شہید ہو گئے پھر جھنڈا جعفر نے پکڑ لیا وہ بھی شہید ہو گئے پھر جھنڈا ابن رواحہ نے پکڑ لیا پس وہ بھی شہید ہو گئے

---

[۱] صحیح البخاری، ۱: ۵۳۱، کتاب المناقب، رقم الحدیث: ۱۱۸۹

ہیں اور آپ ﷺ کی چشمان اقدس اشکبار ہو گئیں آخر کار جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار یعنی خالد بن ولید نے پکڑ لیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار فرمایا۔

آج سے چودہ سو سال قبل کہ جب نہ کوئی سیٹلائٹ سسٹم تھا اور نہ کوئی انٹرنیٹ، ای میل، وائرلیس اور فون جیسے مواصلاتی رابطہ کی سہولت تھی سینکڑوں کلومیٹر کے فاصلے پر بیٹھ کر میدانِ کارزار کے حالات کی خبر دینا بلاشبہ تاجدار کائنات ﷺ کے علم غیب کی دلیلِ محکم ہے۔

۱۲۔احوالِ قبور کی خبر

حضور ﷺ کو قبروں کے اندر پیش آنے والے احوال کا بھی علم تھا۔ اس حوالے سے صحیح بخاری کی ایک روایت پیش کی جاتی ہے:

عن ابن عباس قال مر النبی ﷺ علی قبرین فقال انهما لیعذبان وما یعذبان من کبیر ثم قال بلی اما احدهما فکان یسعی بالنمیمة و اما احدهما فکان لا یستتر من بوله قال ثم اخذ عودا رطبا فکسره باثنین ثم غرز کل واحد منهما علی قبر

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا دو قبروں کے قریب سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا بیشک ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کی کوئی بڑی وجہ بھی نہیں، ان میں سے ایک چغلی کھاتا تھا اور ایک پیشاب سے احتیاط نہیں برتتا تھا، راوی فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ

ثم قال لعله يخفف عنهما مالم ييبسا۔ ^1^	نے ایک سبز شاخ لے کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور ان دونوں قبروں پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا پھر فرمایا جب تک یہ خشک نہیں ہوں گے یقیناً ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

یہ حدیث حضور ﷺ کے مطلع علی الغیب ہونے پر درج ذیل جہتوں سے دلالت کرتی ہے۔

۱۔ آپ ﷺ نے دو قبروں کے قریب سے گزرتے ہوئے ان کے اندرونی احوال کی خبر دی اور قبروں کے اندرونی احوال کا تعلق امورِ غیبیہ سے ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ امورِ غیبیہ کا علم رکھتے تھے۔

۲۔ عذابِ قبر کے جو اسباب آپ ﷺ نے بیان فرمائے ان کا تعلق زمانہ ماضی سے تھا لہذا ان کے غیب ہونے کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو ماضی کے احوال و واقعات کا بھی علم تھا۔

۳۔ عذابِ قبر زمانہ حال سے متعلق امرِ غیبی ہے جس کی خبر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دی، اس میں آپ ﷺ کے علمِ غیب باعتبارِ حال کا اثبات ہے۔

۴۔ ٹہنیوں کے سرسبز و شاداب رہنے تک عذابِ قبر میں تخفیف امرِ غیبی باعتبار مستقبل ہے، اس سے آپ ﷺ کی شانِ علمِ غیب باعتبار مستقبل واضح ہو گئی۔

۞ حدیث مذکورہ سے ایصالِ ثواب کے ضمن میں عملِ غیر کا صاحبِ قبر کے لئے نفع بخش ہونا بھی ثابت ہے۔

---

^1^ صحیح البخاری، ۱: ۱۸۴، کتاب الجنائز

۱۳۔ بعد از وصال سب سے پہلے ملاقات کرنے والی زوجہ مطہرہ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن ازواج مطہرات آپ ﷺ کے پاس جمع تھیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے سب سے پہلے کون آپ سے ملاقات کرے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اطولکن یدا — جو تم میں سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فکانت سودة اطولھن یداً ...... و کانت اسرعنا لحوقا بہ ﷺ [۱] — اور سودہ (رضی اللہ عنہا) ہم میں سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی تھیں اور آپ ہی ہم میں سے سب سے پہلے آپ ﷺ سے جا ملیں (یعنی ان کا انتقال سب سے پہلے ہوا)۔

مسلم کی روایت کے مطابق حضور ﷺ کی پیشین گوئی کا مصداق سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں۔

فکانت اطولنا یداً زینب لانھا کانت تعمل بیدھا و تصدق. [۲] — زینب بنت جحش ہم میں سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی تھیں کیونکہ آپ اپنے ہاتھ سے کام کرتیں اور خیرات کرتیں۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں آپ حضور ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے طلاق کے بعد نکاح فرمایا۔ ان کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا، اور ان کی نماز

---

[۱] صحیح البخاری، ۱: ۱۹۱، کتاب الزکوۃ، رقم الحدیث: ۱۳۵۴

[۲] صحیح مسلم، ۲: ۲۹۱، کتاب الفضائل

جنازہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ علمائے تاریخ کے نزدیک ازواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا۔

و كانت اول نساء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لحوقا به ۱	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے آپ (حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا) کا انتقال ہوا۔

جبکہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مکہ میں عقد فرمایا ان کا انتقال خلافت فاروقی کے اواخر میں ہوا۔

۱۴۔ سراقہ بن مالک اور کسریٰ کے کنگن

ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تعاقب کرنے والے شخص سراقہ بن مالک کو تائب ہونے پر نہ صرف معاف فرما کر امن کی دستاویز عطا فرمائی بلکہ جب وہ واپس جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خوشخبری عطا فرمائی کہ سراقہ تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اس وقت کسریٰ ایران جیسی سپر پاور کا مالک ومختار تھا۔ امام حلبیؒ اس خوشخبری کو بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:

ولمّا اراد الانصراف قال له كيف بك يا سراقة اذا تسورت بسوارى كسرىٰ. ۲	جب وہ (سراقہ) رخصت ہونے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہوگی جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔''

---

۱ اسد الغابة، ۷: ۱۲۵

۲ السيرة الحلبية، ۲: ۴۵

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایران فتح ہوا تو مال غنیمت میں کسریٰ بن ہرمز کے کنگن بھی موجود تھے۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر یہ کنگن سراقہ کو پہنا دیئے گئے اس موقع پر سراقہ بن مالک نے کہا:

الحمد لله الذی سلبها عن کسریٰ بن هرمز الذی کان یقول أنا رب الناس والبسهما سراقه بن مالک. ۱

تمام تعریفوں کے لائق وہی ذات ہے جس نے یہ کنگن کسریٰ بن ہرمز جو خود کو لوگوں کا رب کہتا تھا سے چھینے اور سراقہ بن مالک کو پہنائے۔

امام سہیلیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

کان قد بشر بها سراقة حین اسلم و اخبره ان الله سیفتح علیه بلاد فارس و یغنمه ملک کسریٰ فاستبعد ذلک سراقة فی نفسه و قال أکسری ملک الملوک. ۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کو کنگنوں کی خوشخبری اس وقت دی تھی جب اس نے اسلام قبول کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی عنقریب اس کے ہاتھ پر ایران کی فتح عطا کرے گا اور اسے کسریٰ کی سلطنت کا مال غنیمت عطا فرمائے گا۔ سراقہ نے اپنے دل میں اس خوشخبری کو ناممکن خیال کیا اور کہا کیا کسریٰ بادشاہوں کا بادشاہ؟ (مفتوح ہوگا)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ مستقبل قریب میں ایران مسلمانوں کے زیر نگیں آ جائے گا اور مفتوح بادشاہ کسریٰ ایران کے کنگن سراقہ کو پہنائے جائیں گے۔ مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراقہ کی قلبی کیفیت کا بھی علم تھا اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ خوشخبری عطا

---

۱ السیرۃ الحلبیہ، ۲: ۴۵

۲ الروض الانف، ۲: ۶

فرمائی تا کہ اسے ایقان کی دولت نصیب ہو اور آپ ﷺ کو یہ بھی علم تھا کہ فتح ایران کے وقت سراقہ زندہ ہوگا۔

۱۵۔ دفینۂ عباس کی خبر

غزوہ بدر کے موقع پر اسیران بدر میں عمِ رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جب قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فدیہ ادا کرنے کے لئے فرمایا تو انہوں نے عذر پیش کیا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اور میرے پاس فدیہ ادا کرنے کے لئے مال موجود نہیں۔ اس پر مخبر صادق آقا ﷺ نے فرمایا:

این المال الذی دفنته انت و ام الفضل فقلت لها ان اصبت فی سفری هذا فهذا المال لابنی الفضل و قُثم	وہ مال کہاں ہے جو آپ نے اور ام الفضل نے دفن کیا تھا اور آپ نے ان سے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں کام آ جاؤں تو یہ مال میرے دونوں بیٹوں فضل اور قثم کی ملکیت ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو ششدر رہ گئے اور برملا کہنے لگے:

والله انی لاعلم انک رسول الله والله ان هذا شئ ما علمه احد غیری و غیر ام الفضل.[1]	اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بخدا یہ ایسی بات ہے کہ جسے میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔

---

[1] حجۃ اللہ علی العالمین : ۴۸۲

۱۶۔ حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کے خفیہ خط کا علم

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ مسلمانوں نے ہمیشہ ایفائے عہد کا پاس کیا' اس کے برعکس دشمن نے ہمیشہ عہد شکنی اور بدعہدی کا ثبوت دیا۔ صلح حدیبیہ مسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان ایک معاہدہ تھا جس کی مسلمانوں نے پاسداری کی مگر قریش نے اپنی روایتی عہد شکنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس معاہدے کی بھی دھجیاں اڑا دیں۔ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے مذموم ارادوں کو ناکام بنانے کے لئے مکہ مکرمہ کو ان کے تسلط سے آزاد کرانے کا فیصلہ فرمایا۔ حضرت حاطب بن بلتعہ ایک صحابی نے سارہ نامی ایک عورت کو خفیہ خط کے ساتھ مخبری کے لیے کہ مسلمان مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں مکہ مکرمہ بھیجا' اس عورت نے یہ خط اپنے بالوں میں چھپالیا اور غیر معروف راستے سے اپنے خفیہ مشن پر روانہ ہوئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو اس عورت کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیزی سے اس جاسوسہ کا پیچھا کیا اور راستے میں اسے جالیا۔ اس کے سامان سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس سے مذکورہ خط کے بارے میں دریافت کیا تو وہ صاف مکر گئی۔ صحابہ نے اس پر دباؤ ڈالا کہ ہم تجھے کسی صورت میں بھی آگے نہیں جانے دیں گے۔ اگر وہ نہ مانی تو مجبوراً انہیں اس کی تلاشی لینا ہوگی۔ اس پر وہ عورت گھبرا گئی اور اس نے دشمن کے لئے خفیہ پیغام رسانی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے بالوں سے نکال کر وہ خط صحابہ کے حوالے کر دیا۔[۱]

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن سلوک کا برتاؤ کرتے ہوئے اس عورت کو چھوڑ دیا حالانکہ اس کا جرمِ جاسوسی ناقابل معافی تھا۔ حسن سلوک اور عورتوں سے درگزر کی یہ مثال اسلامی روایات کا حصہ ہے۔ حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ سے جب اس سنگین جرم کے

---

[۱] ۱۔ سنن ابی داؤد، ۲: ۳   ۲۔ البدایہ والنہایہ، ۴: ۸۵۔ ۲۸۳

بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! میں قریش کا حلیف ہوں لیکن ان سے رشتہ داری نہیں۔ دوسرے لوگوں کے مکہ میں رشتہ دار ہیں جن کے باعث ان کے اموال واقارب کی حفاظت ہوتی ہے، میں نے سوچا اہل مکہ پر احسان کروں تا کہ وہ اس کے بدلے میں میرے اعزہ واقارب کی بھی حفاظت کریں۔

اس صحابی رسول کا یہ جرم اگرچہ اپنی سنگینی کے اعتبار سے بہت بڑا تھا لیکن یہ بدنیتی اور کفروارتداد پر مبنی نہ تھا اس لئے جب حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی سزا کی بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

انه قد شهد بدرا وما يدريك	یہ تو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے کیا
لعل الله ان يكون قد اطلع على	تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر
اهل بدر فقال اعملوا ماشئتم	کے حالات سے باخبر ہوتے ہوئے فرمایا
فقد غفرت لكم.[1]	کہ اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش
	دیا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حاطب نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے اب اسے کچھ نہ کہا جائے، حضور ﷺ کا ارشاد گرامی سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

اس واقعہ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا	اے ایمان والو، میرے دشمنوں اور اپنے
عَدُوِّىْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ	دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کو دوستی
اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا	(وصیت) کا پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس

[1] ۱۔صحيح البخارى، ۱: ۴۲۲ 'كتاب الجهاد ۲۔سنن ابى دائود ۲: ۳' كتاب الجهاد

جَآءَ کُمْ مِّنَ الْحَقِ[1] دین ہی سے منکر ہیں جو تمہارے پاس ہے۔

اس واقعہ سے جہاں حضور ﷺ کی جنگی حکمت عملی اور عفو و درگزر کا پتہ چلتا ہے وہاں آپ ﷺ کی شانِ علمِ غیب کا پہلو بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

۱۷۔ فضالہ کے دل کی بات کا علم

امام شامیؒ حضرت فضالہ بن عمیر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ فضالہ بھی آپ ﷺ کے قتل کے ارادے سے شریکِ طواف ہو گیا۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أفضالة ؟ کیا تو فضالہ ہے؟

اس نے جواب دیا:

نعم جی ہاں، میں فضالہ ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

ماذا کنت تحدث به في نفسک؟ تو اپنے دل میں کیا خیال کر رہا تھا؟

اس نے کہا:

لا شئ کنت اذکر الله کچھ نہیں میں تو اللہ اللہ کر رہا تھا۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

استغفر الله میں اللہ سے (تمہارے لئے) مغفرت طلب کرتا ہوں۔

---

[1] الممتحنه، ۶۰: ۱

اور جس پوشیدہ ارادے سے وہ آیا تھا اسے اس پر فاش کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا دست اقدس اس کے سینے پر رکھ دیا تو اس کے دل کی دنیا بدل گئی اور عداوت نے دائمی محبت کی صورت اختیار کر لی' باطن نور سے بھر گیا، ایمان کی دولت سینے میں مچلنے لگی۔ دست اقدس جس کی مقدس انگلیوں سے خنک پانی کے چشمے رواں ہو جاتے، جو چاند کی طرف اٹھ جاتا تو وہ دو ٹکڑے ہو جاتا، جس کے اشارے سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آتا وہ دست مبارک قتل کا ارادہ رکھنے والے فضالہ کے قلب ونظر کو انقلاب آشنا کر گیا اور وہ بے ساختہ پکار اٹھا:

والله ما رفع يده عن صدرى حتى ما خلق شئ احب الى منه.[۱]

اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے سے ہٹایا نہیں تھا کہ مجھے آپ ﷺ کی ذات کائنات کی ہر شے سے زیادہ محبوب ہوگئی۔

۱۸۔ حضرت ابوسفیان کے وسوسے کا علم

فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوسفیان ؓ نے جو اسلام کے دائرہ رحمت میں آ چکے تھے صحابہ کے جلو میں حضور ﷺ کے طواف کعبہ کا منظر دیکھا تو ان کے دل میں شیطانی وسوسہ انگیزی اور حسد کے تحت یہ خیال گزرا کہ میرے پاس لشکر ہوتا تو دوبارہ اس شخص کے ساتھ جنگ کرتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ ابوسفیان کی جانب تشریف لائے' اپنا دست شفقت ان کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا اور فرمایا:

اذا يخزيک الله

پھر اللہ تجھے ذلیل کرتا۔

حضرت ابوسفیانؓ نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضور ﷺ قیام فرما ہیں۔ ابوسفیان نے کہا:

---

[۱] سبل الهدى والرشاد، ۵:۲۳۵

ما أيقنت انک نبی حتی الساعة. ۱   مجھے اس وقت تک یقین نہیں تھا کہ آپ نبی ہیں۔

اسی رات ابوسفیان نے اپنی بیوی سے کہا کہ کیا آج جو کچھ ہوا تو اسے اللہ کی طرف سے سمجھتی ہے اس نے کہا ہاں یہ سب کچھ من جانب اللہ ہے۔ صبح عند الملاقات حضور ﷺ نے ابوسفیان کو اس گفتگو کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

قلت لھند اترین ھذا من اللہ. ۲   تو نے ھند سے یہ کہا تھا کہ کیا یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

تو ابوسفیان بے ساختہ پکار اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اعتراف کیا کہ اس گفتگو کے وقت میرے اور میری بیوی ھند بنت عتبہ کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔

۱۹۔ مستقبل میں ٹیکنالوجی کے استعمال کی خبر

صنعتی ترقی کی بنیاد پہیہ ہے، ذرائع نقل وحمل کی تیز رفتاری کے باعث فاصلے سمٹ رہے ہیں اور آج دنیا Global Village کا تصور اپنی عملی صورت میں پیش کر رہی ہے۔ ابتدائے آفرینش سے سفر وسیلہ ظفر رہا ہے۔ زمانہ قبل از تاریخ ہی سے مختلف جانوروں کو سواری کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ پھر بیل گاڑی ایجاد ہوئی، ریڑھے اور تانگے وجود میں آئے۔ ان گاڑیوں کو بھی جانور ہی کھینچا کرتے تھے، پھر ایک وقت آیا کہ ریل گاڑی اور موٹر کاروں کا دور آ گیا۔ ان جدید ترین سواریوں کی بھی آج سے چودہ سو سال قبل واضح طور پر نشاندہی فرما دی گئی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن العاص ؓ سے مروی ہے کہ تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا:

---

۱ دلائل النبوۃ للبیھقی، ۵: ۱۰۲   ۲ دلائل النبوۃ، ۵: ۱۰۳

سیکون فی آخر أمتی رجال یرکبون علی المیاثر بدل السروج العظام.[۱]	میری امت کے دورآخر میں لوگ گوشت پوست اور ہڈیوں کے جانور کی بجائے دوسری سواریوں (یعنی موٹر گاڑیوں اور ہوائی جہازوں وغیرہ) پر سفر کریں گے۔

مذکورہ حدیث مقدسہ میں مکینکل ٹیکنالوجی (Mechanical Technology) پر مبنی جدید ایجادات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ آج راکٹ اور خلائی جہاز سواری کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ موٹر کار اور ریل گاڑی کی ایجاد اب قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔ آج کا دور راکٹ اور خلائی شٹل کا دور ہے۔ چاند کی سرزمین انسان کے قدموں کو بوسہ دے چکی ہے۔ آواز سے تیز رفتار طیاروں کی ایجاد بھی نئی بات نہیں رہی۔ آج موٹر انجن سے چلنے والی سواریوں کا ہر طرف راج ہے۔ آج کے انسان کو حمل و نقل کے وہ ذرائع میسر ہیں جن کا حصول ماضی کے بادشاہوں کے لئے تصور بھی ممکن نہ تھا۔

۲۰۔ دورِ حاضر کی جدید سائنسی ترقی

دورِ حاضر میں زمان و مکان (Time & Space) سے متعلق دورِ جدید کی سائنسی ترقی پر بھی حضور رحمتِ عالم ﷺ کے کئی ایک فرامین دلالت کرتے ہیں۔ تاجدارِ کائنات ﷺ نے مستقبل بعید میں ہونے والی ایجادات کے بارے میں ارشاد فرمایا:

لا تقوم الساعة حتی یتقارب الزمان ویکون السنة کالشهر و الشهر کالجمعة وتکون	قیامت اس وقت تک منعقد نہ ہوگی جب تک زمانے (وقت) کی اکائیاں سمٹ کر ایک دوسرے کے بالکل قریب نہ آ

---

[۱] مستدرک الحاکم

الجمعة كاليوم ويكون اليوم كالساعة وتكون الساعة كالضرمة بالنار۔ [1]

جائیں، سال مہینے کی طرح اور مہینہ ہفتے کی طرح اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور ایک دن ایک پل کی طرح اور ایک پل ایک شعلے کی مانند ہوجائے گا۔

۲۱۔ دجال سے جہاد کرنے والوں کی پہچان

حضور ﷺ نے مستقبل میں دجال سے جہاد کرنے والے گروہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

إني لأعرف أسماء هم و أسماء أبائهم وألوان خيولهم هم خير فوارس علىٰ ظهر الأرض يومئذ او من خير فوارس على ظهرالارض يومئذ [2]

میں ان کے (دجال کذاب سے جہاد کرنے والوں کے) نام، ان کے باپ دادا کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی پہچانتا ہوں۔ وہ اس وقت روئے زمین پر سب سے اچھے شہسوار ہوں گے یا اچھے شہسواروں میں سے ہوں گے۔

اس حدیث کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

فيه مع كونه من المعجزات دلالة على ان علمه عليه

اس میں حدیث معجزہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی دلالت ہے کہ حضور ﷺ

---

[1] ۱۔ جامع الترمذی، ۲: ۵۷،
كتاب الزهد، رقم: ۲۳۳۲
۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۵۳۷، ۵۳۸

[2] ۱۔ صحیح مسلم، ۲: ۳۹۲،
كتاب الفتن
۲۔ مشكوة المصابيح: ۴۶۷،
باب الملاحم

السلام محیط بالکلیات والجزئیات من الکائنات وغیرھا۔[1]	کا علم کائنات کے کلی اور جزئی تمام واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔

۲۲۔ قربِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا:

ینزل عیسی ابن مریم الی الارض و یتزوج و یولد له ویمکث خمسا و اربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری[2]	حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے اور نکاح فرمائیں گے اور ان کی اولاد ہوگی اور پینتالیس سال قیام فرمائیں گے پھر ان کا وصال ہوگا تو میری قبر کے ساتھ میرے روضہ میں دفن کئے جائیں گے۔

اس حدیث مبارکہ میں حضور علیہ السلام نے پانچ غیبی امور کی اطلاع دی ہے جو قربِ قیامت واقع ہونے والے ہیں:

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی اطلاع

۲۔ آپ علیہ السلام کے نکاح کرنے کی اطلاع

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اولاد کا ہونا یعنی ما فی الارحام کی خبر

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیام کی پوری مدت یعنی عرصہ ۴۵ سال کا تعین

۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام وصال کی اطلاع

گویا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امور خمسہ میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عرصہ

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، ۱۰: ۱۵۱ [2] مشکوٰۃ المصابیح: ۴۸۰، باب قرب الساعة

حیات سے متعلق امور ثلاثہ غیبیہ کی صحیح خبر دے دی اور آپکی وفات اور بعد از وفات امور کا بھی بتا دیا، اس پر ہر کلمہ گو کا ایمان ہونا چاہیے اور بلاشبہ قربِ قیامت ایسے ہی ہو کر رہے گا۔

۲۳۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا غیبی مشاہدہ

عصرِ حاضر کا انسان صدیوں کی سائنسی تحقیقات پر مشتمل طویل اور کٹھن مراحل طے کرنے کے بعد اس مقام پر آ پہنچا ہے کہ وہ مادی ذرائع کا سہارا لے کر دنیا کے کسی بھی کونے میں رونما ہونے والے واقعات سے سائنسی ایجادات کے ذریعے اسی لمحے پوری دنیا کو آگاہ کر سکتا ہے۔ دوسری طرف اللہ رب العزت کی خصوصی عطا پر مشتمل روحانی فیوضات کا یہ کمال ہے کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت جلیلہ میں تربیت پانے والے صحابہ کرام مادی ذرائع اختیار کئے بغیر ہزاروں میل کی مسافت پر موجود سپہ سالارِ لشکرِ اسلام کو براہ راست ہدایات دینے پر قادر تھے۔

حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت اسلامی لشکر دشمنانِ اسلام کے خلاف صف آراء تھا۔ میدان کارزار گرم تھا، دشمن نے ایسا پینترا بدلا کہ اسلامی لشکر دشمن کے نرغے میں آ گیا۔ اس وقت مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں برسرِ منبر خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے اور اس حال میں بھی میدان جنگ کا نقشہ آپ کی نظروں کے سامنے تھا۔ دشمن کے خطرناک ارادے کو بھانپ کر آپ دورانِ خطبہ بلند آواز سے پکار اٹھے: یا ساری الجبل (اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ لے)۔ یہ ارشاد فرما کر آپ دوبارہ اسی طرح خطبہ میں مشغول ہو گئے۔

عقلِ انسانی محوِ حیرت ہے کہ آپ میدان جنگ سے ہزاروں میل کی دوری پر واقع مسجد نبوی میں خطبہ جمعہ بھی دے رہے ہیں اور اپنے سپہ سالار کو میدان جنگ میں براہِ

راست ہدایات بھی جاری فرما رہے ہیں۔ نہ ان کے پاس ریڈار سسٹم تھا اور نہ ہی موبائل فون کہ جس کے ذریعے میدان جنگ کے حالات سے فوری آگہی ممکن ہوتی۔ یہ فقط اللہ رب العزت کی عطا کردہ روحانی قوت و استعداد تھی جس کی بدولت اندر کی آنکھ ریڈار (Radar) کی طرح سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پیغام وصول کیا بلکہ اس پر عمل درآمد کرتے ہوئے پہاڑ کی اوٹ لے کر فتح پائی، دشمن کا حملہ ناکام رہا اور عساکرِ اسلام کے جوابی حملے کے نتیجے میں فتح نے ان کے قدم چومے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو اس واقعے کے چشم دید گواہ ہیں، یوں فرماتے ہیں:

ان عمر بعث جيشا و امّر عليهم رجلا يدعى سارية فبينما عمر يخطب فجعل يصيح يا ساريَ الجبل فقدم رسول من الجيش، فقال يا امير المؤمنين لقينا عدونا فهزمونا، فاذا بصائح يصيح يا سارى الجبل فاسندنا ظهورنا الى الجبل، فهزمهم الله تعالٰى [1]

سیدنا عمر فاروقؓ نے (کسی جنگ کے لئے) لشکر بھیجا اور ساریہ نامی صحابی کو اس (لشکر) کا امیر بنایا۔ پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے، دورانِ خطبہ زوردار آواز سے پکارے: اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ لے۔ پس اس فوج کا ایک قاصد (فتح کی خوشخبری لے کر) آیا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین ہمارا دشمن سے سامنا ہوا، پس وہ غالب آنے کو تھا کہ ایک پکارنے والی کی پکار سنائی دی: اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ لو، پس ہم نے

---

[1] ۱۔ مشکوٰۃ المصابیح: ۵۴۶
۲۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۵۰۷
۳۔ کنز العمال، ۱۲: ۵۷۱
رقم: ۳۵۷۸۸

پہاڑ کی اوٹ لی اور اللہ تعالیٰ نے دشمن کو
شکست سے دوچار کیا۔

اندازہ لگایئے کہ حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے غیبی مشاہدہ اور روحانی تصرفات کا یہ حال تھا تو تاجدار ارض وسماوات ﷺ کے علم غیب اور تصرفات کا عالم کیا ہوگا؟

باب ششم

مغیباتِ خمسہ اور علمِ نبوی ﷺ

علم غیب ذاتی فقط اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے جبکہ علم غیب عطائی اللہ کے بندوں کے لئے ثابت ہے۔ علم غیب ذاتی کا مخلوق کے لئے اور عطائی کا اللہ تعالی کے لئے اثبات کفر کو مستلزم ہے۔ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی ﷺ کو بارگاہ ایزدی سے ما کان وما یکون کا علمِ کلی عطا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ علم تمام انبیاء اور ملائکہ کے مبلغِ علم سے بیش از بیش ہے۔

مغیبات خمسہ کا اختصاص اطلاع علی الغیب کے منافی نہیں

بعض ذہنوں میں یہ مغالطہ پایا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کو درج ذیل پانچ غیوب کا علم نہیں دیا گیا:

۱۔ قیامت کب آئے گی؟

۲۔ بارش کب ہوگی؟

۳۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟

۴۔ کوئی کل کیا کرے گا؟

۵۔ کوئی کہاں مرے گا؟

ان امور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا علم اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالی کے سوا ان کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ اختصاص اور نفی کا استدلال مندرجہ ذیل آیت اور احادیث سے کیا جاتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ١ ؎

بیشک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہ مینہ برساتا ہے اور جانتا ہے جو رحموں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کل وہ کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا وہ کہاں مرے گا بیشک اللہ (ہی) جاننے والا (جسے چاہے) خبر دینے والا ہے۔

احادیث یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مفاتح الغيب خمس ثم قرأ ان الله عنده علم الساعة ٢ ؎

مفاتح الغیب (غیب کی کنجیاں) پانچ ہیں پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے)

۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مفاتيح الغيب خمس لا يعلمها الا الله لا يعلم ما تغيض الارحام الا الله وما يعلم ما فى غدٍ الا الله ولا يعلم متى ياتى المطر احد الا الله ولا تدرى نفس باىّ

غیب کی کنجیاں پانچ ہیں اللہ کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جو ارحام کمی بیشی کرتے ہیں اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی

---

١ ؎ لقمان، ۳۱: ۳۴

٢ ؎ ۱۔ صحيح البخارى، ۲: ۷۰۴، كتاب التفسير
۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۱۲۲
۳۔ مشكوة المصابيح: ۱۱، كتاب الايمان رواه ابو هريرة

ارض تموت الا اللہ ولا یعلم متی تقوم الساعة الا اللہ۔[1]	اس کے سوا کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں فوت ہوگا اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔

آیت مذکورہ کے الفاظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے تین چیزوں کے علم کا اثبات ہے۔

۱۔ قیامت کب واقع ہوگی؟

۲۔ بارش کب نازل ہوگی؟

۳۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟

گویا ان تینوں امور کے بارے میں باری تعالیٰ اپنے علم کا براہ راست اعلان فرما رہا ہے کہ ان تینوں کا علم میرے پاس ہے اور بقیہ دو چیزوں میں لفظ ''ما تدری'' کے ذریعے مخلوق کے علم کی نفی فرما دی کہ کوئی شخص اپنی کوشش اور ہمت سے نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور اس کی موت کہاں واقع ہوگی؟ ان دونوں امور کا علم بھی میرے پاس ہے۔

آیت کے الفاظ سے واضح ہے کہ اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کے لئے پانچ چیزوں کے علم کا اثبات ہے۔ اس میں اعلام، اطلاع اور اخبار کی نفی نہیں۔ قرآن و حدیث کی نصوص اور آثار صحابہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ان غیوب پر مطلع فرماتا ہے۔

مفسرین کی درج ذیل عبارات سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ ملا جیونؒ اس آیت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

ولک ان تقول ان علم هذه الخمس و ان لم یملکه الا اللہ	اور آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان پانچ امور کا اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں مگر یہ جائز ہے

---

[1] صحیح البخاری، ۲: ۱۰۹۷،۹۸، کتاب التوحید

لکن یجوز ان یعلمها من یشاء من مُحبّیه و اولیائه بقرینة قوله تعالی ان الله علیم خبیر بمعنی المخبر۔ [1]

کہ وہ اپنے محبوب بندوں اور دوستوں کو ان کا علم عطا فرما دے۔ فرمان الٰہی کے اس قرینہ کے باعث کہ ''بیشک اللہ بہت جاننے والا اور خبیر بمعنی مخبر یعنی خبر دینے والا ہے۔

۲۔ علامہ صاویؒ آیہ مذکورہ کے تحت فرماتے ہیں:

وما تدری نفس ماذا تکسب غدا ای من حیث ذاتها و اما باعلام الله للعبد فلا مانع منه کالانبیاء و بعض الاولیاء فلا مانع من کون الله یطلع بعض عباده الصالحین علی بعض هذه المغیبات فتکون معجزة للنبی و کرامة للولی ۔ [2]

(اور کوئی نہیں جانتا کل وہ کیا کرے گا) کا مطلب ہے کہ ذاتی طور پر کوئی نہیں جانتا البتہ اگر اللہ تعالیٰ بندے کو علم عطا فرمائے تو اس کیلئے کچھ مانع نہیں جیسے انبیاء کو اور بعض اولیاء کو۔ اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے بعض نیک بندوں کو ان مغیبات (خمسہ) میں سے بعض پر اطلاع دینے سے کوئی شے مانع نہیں یہ اطلاع نبی کیلئے بطور معجزہ اور ولی کیلئے بطور کرامت ہوتی ہے۔

۳۔ علامہ اسماعیل حقیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وما روی عن الانبیاء والاولیاء من الاخبار عن الغیوب فبتعلیم الله تعالی اما بطریق الوحی او بطریق الالهام والکشف......و

اور جو غیب کی خبریں انبیاء اور اولیاء سے مروی ہیں پس یہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ہے وحی یا الہام کے راستے سے اور اسی طرح بعض اولیاء نے بارش کے اترنے

---

[1] تفسیرات احمدیه : ۶۰۷۔۶۰۸

[2] الصاوی علی الجلالین، ۳: ۲۶۰

كذا اخبر بعض الاولياء عن نزول المطر و اخبرعمافی الرحم من ذكر و انثى فوقع كما اخبر[1]

کی خبر دی اور بعض نے رحم کے بچے لڑکا یا لڑکی کی خبر دی تو وہی ہوا جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔

لفظِ درایت میں تعلیم الٰہی کی نفی نہیں

آیت میں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ علم اور بندے کے لئے لفظ درایت آیا ہے درایت میں کوشش اور بذل کا معنی پایا جاتا ہے۔ علامہ عینیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

الدراية اكتساب علم الشئ بحيلة۔[2]

کسی شے کا کسی ذریعے سے علم حاصل کرنا درایت ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لفظ درایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فعنه اشارة الى ان العبد ان عمل حيلة و بذل فيها وسعه لم يعرف ما هو لاحق به من كسبه و عاقبته فكيف لغيره ما لم يحصل له بتعليم من الله تعالى بتوسط الرسل اوبنصب دليل عليه۔[3]

اس (درایت) سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ جو بھی ذریعہ عمل میں لائے اور جو بھی کوشش صرف کرے وہ اس شے تک نہیں پہنچ سکتا جس کا تعلق اس کے اپنے کسب اور انجام سے ہے تو اس حقیقت تک کیسے رسائی حاصل کرسکتا ہے جو انبیاء کے ذریعے تعلیم الٰہی سے یا دلیل قائم کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

---

[1] روح البیان ۷:۱۰۵

[2] عمدة القاری، ۱:۲۹۳

[3] التفسير المظهری، ۲:۲۶۵

اس سے معلوم ہوا کہ آیہ مذکورہ میں بندے کے لئے درایت کی نفی ہے اللہ تعالیٰ کے اعلام یعنی اللہ تعالیٰ کے اپنے منتخب بندوں کو ان امور پر مطلع کرنے کی نفی نہیں۔

نفی کا مورد علم غیب ذاتی ہے عطائی نہیں

آیت کی تائید میں لائی گئی احادیث میں وارد ہونے والی نفی سے مراد علم غیب ذاتی کی نفی ہے نہ کہ علم غیب عطائی کی، بندوں کے لئے علم عطائی متعدد آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ ان پانچ چیزوں کا علم ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ان کا علم عطا فرما دیتا ہے۔

۱۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ہیچکس اینہا را نداند و آنہا از امور غیب اند کہ جز خدا کسے آنرا نداند مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بدانا ند بوحی والہام [۱]

اس حدیث سے مراد ہے کہ اطلاع خداوندی کے بغیر کوئی شخص اپنی عقل کی بنا پر ان کو نہیں جان سکتا اور یہ وہ غیبی امور ہیں کہ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر جن کو وہ اپنی طرف سے وحی والہام کے ذریعے اطلاع فرما دے وہ جان سکتا ہے۔

۲۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اما قوله ﷺ الا هو فمفسّر بانه لا يعلمها احد بذاته ومن ذاته الا هو لكن قد تعلم باعلام الله

حضور ﷺ کے اس فرمان کہ اللہ کے سوا ان پانچ غیبوں کو کوئی نہیں جانتا اس سے مراد ہے کہ اللہ کے سوا بالذات از خود کوئی

---

[۱] اشعة اللمعات، ۱: ۴۴

تعالی فان ثمه من یعلمها. [1] | نہیں جانتا لیکن کبھی اعلام خداوندی سے انہیں جان لیا جاتا ہے بیشک ایسے موجود ہیں جو انہیں جانتے ہیں۔

۳- علامہ عبدالرؤف مناویؒ جامع الصغیر کی شرح المناوی الکبیر میں فرماتے ہیں:

خمس لا یعلمهن الا الله علی وجه الاحاطة والشمول کلیا وجزئیا فلا ینافیه اطلاع الله بعض خواصه علی کثیر من المغیبات حتی من هذه الخمس لانها جزئیات معدودة و انکار المعتزله مکابرة. [2]

پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں اللہ کے سوا اس طرح کوئی نہیں جانتا کہ اس کا علم ہر ہر کل اور جز کو محیط اور شامل ہو یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اپنے بعض خاص بندوں کو کثیر امور غیبیہ پر مطلع کرنے کے منافی نہیں حتی کہ ان امور خمسہ میں سے کسی پر اطلاع دے دینا بھی کیونکہ یہ چند جزئیات ہیں اور معتزلہ کا انکار حق بات کا انکار ہے۔

ایک قابل غور نکتہ

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ امور غیبیہ تو بہت سی چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، جنت، دوزخ، فرشتے، احوال برزخ وغیرہ نامعلوم کتنے غیب ہیں تو پھر ان پانچ غیوب کو مختص کرنے کے اندر کیا حکمت کارفرما تھی؟

اس اشکال کا حل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ غیوب کا بطور خاص اس لئے ذکر نہیں فرمایا کہ یہ غیب وخفا میں زیادہ شامل ہیں بلکہ اس لئے بیان فرمایا کہ وہ زمانہ کاہنوں

---

[1] ۱۔روض النضیر شرح جامع الصغیر [2] روح المعانی، ۲۱:۲۱۱۲
۲۔بحواله خالص الاعتقاد: ۴۲

کا زمانہ تھا اور وہ اکثر و بیشتر قیامت کے سوا ان چار چیزوں کے علم کا دعویٰ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چار غیوب کے ساتھ قیامت کو بھی شامل فرما لیا کیونکہ یہ بھی انہی باتوں کی جنس سے ہے یعنی وہ موت سے بحث کرتے تھے اور قیامت تمام اہل زمین کی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ امور کا ذکر فرما کر ان نجومیوں اور کاہنوں کے دعویٰ کا رد فرما دیا۔

امام رازیؒ "ان اللہ علیم خبیر" کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

ان علمه غير مختص بها بل هو عليم مطلقاً بكل شئ و ليس علمه علما بظاهر الاشياء فحسب بل خير علمه واصل الى بواطن الاشياء والله اعلم بالصواب۔[1]	اللہ تعالیٰ کا علم صرف انہی پانچ اشیاء کے ساتھ مختص نہیں بلکہ وہ ہر شے کو مطلق جاننے والا ہے اور اس کا علم صرف چیزوں کے ظاہر کا علم نہیں بلکہ ان کے بواطن کا علم بھی ہے۔

علامہ آلوسیؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

وليس المغيبات محصورة بهذه الخمس و انما خصت بالذكر لوقوع السوال عنها اولانها كثيرا ما تشتاق النفوس الى العلم بها۔[2]	مغیبات صرف یہی پانچ (چیزیں) نہیں بالخصوص انہی پانچ کا ذکر ان کے بارے میں سوال کئے جانے کی وجہ سے کیا گیا یا اس لئے کیا گیا کہ لوگ اکثر طور پر انہی اشیاء کے بارے میں جاننے کا اشتیاق رکھتے ہیں۔

---

[1] التفسیر الکبیر، ۲۵:۱۶۵ [2] روح المعانی، ۲۱:۱۱۲

مندرجہ بالا بحث سے ہمیں بالصراحت یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کا علم صرف پانچ امور غیبیہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ وہ علیم مطلق ہے اور وہ ہر شے کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اللہ تعالی کے سوا جس طرح کسی کو ذاتی طور پر دیگر غیوب کا علم نہیں ہوسکتا اسی طرح ان پانچ امور غیبیہ کا علم بھی نہیں ہوسکتا۔

مغیبات خمسہ کے اختصاص کی حقیقت

امور خمسہ کا ذکر بطور خاص قرآن میں کیوں کیا گیا اس کی وجہ جاننے سے پہلے اس آیت کا شان نزول جاننا ضروری ہے۔ امام خازنؒ آیہ مذکورہ کے شان نزول کے بارے میں لکھتے ہیں:

الاية نزلت فی الحرث بن عمرو بن حارثه بن حفصه من اهل البادية أتى النبیﷺ فساله عن الساعة و وقتها و قال ان ارضنا اجدبت فقل متى ینزل الغیث و ترکت امرأتی حبلی فمتى تلد ولقد علمت این ولدت فبای ارض اموت فانزل الله هذه الاية۔ [۱]

آیت حرث بن عمرو بن حارثہ بن حفصہ بدوی کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی اکرمﷺ کے پاس آیا اور آپﷺ سے قیامت اور اس کے وقت کے بارے میں سوال کیا اور کہا ہماری زمین خشک ہوگئی آپ بتائیے بارش کب ہو گی؟ اور میری بیوی حالت حمل میں ہے اس کے ہاں بچہ کب پیدا ہوگا؟ اور مجھے اپنی جائے ولادت کا علم ہے میری موت کہاں واقع ہوگی؟ پس اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

---

[۱] لباب التاویل، ۳: ۴۴۳

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالی نے خاص طور پر ان پانچ امور کا ذکر حرث بن عمرو کے سوال کے جواب میں فرمایا۔

اگر ربط آیات کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس آیت سے ماقبل روز قیامت کا ذکر ہوا ہے، ارشاد ربانی ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمْ وَٱخْشَوْا۟ يَوْمًا لَّا يَجْزِى وَالِدٌ عَن وَلَدِهِۦ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِۦ شَيْـًٔا۔[1]

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف رکھو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے (کچھ) بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہوگا۔

امام رازیؒ امور خمسہ غیبیہ کی تخصیص کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالی نے پچھلی آیت میں قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے، قیامت کا دن ضرور آئے گا پھر گویا سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ یہ دن کب واقع ہوگا؟ تو اس آیت میں سائل کے اس ممکنہ سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فلا وجه لاختصاص هذه الاشياء بالذكر و انما الحق فيه ان نقول كما قال الله (اخشوا يوما لا يجزى والد عن ولده) و ذكر انه كائن بقوله (الله وعد الله حق) كان قائلا قال فمتىٰ

ان اشیاء کے بطور خاص ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس مسئلے میں حق یہ ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا (اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کو بھی کوئی فائدہ نہ دے سکے گا) اور فرمایا کہ یہ دن ایک قول کے مطابق واضح

---

[1] لقمان، ۳۱: ۳۳، ۳۴

يكون هذا اليوم فاجيب بان هذا العلم مما لم يحصل لغير الله ولكن هو كائن.[1]

ہونے والا ہے (اللہ کا وعدہ حق ہے) گویا سوال کرنے والے نے کہا یہ دن کب ہو گا؟ تو اسے جواب دیا گیا کہ یہ وہ علم ہے جو اللہ کے سوا کسی غیر کو نہیں مگر یہ دن واقع ہونے والا ہے۔

عام انسان وقت قیامت کے بارے میں کیسے جان سکتا ہے حالانکہ اسے ان چیزوں تک کا علم نہیں جو اس کی اپنی ذات سے متعلق ہیں۔ وہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

يا ايها السائل انک تسأل عن الساعة ايان مرساها فلک اشياء اهم منها لا تعلمها فانک لا تعلم معاشک و معادک ولا تعلم ماذا تكسب غدا مع انه فعلک و زمانک ولا تعلم اين تموت مع انه شغلک و مكانک فكيف تعلم قيام الساعة متى تكون.[2]

اے سائل تو قیامت کے بارے میں سوال کرتا ہے کہ یہ کب واقع ہو گی جبکہ تجھے اس سے بھی زیادہ اہم چیزوں کے بارے میں علم نہیں، تجھے نہیں معلوم کہ تیرا معاش اور معاد کیا ہے؟ اور تجھے نہیں معلوم کہ کل تو کیا کرے گا؟ اس کے باوجود کہ یہ تیرا فعل اور تیرا زمانہ ہے اور تو نہیں جانتا کہ تو کہاں مرے گا؟ اس کے باوجود کہ یہ تیرا کام اور تیری جگہ ہے (جب تو یہ نہیں جانتا) تو تجھے قیامِ قیامت کا وقت کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟

---

[1] التفسير الكبير، ۲۵:۱۶۵

[2] التفسير الكبير، ۲۵:۱۶۵

اللہ تعالیٰ نے عام بندوں کو ان امور کا علم کیوں عطا نہیں فرمایا۔ امام رازیؒ اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

فالله ما اعلمک کسب غدک مع ان لک فيه فوائد تبنی عليها الامور من يومک ولا اعلمک اين تموت مع ان لک فيه اغراضا تهيئ امورک بسبب ذلک العلم و انما لم يعلمک لکی تکون فی وقت سبب الرزق راجعاً الی الله تعالی متوکلا علی الله ولا اعلمک الارض التی تموت فيها کی لا تامن الموت و انت فی غيرها فاذا لم يعلمک ما تحتاج اليه کيف يعلمک مالا حاجة لک اليه وهی الساعة و انما الحاجة الی العلم بانها تکون وقد اعلمت الله علی لسان انبيائه.[1]

پس اللہ نے تجھے تیرے کل کے کام کی خبر نہیں دی اس کے باوجود کہ اس میں تیرے لئے بہت سے فوائد ہیں کہ جن پر تیرے دن بھر کے کاموں کا دارومدار ہے اور نہ ہی اللہ نے تجھے تیری جائے وفات کا علم دیا ہے اگرچہ اس میں بھی تیرے لئے بہت سی اغراض ہیں کہ تو اس علم کے سبب اپنے امور کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے اور بیشک اللہ نے تجھے کل کا علم اس لئے نہیں دیا تاکہ تو رزق کے سبب کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس پر توکل کرے اور نہ ہی اس نے تجھے تیری جائے وفات کا علم دیا ہے تاکہ تو موت سے بچنے کے لئے کسی اور جگہ نہ چلا جائے جب اس نے تجھے اس شے کا علم نہیں دیا جس کی تجھے ضرورت ہے تو بھلا اس شے کا علم کیسے دے گا جس کی تجھے ضرورت ہی نہیں اور وہ قیامت کی گھڑی ہے

---

[1] التفسير الكبير، ۲۵:۱۶۵

ضرورت تو صرف قیامت کے قائم
ہونے کے علم کی ہے اور وہ تجھے اللہ تعالی
نے اپنے پیغمبروں کی زبان اقدس سے
عطا کر دیا ہے۔

امام رازیؒ کی مندرجہ بالا صراحت کے پیش نظر زیر نظر آیہ کریمہ کی تخصیص کی حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے گویا اس آیہ کریمہ کے ذریعے خالقِ کائنات بندے کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ تجھے میں نے بعض ان چیزوں کی خبر نہیں دی جو تیری ذات سے متعلق اور تیرے نفع ونقصان پر براہ راست اثر انداز ہیں۔ چہ جائیکہ تجھے وقوعِ قیامت کی گھڑی کا علم دیا جاتا البتہ وقوع قیامت کے آثار کی خبر تجھے زبان رسالتمآب ﷺ سے پہنچ چکی اب اس پر یقین (Faith) رکھنا تیرے ایمان کا حصہ ہے۔

اس باب میں کہ آیہ کریمہ میں ذکر مطلق اختصاص کا موجب نہیں امام احمد رضا خانؒ فرماتے ہیں:

فانی دلالتها علی الاختصاص الخمس جمیعاً فضلا عن خصوصیة الاختصاص الاتری فی بعضها لیس شیٔ مما یدل علی الحصر والقصر کقوله تعالٰی (ینزل الغیث) وقوله تعالٰی (یعلم ما فی الارحام) ولا نسلم ان مجرد الذکر فی مقام الحمد یوجب الاختصاص	اس آیت میں اس کا بیان کہاں ہے کہ یہ پانچوں سب کے سب اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہیں نہ کہ خاص ہونے ہیں اور زیادہ خصوصیت، کیا تو نہیں دیکھتا کہ ان پانچ سے بعض میں تو کوئی چیز ایسی ہے ہی نہیں جو حصر و تخصیص پر دلالت کرے جیسے یہ ارشاد کہ پانی اتارتا ہے اور یہ ارشاد کہ پیٹ کی چیزیں جانتا ہے اور ہم نہیں مانتے کہ صرف مقام حمد میں

مطلقاً فقد مدح الله سبحانه و تعالی نفسه بالسمع والبصر والعلم و وصف بها عباده ایضا (جعل لکم السمع والابصار والافئدة)..........ثانیا سلمنا الدلالة علی الاختصاص فای خصوصیة للخمس فیه بحیث لا یبقی للاعلام الألهی سبیل.[1]

ذکر کرنا مطلق اختصاص کا موجب ہو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سمع و بصر وعلم سے اپنی ذات کی مدح فرمائی اور ان سے اپنے بندوں کا بھی وصف کیا کہ فرماتا ہے اس نے تمہارے لئے بنائے کان اور آنکھیں اور دل ثانیاً ہم نے اختصاص مانا مگر پانچ کو ان میں خصوصیت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی طرف بتانے کی راہ نہ رہے۔

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خانؒ اس ضمن میں کہ اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے میں اور دیگر غیوب میں ان پانچ غیبوں کو خصوصیت حاصل ہے، فرماتے ہیں:

ماذا ترید بهذا أسلب العموم فیهن دون غیرهن ام عموم السلب فعلی الاول یثبت عموم الاعلام مما وراء هن من اسرار العلام فیکون المعنی ان الله تعالی قد علم انبیاء ہ او نبینا خاصة منهم صلی اللہ علیہ وسلم جمیع

تو اس سے کیا مراد لیتا ہے یہ کہ ان میں سلب عموم ہے نہ ان کے غیر میں (یعنی ان کا علم محیط دوسرے کو نہیں) یا عموم سلب یعنی دوسرا ان میں سے کچھ نہیں جانتا، تو پہلی تقدیر پر یہ ثابت ہوگا کہ ان پانچ کے سوا اللہ کے جتنے غیب ہیں سب بتا دیئے گئے تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] الدولة المکیة بالماد الغیبیه: ۱۲۲

الغيوب مما سوى الخمس بخيث لم يبق منها شئ لم يعلم اما هذه فلم يعلمه جيمعا و ان علمه بعضها و على الثانى يكون الحاصل ان الله سبحنه و تعالى لم يعلم احدا شيأً من افراد هذا الخمس اصلاقط بخلاف سائر الغيوب فانه علم منها ماشآء من شاء **الاول** باطل قطعا والالزم احاطة علمه ﷺ بذات رب الارباب و بجميع صفاته بالا دراک التام الذى لا يبقى دونه حجاب و بجميع سلاسل غير المتناهيات الحاصلة مرارا فى غير متناهية فى غير متناهى فان كل ذلک وراء هذه الخمس والثانى ايضا من اجل الاباطيل فقد ثبت علم بعض من الخمس لمن شاء الجليل۔[۱]

انبیاء کرام یا خاص ہمارے نبی ﷺ کو ان پانچ کے سوا اپنے تمام غیب کے علم بتا دیئے ہیں جن میں کچھ باقی نہ رہا، رہے یہ پانچ یہ سب کے سب حضور کو نہ بتائے اگرچہ ان میں سے بعض بتائے برتقدیر ثانی حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ میں سے اصلاً کوئی چیز کسی کو کبھی نہ بتائی بخلاف باقی غیبوں کے کہ ان میں سے جس کو چاہا بتا دیا پہلے معنی یقیناً باطل ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ نبی ﷺ کا علم رب الارباب کی ذات اور اس کی جملہ صفات کو ایسے کامل احاطہ کے ساتھ محیط ہو جس سے اصلاً پردہ نہ رہے نیز حضور ﷺ کا علم جملہ سلاسل غیر متناہیہ کو محیط ہو جو غیر متناہی در غیر متناہی بار ہیں یہ سب کے سب ان پانچ سے الگ ہیں اور دوسرے معنی بھی کھلے باطل ہیں کہ ان پانچ میں سے بعض کا علم اس کے لئے جسے اللہ نے دینا چاہا ضرور ثابت ہے۔

---

[۱] الدولة المكية بالمادة الغيبيه، ۱۴۸: ۱۵۲

حاصل کلام یہ ہے کہ آیہ کریمہ کا مقصود نہ تو امور خمسہ غیبیہ کی باری تعالیٰ کے ساتھ مطلقاً تخصیص ہے اور نہ حضور ﷺ کے ان امور پر مطلع ہونے کی نفی ہے۔ یہ اختصاص علم بلاواسطہ اور علم ذاتی کا ہے لہذا یہ علم بالواسطہ اور علم عطائی کو مانع نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب بندوں کو دیگر غیوب کی طرح امور خمسہ پر بھی مطلع فرماتا ہے۔ یہ اختصاص اطلاع علی الغیب کے منافی نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علومِ خمسہ کا اثبات

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ما کان وما یکون قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور اقوال علمائے ربانی سے ثابت ہے۔ لہٰذا آیت مذکورہ کو بنیاد بناتے ہوئے اگر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے لئے ان پانچ غیبی امور (غیوب خمسہ) کی کلیتاً نفی کی جائے تو ردالقرآن بالقرآن (قرآن سے قرآن کا رد) لازم آئے گا یعنی ایک آیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا ثابت ہونا اور دوسری آیت کا اس کی نفی کرنا جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ اثبات اور نفی ایک ہی مقام پر وارد نہیں ہو سکتے ان دونوں کے درمیان تطبیق واجب ہے تا کہ تضاد کا امکان نہ رہے چنانچہ اس اصول کے پیش نظر اس آیہ کریمہ سے امور خمسہ کی ماسوی اللہ کے لئے علم غیب ذاتی کی نفی ہو رہی ہے اور آیاتِ اثبات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مطلق علم غیب عطائی کا اثبات ہو رہا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح دیگر غیوب پر اطلاع دی گئی ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان امور سے بھی آگاہ کیا گیا۔ جمہور ائمہ ومحدثین اسی کے قائل ہیں۔ چند ائمہ کے مستند اقوال درج ذیل ہیں۔

۱۔ علامہ صاوی آیتِ مغیبات خمسہ کے تحت لکھتے ہیں۔

قال العلماء الحق انه لم يخرج نبينا من الدنيا حتى اطلعه الله على تلك الخمس.[۱]	علمائے حق نے کہا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ امور پر مطلع فرما دیا۔

۲۔ اس حوالے سے امام قرطبی کا قول ہے جسے مختلف ائمہ نے نقل کیا ہے:

من ادعى علم شئ منها غير	جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے

---

[۱] الصاوی علی الجلالین، ۳: ۲۶۰

مستند الیه علیه الصلوۃ والسلام کان کاذبا فی دعواہ۔[۱]

بغیر ان چیزوں میں سے کسی چیز کے جاننے کا دعویٰ کیا تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ان امور کا علم عطا فرما دیا ہے اور آپ ﷺ کے واسطے سے آپ ﷺ کے غلاموں کو بھی ان امور پر مطلع فرماتا ہے۔

۳۔ امام زرقانیؒ اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

و قد اعلمه الله تعالى ما عدا مفاتح الغيب الخمسه و قيل حتى هي و امره بكتمها۔[۲]

اللہ تعالیٰ نے ماسوائے پانچ چیزوں کے آپ کو ہر شے کا علم عطا فرما دیا ہے اور یہ قول بھی ہے کہ آپ ﷺ کو ان پانچ امور کا بھی علم عطا فرمایا اور ان کے چھپانے کا حکم فرمایا۔

۴۔ علامہ شنوانی جمع النھایہ میں لکھتے ہیں:

قد ورد ان الله تعالى لم يخرج النبي ﷺ حتى اطلعه الله على كل شئ۔[۳]

بیشک وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو (دنیا سے) نہ لے گیا جبتک کہ آپ ﷺ کو ہر شے پر مطلع نہ فرما دیا۔

۵۔ شیخ عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں:

هو ﷺ لا يخفى عليه شئ من الخمس المذكورة فى الآية

آپ ﷺ پر آیت میں مذکورہ پانچ اشیاء میں سے کوئی شے بھی مخفی نہ رہی اور

---

[۱] ۱۔فتح الباری، ۱:۱۲۴
۲۔عمدة القاری، ۱:۲۹۰
۳۔مرقاة، ۱:۶۵
۴۔ارشاد الساری، ۱:۱۴۱
۵۔روح المعانی، ۲۱:۱۱۲

[۲] زرقانی علی المواھب، ۱:۱۹

[۳] بحوالہ خالص الاعتقاد:۴۳

الشریفة و کیف یخفی علیه ذلک والاقطاب السبعة من امته الشریفة یعلمونها وهم دون الغوث فکیف بالغوث فکیف سید الاولین والآخرین الذی هو سبب کل شئ۔[۱]

آپ ﷺ پر یہ مخفی بھی کیسے رہ سکتی تھی درآنحالیکہ آپ ﷺ کی امت کے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اوران کا مقام غوث سے نیچے ہے تو پھر غوث کا کیا عالم ہوگا اور پھر سید الاولین والاخرین جو کہ ہر شے کی وجہ تخلیق ہیں کا عالم کیا ہوگا۔

۶- علامہ ابراہیم بیجوریؒ شرح قصیدہ بردہ شریف میں رقمطراز ہیں:

لم یخرج النبی ﷺ من الدنیا الا بعد ان اعلمه الله تعالی بهذه الامور الخمسة۔[۲]

نبی اکرم ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالی نے آپ کو ان امور خمسہ کا علم عطا فرما دیا۔

مذکورہ دلائل سے واضح ہے کہ تاجدار کائنات ﷺ کو وصال مبارک سے پہلے تمام غیوب پر مطلع فرما دیا گیا۔ مغیباتِ خمسہ میں سے بھی کوئی شے آپ ﷺ سے پوشیدہ نہ رہی۔

۱- وقوعِ قیامت کا علم

امور خمسہ میں سے پہلی چیز علم الساعۃ یعنی وقوع قیامت کی گھڑی کا علم ہے۔ آیا حضور ﷺ کو اس خاص وقت کا علم دیا گیا یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء نے آپ ﷺ کے لئے یہ علم ثابت کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے۔ جن علماء نے نفی کی ہے ان کا مطمح نظر تنقیصِ رسالت نہیں تھا بلکہ یہ ان کی تحقیق ہے چنانچہ ہم انہیں مورد الزام نہیں ٹھہراتے۔

---

[۱] الابریز: ۳۱۸، الباب العاشر   [۲] شرح قصیدہ بردہ: ۷۴

قیامت کا ذکر قرآن و حدیث میں کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ حضور ﷺ نے علاماتِ قیامت بیان فرمادی ہیں اور قیامت کے احوال و واقعات کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو وقوع قیامت کے وقت کا علم تھا مگر بعض حکمتوں کے پیشِ نظر آپ ﷺ کو بعض دوسری چیزوں کی طرح اسے بھی پردۂ اخفاء میں رکھنے کا حکم دیا گیا۔ حضور ﷺ کے لئے ساعت قیامت کا علم قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے ثابت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔[1]	(وہ) غیب جاننے والا (ہے) تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جنہیں پسند فرما لیا جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اس آیت میں الغیب سے مراد غیب مطلق ہے اور غیب کی ضمیر ''ہ'' کا مرجع الغیب ہے جس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ تمام غیبوں کا جاننے والا ہے اور ان تمام غیوب پر وہ کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے ان افراد کے جن کو پسند فرمالیتا ہے اور وہ اس کے رسول ہیں۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کل غیوب کا علم عطا فرمایا ہے تو قیامت کا علم کیونکر خارج ہوگا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اس آیہ کریمہ کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

آنچہ نسبت بہمہ مخلوقات غیب است غیب مطلق مثل وقت آمدن قیامت و احکام کونیہ و	جو چیز تمام مخلوق کی بہ نسبت غائب ہے وہ غائب مطلق ہے جیسے وقوعِ قیامت کا وقت اور باری تعالیٰ کے روزانہ کے تکوینی اور ہر شریعت کے شرعی احکام اور باری

[1] الجن، ۷۲: ۲۶

شرعیہ باری تعالی در ہر روز و در ہر شریعت و مثل حقائق ذات و صفات او تعالی علی سبیل التفصیل ایں قسم را غیب خاص او تعالی می نامند "فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا" یعنی پس مطلع نمی کند بر غیب خاص ہیچکس را...... اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی مگر کسے را کہ پسند می کند واں کس رسول می باشد خواہ از جنس ملک باشد مثل جبرئیلں و خواہ از جنس بشر مثل حضرت محمد و موسیٰ و عیسیٰ علیہم الصلوٰت والتسلیمات کہ او را اظہار بر بعضے از غیوب خاصہ می فرماید۔[1]

تعالی کی ذات وصفات کے تفصیلی حقائق، اس قسم کو اللہ تعالی کا خاص غیب کہا گیا ہے پس وہ اپنے خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس فرد کے جسے وہ پسند فرما لیتا ہے اور وہ فرد رسول ہوتا ہے خواہ فرشتہ ہو جیسے جبریل علیہ السلام یا انسان جیسے حضرت محمد، حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم الصلوۃ والتسلیمات اسے اپنے بعض غیوب خاصہ پر مطلع فرما دیتا ہے۔

۲۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

ان الغیب فی قولہ تعالی (فلا

ارشاد باری تعالی (پس وہ اپنے غیب پر

[1] تفسیر عزیزی، پارہ ۲۹، ۲۵۹.۶۰

يظهر على غيبه احدا الامن ارتضى من رسول) ليس عاما فنحمله على وقت القيامة و يؤيده ان هذه الاية وقعت بعد قوله تعالى (اِنْ اَدْرِیْ أَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ) يعنى لا ادرى فلا تبقى فى الاية دلالة على انه لا يظهر شيأ من الغيوب بل معناها انه تعالى لا يظهر هذا الغيب لاحد

کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے) عام نہیں ہے ہم اسے وقت قیامت پر محمول کرتے ہیں اور اس کی تائید اس سے ہو رہی ہے کہ یہ آیت اس آیت (میں نہیں جانتا کیا قریب ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے) کے بعد لائی گئی ہے یعنی میں نہیں جانتا پس آیت میں اس بات کی دلالت باقی نہیں رہتی کہ وہ غیوب میں سے کسی کی اطلاع نہیں دیتا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالی اس غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔

آگے فرماتے ہیں:

فان قيل فاذا حملتم ذلک على القيامة فكيف قال (اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِن رَّسُوْلٍ) مع انه لا يظهر هذا الغيب لاحد من رسله قلنا بل يظهر عند القرب من اقامة القيامة و كيف لاوقد قال (وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا)

اگر کہا جائے کہ جب آپ اس آیت کو وقت قیامت پر محمول کر رہے ہیں تو اللہ نے یہ کیسے فرمادیا (سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے) باوجود اس کے کہ وہ یہ غیب کسی رسول پر (بھی) ظاہر نہیں فرماتا تو ہم کہیں گے بلکہ قربِ قیامت کے وقت اطلاع فرمادے گا اور یہ کیسے نہ ہو جب کہ اس نے فرمایا (اور اس دن آسمان

ولا شک ان الملائکة یعلمون فی ذلک الوقت قیام الساعة۔ ا؎

پھٹ کر بادل (کی طرح دھوئیں میں بدل جائے گا اور فرشتے گروہ در گروہ اتارے جائیں گے۔ الفرقان، ۲۵:۲۵) اور اس میں شک نہیں کہ ملائکہ کو اس وقت وقوع قیامت کا علم ہوگا۔

۳- علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں:

و یجوز ان یکون اللہ تعالی قد اطلع حبیبه علیه الصلوٰة والسلام علی وقت قیامها علی وجه کاملا لکن لا علی وجه یحاکی علمه تعالی به الا انه سبحانه اوجب علیه ﷺ کتمه لحکمة و یکون ذلک من خواصه علیه الصلوٰة والسلام۔ ۲؎

اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو کامل صورت میں قیام قیامت کے وقت پر مطلع فرما دیا ہو لیکن اس صورت میں نہیں کہ آپ ﷺ کا علم علم الٰہی کے مقابلہ میں آ جائے مگر اللہ تعالی نے آپ ﷺ پر اس کا پوشیدہ رکھنا حکمت کے پیش نظر واجب قرار دیا ہے اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

۴- علامہ صاویؒ آیہ کریمہ ''یسئلونک عن الساعة...... قل انما علمها عند اللہ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والذی یجب الایمان به ان رسول اللہ لم ینتقل من الدنیا حتی اعلمه اللہ بجمیع

اور اس پر ایمان واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو

ا؎ التفسیر الکبیر، ۳:۱۶۸

۲؎ روح المعانی، ۲۱:۱۱۳

المغيبات التى تحصل فى الدنيا والآخرة فهو يعلمها.[1]

دنیا و آخرت کے تمام غیبوں کا علم عطا فرما دیا۔ آپ ﷺ کو یہ سب غیب معلوم ہیں۔

علامہ صاویؒ سورۃ النازعات کی اسی مفہوم کی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

فلا ينافي ان رسول الله ﷺ لم يخرج من الدنيا حتى اعلمه الله بجميع مغيبات الدنيا والآخرة ولكن امر بكتم اشياء منها.[2]

پس یہ اس کے منافی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے تمام غیوب پر مطلع فرما دیا، مگر ان میں سے بعض کو چھپانے کا حکم دیا۔

۵۔ امام قسطلانیؒ اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

(ولا يعلم متى تقوم الساعة) احد (الا الله) الامن ارتضى من رسول فانه يطلعه على ما يشاء من غيبه والولى التابع له ياخذ عنه.[3]

قیامِ قیامت کب ہوگا؟ اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر جس رسول کو اس نے پسند فرما لیا تو اسے اپنے غیب پر جس قدر چاہتا ہے اطلاع دیتا ہے اور ولی اُس کا تابع ہوتا ہے اُس سے حاصل کرتا ہے۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کو قیامت کا علم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا

اور صور پھونکا جائے گا تو سب بے ہوش ہو جائیں گے جو آسمانوں اور جو زمینوں

[1] الصاوی علی الجلالین، ۲: ۱۱۱

[2] الصاوی علی الجلالین، ۴: ۲۸۹

[3] ارشاد الساری، ۷: ۱۸۶

مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ. [۱] میں ہیں مگر جسے اللہ چاہے۔

اس آیہ کریمہ سے واضح ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام وقوع قیامت سے قبل صور پھونکیں گے، آپ کو وقت معلوم ہوگا تو صور پھونکیں گے۔

۲۔ نزولِ باراں کا علم

اللہ تعالیٰ کی ذات خالق کائنات ہے پوری کائنات کا نظام اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ اپنے خاص بندوں کو اس نظام پر نہ صرف مطلع فرماتا ہے بلکہ حسب مراتب انہیں اس پر تصرف بھی عطا فرماتا ہے۔ بارش کا نازل ہونا اسی نظام کائنات کا ایک جزو ہے۔ اس نے اپنے نبی ﷺ کو اس کا علم عطا فرمادیا ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ جو وجہ تکوین ہیں اور اللہ جل شانہ نے جن کی خاطر اس کائنات ارضی وسماوی کی تخلیق فرمائی انہیں اس علم سے بے خبر رکھا جاتا آیت مذکورہ میں نزول باراں کے علم عطائی کا قطعاً انکار نہیں پایا جاتا۔ اگر آیت سے علم عطائی کا انکار سمجھا جائے تو اس سے بعض آیات قرآنی اور متعدد احادیث کا انکار لازم آئے گا۔ بارش کیسے نازل ہوتی ہے اس کے بارے میں فرمان الٰہی ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ○ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ○ [۲] قسم ہے قطار در قطار صف باندھنے والوں کی پھر ان کی جو جھڑک کر ڈانٹتے ہیں۔

امام خازن پہلی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں

قال ابن عباس هم الملائكة يصفون كصفوف الخلق فی الدنيا للصلاة وہ فرشتے ہیں جو صف بستہ کھڑے ہوں گے جیسے دنیا میں لوگ نماز کیلئے۔

---

[۱] زمر، ۳۹:۶۸ [۲] الصّٰفّٰت ۳۷:۱۔۲

دوسری آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یعنی الملائکة تزجر السحاب و تسوقه.[1]	آیت سے مراد ہے کہ فرشتے بادلوں کو چلاتے ہیں (یعنی بارش برسانے کی غرض سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں)

آیت اور اس کی تفسیر سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بارش کے نازل ہونے کا وقت جانتے ہے تو اللہ کے محبوب ومکرم نبی ﷺ کے بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔

اسی حوالے سے بیہقی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس قال اصابتنا سحابة فخرج علینا النبی ﷺ فقال ان ملکا موکلا بالسحاب دخل علی آنفا فسلم علی و اخبرنی انه یسوق السحاب الی واد بالیمن یقال صریح فجاءنا راکب بعد ذلک فسالناه عن السحابة فاخبر انهم مطروا فی ذلک الیوم[2]	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہمارے سروں پر بادل منڈلا رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی ابھی وہ فرشتہ جس کے اختیار میں بادل دیئے گئے ہیں میرے پاس آیا اس نے مجھے سلام کیا پھر مجھے خبر دی کہ وہ بادلوں کو یمن کی ایک وادی جسے صریح کہا جاتا ہے کی طرف لے جا رہا ہے۔ (راوی فرماتے ہیں) اس کے بعد

[1] لباب التاویل، ۴:۱۴
[2] الخصائص الکبری ۲: ۱۰۳

ہمارے پاس (وہاں سے) ایک سوار آیا،
ہم نے اس سے بادلوں کے متعلق پوچھا
تو اس نے بتایا کہ اسی دن ان کے ہاں
بارش ہوئی تھی۔

اس روایت کی تائید اور توثیق درج ذیل روایت کر رہی ہے۔

عن ابی بکر بن عبداللہ المزنی ان النبی ﷺ اخبر عن ملک السحاب انه یجیٔ من بلد کذا و انهم مطروا یوم کذا و انه سأله متی تمطر بلدنا فقال یوم کذا و عنده ناس من المنافقین فحفظوه ثم سألوا عن ذلک فوجدوا تصدیقه فأمنوا و ذکروا ذلک للنبی صلی الله علیه وسلم فقال لهم زادکم الله ایمانا۔[1]

ابوبکر بن عبداللہ مزنی سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بارش کے فرشتے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ فلاں شہر سے آ رہا ہے اور فلاں دن وہاں کے لوگوں پر بارش ہوئی۔ اور آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ ہمارے شہر پر کب بارش ہوگی؟ تو اس نے کہا فلاں دن اور آپ ﷺ کے پاس کچھ منافقین جمع تھے انہوں نے اسے یاد رکھا پھر اس کے بارے میں دریافت کیا پس انہیں اس کی تصدیق حاصل ہوئی پھر وہ ایمان لے آئے انہوں نے اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تمہارے ایمان میں اضافہ فرمائے۔

امام آلوسیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

---

[1] الخصائص الکبریٰ ۲: ۱۰۳

وذکر القسطلانی انه عز و جل اذا امر بالغیث و سوقه الی ماشاء من الاماکن علمته الملائکة الموکلون به و من شاء سبحانه من خلقه عز و جل.[1]

قسطلانی نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بارش کا حکم دیتا ہے اور جس جگہ چاہتا ہے بادلوں کو بھیج دیتا ہے تو وہ فرشتے جن کے سپرد یہ کام ہے۔ اس کے بارے میں جان لیتے ہیں اور اللہ کی مخلوق میں سے جسے اللہ چاہے وہ بھی جان جاتا ہے۔

قرآن مجید میں مذکور حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے مطابق آپ نے مصر کے قحط زدہ عوام کو خوشحالی کی خبر عطا کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ○ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ○ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ.[2]

یوسف نے کہا تم لوگ دائمی عادت کے مطابق مسلسل سات برس تک کاشت کرو گے۔ سو جو کھیتی تم کاٹو اسے اس کے خوشوں (ہی) میں (ذخیرہ کے طور پر) چھوڑ دینا مگر تھوڑا سا (نکال لینا) جسے تم (ہر سال) کھالو۔ پھر اس کے بعد سات (سال) بہت سخت (خشک سالی کے) آئینگے وہ اس (ذخیرہ) کو کھا جائینگے۔ جو تم ان کیلئے جمع کرتے رہے تھے مگر تھوڑا سا (بچ جائیگا) جو تم محفوظ کرلو گے پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں کو (خوب) بارش دی جائے گی اور

---

[1] روح المعانی، ۲۱: ۱۱۲

[2] یوسف، ۱۲: ۴۷۔۴۹

(اس سال اس قدر پھل ہونگے کہ)
لوگ اس میں (پھلوں کا) رس نچوڑیں
گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے سات سال کی قحط سالی کے بعد ہونے والی بارش اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی شادابی و ہریالی کی خبر پہلے ہی دے دی۔

دلائل مذکورہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ بھی جانتے تھے کہ بارش کب اترے گی؟

۳۔ مافی الارحام کا علم

اللہ تعالیٰ اپنے منتخب بندوں کو یہ علم عطا فرماتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے؟ لڑکا ہے یا لڑکی خوش بخت و نیک بخت ہے یا بد بخت اس کا رنگ و روپ کیا ہے وغیرہ۔

احادیث شاہد ہیں جب انسان کا نطفہ رحم مادر میں ٹھہر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو فیصلہ فرماتا ہے اس کا علم اپنے فرشتے کو دیتا ہے۔

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

يدخل الملك على النطفة بعد ما تستقر في الرحم باربعين او خمسة واربعين ليلة فيقول يا رب أشقي او سعيد فيكتبان فيقول اى رب اذكر او انثى فيكتبان و يكتب عمله و اثره و أجله ورزقه' ثم تطوى الصحف

جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے تو اس کے چالیس یا پینتالیس راتیں بعد وہاں ایک فرشتہ آتا ہے وہ کہتا ہے یا رب! یہ بد بخت ہے یا نیک بخت؟ پس دونوں کے بارے میں لکھ دیا جاتا ہے وہ پھر کہتا ہے اے میرے رب! یہ لڑکا ہے یا لڑکی پس دونوں کے بارے میں لکھا دیا جاتا

فلا یزاد فیها و لا ینقص.[۱]

ہے اور اس کا عمل، اس کا اثر (یعنی جو کچھ وہ اپنے پیچھے چھوڑے گا) اس کی موت اور اس کا رزق لکھ دیتا ہے پھر وہ کتاب بند کر دی جاتی ہے پھر اس میں کمی بیشی نہیں کی جاتی۔

طبرانی کے الفاظ یہ ہیں:

ان الله عز و جل اذا اراد ان یخلق العبد قال الملک یا رب ذکرام انثی فیقول الرب ماشاء یکتب الملک ثم یقول الملک یا رب أشقی ام سعید فیقول الرب ما شاء و یکتب الملک ثم یقول یارب ما هو لاق فیقول الرب ماشآء و یکتب الملک ثم یقول الملک مارزقه فیقول الله ماشاء و یکتب الملک ثم یقول یا رب ما اجله فیقول الربّ ماشاء ویکتب الملک[۲]

اللہ عز و جل جب کسی بندے کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے یا رب! لڑکا یا لڑکی؟ رب تعالیٰ جو چاہتا ہے فرما دیتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے پھر فرشتہ کہتا یا رب! بدبخت یا نیک بخت؟ پس ربِ (کائنات) جو چاہتا ہے فرما دیتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے پھر فرشتہ کہتا ہے یارب! یہ کس کو ملنے والا ہے؟ پس رب (کریم) جو چاہتا ہے فرما دیتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے پھر فرشتہ کہتا ہے اس کا رزق کتنا ہے؟ پس اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فرما دیتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ پھر فرشتہ کہتا ہے یارب! اس کی موت کب

---

[۱] صحیح مسلم، ۲: ۳۳۳، کتاب القدر [۲] المعجم الکبیر ۳: ۱۷۶، رقم الحدیث: ۳۰۴۰

ہوگی؟ تو رب جو چاہتا ہے فرما دیتا اور فرشتہ لکھ لیتا ہے۔

رحم مادر کے علم کے بارے میں دو قرآنی دلائل

۱۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ○ [۱]

(جبریل علیہ السلام نے کہا) میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں (اس لئے آیا ہوں) کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی رحم مادر میں تشریف بھی نہ لائے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو من جانب اللہ اس کا علم عطا کر دیا گیا۔

۲۔ ملائکہ کی زبانی سیدہ سارہ علیہا السلام کے بطن اطہر سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی گئی جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○ [۲]

وہ (فرشتے) بولے آپ اندیشہ نہ فرمائیں اور انہوں نے ابراہیم کو ایک ذی علم لڑکے کی بشارت دی۔

رحم مادر میں ابھی کسی شے کا نام ونشان تک نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کو اس کا علم عطا ہو چکا تھا کہ اس بطن مادر سے اللہ کے نبی حضرت اسحاق علیہ السلام تشریف لانے والے ہیں۔ اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر نوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو دس یا پندرہ سال تھی۔

۱۔ مریم، ۱۹:۱۹ ۲۔ الذاریات، ۲۸:۵۱

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مافی الارحام کی خبر دینا

متعدد احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مافی الارحام کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔

۱- حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

رأیت خیرا تلد فاطمة ان شاء الله غلاما یکون فی حجرک فولدت فاطمة الحسین۔[۱]

تو نے بہتر (خواب) دیکھا انشاء اللہ (میری بیٹی) فاطمہ کے ہاں بیٹا ہوگا جو تیری گود میں رہے گا پس سیدہ فاطمہؓ کے ہاں حضرت حسینؓ پیدا ہوئے۔

۲- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

ان ام الفضل مرت به صلی اللہ علیہ وسلم فقال انک حامل بغلام فاذا ولدتیه فاتنی به قالت فلما ولدته اتیته به فاذن فی اذنه الیمنی و اقام فی اذنه الیسری والباه من ریقه و سماه عبدالله و قال اذهبی بابی الخلفاء قالت فاخبرت العباس فاتاه فذکر له ذلک فقال هو ما اخبرتک هذا ابوالخلفاء حتی یکون منهم

ام الفضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ ایک بیٹے کی ماں بننے والی ہیں جب وہ پیدا ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا۔ حضرت ام الفضلؓ فرماتی ہیں کہ جب میرے ہاں اس کی پیدائش ہوئی تو میں اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمائی اور اپنا لعاب دہن اقدس

---

[۱] مشکوۃ المصابیح: ۵۷۲

السفاح حتى يكون منهم المهدی حتى يكون منهم من يصلی بعيسى بن مريم.[1]

اس کے منہ میں ڈالا اور اس کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا خلفاء کے باپ کو لے جاؤ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عباسؓ سے حضور ﷺ کا ارشاد بیان کیا وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ میں نے (ہی) خبر دی تھی یہ ابوالخلفاء ہوگا حتی کہ اس کی نسل سے سفاح ہوگا اور اس کی نسل سے مہدی ہوگا حتی کہ وہ بھی اس کی نسل سے ہوگا جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ نماز پڑھے گا۔

امام احمد رضا خانؒ اس حدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

فقد علم ﷺ ما فی الرحم و علم ما هو فوق ذلک بکثير علم ما فی صلب ما فی الرحم و علم ما فی صلب من فی صلب ما فی الرحم و علم ما فی صلب من فی صلب من فی صلب ما فی الرحم الی عدة

حضور ﷺ نے وہ جان لیا جو پیٹ میں تھا اور وہ جانا جو اس سے بہت زیادہ ہے، وہ جان لیا جو پیٹ کے بچے کی پشت میں ہے اور وہ جان لیا کہ جو پیٹ کے بچے کی پشت والے کی پشت میں ہے اور وہ جان لیا جو کئی پشت نیچے تک پیٹ کے بچے کے پشت والے، کے پشت والے کی

---

[1] ۱۔ المواهب اللدنيه، ۷: ۲۵۴

۲۔ حجة الله على للعالمين: ۴۸۲،۸۳

مراتب۔ ل پشت میں ہے۔

۳۔ طبرانی اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ام ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے جبکہ ابراہیم ان کے شکم مبارک میں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان جبرئیل اتانی فبشرنی ان فی بطنها منی غلاما و انه اشبه الخلق بی و امرنی ان اسمیه ابراهیم و کنانی بابی ابراهیم۔ ۲	جبریل میرے پاس آئے اور مجھے مژدہ سنایا کہ ماریہ کے پیٹ میں مجھ سے لڑکا ہے وہ تمام مخلوق سے زیادہ مجھ سے مشابہ تر ہے انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اس کا نام ابراہیم رکھوں اور جبریل نے میری کنیت ابوابراہیم رکھی۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کا رحم مادر کی خبر دینا

حضور نبی اکرم ﷺ کا مطلع علی الغیب ہونا تو بڑی بات ہے جو حضور ﷺ کی نگاہ التفات سے فیض یاب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی علم غیب کی خیرات عطا فرماتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

انها قالت ان ابابکر الصدیق کان نحلها جاد عشرین و سقا من ماله بالغابة فلما حضرته الوفاة قال والله یابنیة ما من	آپ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کو غابہ کے مقام پر انہیں کھجور کے چند درخت ہبہ کئے جن سے بیس وسق کھجوریں آتی تھیں جب ان کی

ل الدولة المكية بالمادة الغيبيه: ۱۵۴

۲ ا۔ کنزالعمال، ۱۱: ۴۷۱، رقم الحدیث، ۳۲۲۱۴-۳۲۲۱۶

۲۔ کنزالعمال، ۱۲: ۴۵۳، ۴۵۴، رقم الحدیث، ۳۵۵۵۰، ۳۵۵۵۱

الناس احد احب الی غنی بعدی منک ولا اعز علی فقرا بعدی منک و انی کنت نحلتک جاد عشرین و سقافلو کنت جدیته واختریته کان ذلک و انما هو الیوم مال وارث و انما هما اخواک و اختاک فاقتسموه علی کتاب اللہ قالت عائشه فقلت یا ابت واللہ لو کان کذا و کذا لترکته انما هی اسماء فمن الاخری قال ابوبکر ذو بطن بنت خارجة اراها جاریة۔[1]

وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا اے میری بیٹی دوسرا کوئی نہیں جس کا اپنے بعد غنی ہونا مجھے تم سے زیادہ ہو اپنے بعد مجھے کسی کی مفلسی تمہاری مفلسی سے زیادہ گراں نہیں میں نے تمہیں کچھ درخت دیئے تھے جن سے بیس وسق کھجوریں آتی تھیں اگر تم نے ان پر قبضہ کیا ہوتا تو تمہارے ہو جاتے اب وہ میراث کا مال ہے اور تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں پس سارے مال کو اللہ کی کتاب کے مطابق تقسیم کر لینا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں عرض گزار ہوئی ابا جان خواہ مال کتنا ہی زیادہ ہوتا میں چھوڑ دیتی لیکن میری بہن تو صرف حضرت اسماءؓ ہیں دوسری کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا وہ بنت خارجہ کے پیٹ میں ہے اور میرے خیال میں وہ لڑکی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بنت خارجہ کے ہاں صاحبزادی پیدا ہوئیں جن کا نام ام کلثوم رکھا گیا۔

---

[1] ۱۔ موطا الامام مالک، ۲: ۷۴۵، کتاب الاقضیه

۲۔ تاریخ الخلفاء: ۱۵

۴-آنے والے کل کا علم

آیہ کریمہ میں آنے والے کل کے بارے میں بندوں سے جس علم کی نفی ہے وہ حادثاتی امور کا علم ہے۔ روزانہ کے معمولات (Routine matters) اور طے شدہ پروگرام (Arranged programmes) مراد نہیں۔ ہر شخص آئندہ کل کی منصوبہ بندی (Planning) کرتا ہے، اپنے کاموں کا (Schedule) تیار کرتا ہے۔ اسے ان سب امور کا علم ہوتا ہے مگر اسے اپنے اعمال کے خیر و شر، نفع و نقصان اور سعادت و شقاوت کے اچانک ظاہر ہونے والے پہلوؤں کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ کسی کام میں خیر اور بھلائی خیال کرتا ہے مگر اس کی سوچ کے برعکس اس میں شر اور فتنہ کا عنصر غالب آ جاتا ہے۔ اسی طرح اسے اپنے کاروبار (Business) میں یقین کی حد تک نفع کا علم ہوتا ہے مگر اچانک فیکٹری میں آگ لگنے سے یا جہاز کے سمندر میں غرق ہو جانے سے یا کرنسی (Currency) کی قیمت میں کمی (Devaluation) کے باعث وہ اس نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے جس کا اسے علم نہیں ہوتا۔ آئندہ کل سے مراد زمانہ مستقبل ہے خواہ وہ آئندہ آنے والا لمحہ ہی کیوں نہ ہو۔

قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کو ما کان و ما یکون (گزشتہ و آئندہ) کا علم عطا فرما دیا ہے تو آنے والے کل کی خبر دینا علم مصطفیٰ ﷺ کا ایک جزو ہے۔ اس ضمن میں بے شمار روایات ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ مختلف مقامات پر ہو چکا ہے۔ چند مزید روایات حسب ذیل ہیں:

۱۔ کفار کی قتل گاہوں کی نشان دہی

غزوہ بدر کے موقع پر حضور ﷺ نے مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کے قتل ہونے کی جگہوں کی نشاندہی فرما کر مجاہدین اسلام کے حوصلے بلند فرما دیئے۔ حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب صحابہ کرام بدر کے مقام پر پہنچے وہاں بنی الحجاج قبیلہ کا سیاہ فام لڑکا تھا صحابہ کرام نے اسے پکڑ لیا۔ اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھنے لگے اس نے کہا مجھے ابوسفیان کا علم نہیں لیکن یہ ابوجہل۔ عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف ہیں۔ جب وہ یہ کہتا صحابہ اسے مارتے پھر اس نے کہا ہاں میں تم کو بتاتا ہوں یہ ہے ابو سفیان! پھر جب اسے چھوڑتے اور پوچھتے تو کہتا مجھے ابوسفیان کا پتہ نہیں لیکن یہ ہیں ابوجہل اور عتبہ وشیبہ اور امیہ بن خلف لوگوں میں۔ پھر جب یہ کہتا صحابہ اس کو مارتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی سلام پھیر کر فرمایا' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے' جب یہ لڑکا تم سے سچ کہتا ہے تم اسے پیٹتے ہو اور جب جھوٹ بولتا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هذا مصرع فلان و يضع يده على الارض ههنا و ههنا قال فما ماط احدهم عن موضع يد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم. [1]

یہ فلاں کے (قتل ہو کر) گرنے کی جگہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ (مبارک) اس جگہ رکھ کر فرما رہے تھے یہاں یہاں...... راوی فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے نشان زدکی ہوئی جگہ سے ادھر ادھر نہ گرا۔

ابھی جنگ شروع بھی نہ ہوئی تھی، تلواریں بے نیام ہو کر آپس میں ٹکرائی بھی نہ تھیں۔ کفار ومشرکین مسلمانوں کی شمشیروں کی زد میں بھی نہ آئے تھے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے میدان جنگ کا نقشہ پہلے ہی ملاحظہ فرما لیا اور سرداران قریش میں سے ایک ایک کی قتل گاہ کی نشان دہی فرما دی۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، ۲: ۱۰۲ کتاب الجہاد

و فيه معجزتان من اعلام النبوة احدهما اخباره ﷺ بمصرع جبا برتهم فلم يتعد مصرعه الثانية اخبار ﷺ بان الغلام الذى كانوا يضربونه يصدق اذا تركوه ويكذب اذا ضربوه وكان كذلک فی نفس الامر. [1]

اس حدیث میں حضور ﷺ کے دو معجزوں کا ذکر ہے جو کہ آپ کی نبوت کی نشانیاں ہیں، ایک آپ ﷺ کا ان کے جابر سرداروں کی قتل گاہوں کی خبر دینا کہ کسی نے اپنی قتل گاہ سے تجاوز نہ کیا۔ دوسرا معجزہ آپ ﷺ کا یہ بتانا کہ جس لڑکے کو وہ مار رہے تھے۔ جب اسے چھوڑتے تو وہ سچ بولتا اور جب اسے مارتے تو وہ جھوٹ بولتا اور یہی حقیقت تھی۔'' (سچ کیا تھا اور جھوٹ کیا؟ اس کو صحابہ کرام نہ سمجھ سکے اور آقا علیہ السلام نے واضح فرمادیا یہی غیب بتانا سرکار کا دوسرا معجزہ تھا)

یعنی آپ ﷺ نے جیسے فرمایا ویسے ہی واقع ہوا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یا تو اپنے محبوب ﷺ کو مستقبل میں واقع ہونے والی ہر شے کے بارے میں مطلع فرمادیا تھا یا پھر آپ ﷺ کی زبانِ اقدس تقدیر کی کنجی تھی کہ جو فرمایا ہو کر رہا اور یہ سب کچھ آپ ﷺ کے حسبِ حال، حسبِ شان اور حسبِ مرتبہ ہے۔

۲۔ فتح خیبر کی خوشخبری

حضور ﷺ نے خیبر کے موقع پر ایک روز قبل حضرت علی شیر خدا کے ذریعے مسلمانوں کے فتح یاب ہونے کی خوشخبری دی۔ حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے

---

[1] صحیح مسلم مع نووی، ۲: ۱۰۲

کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاعطين الراية او ليأخذن بالراية غدا رجل يحبه الله و رسوله او قال يحب الله و رسوله يفتح الله عليه فاذا نحن بعلي وما نرجوه فقالوا هذا علي فاعطاه رسول الله ﷺ الراية ففتح الله عليه. ۱

کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا یا وہ شخص جھنڈا پکڑے گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں یا فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالی اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا ہم نے دیکھا تو وہ علی تھے ہم ان کے بارے میں یہ امید نہ کرتے تھے، لوگوں نے کہا یہ علی ہیں تو حضور ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا پس اللہ تعالی نے آپ کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی۔

۳۔ چشمہ تبوک تک پہنچنے کی خبر

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے آنے والے کل کی خبر دی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

انكم ستاتون غدا ان شاء الله تعالى عين تبوك و انكم لن تاتوا بها حتى يضحى النهار فمن جاء فلا يمس من مائها شيا حتى أتي. ۲

کل تم (اسلامی لشکر) تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے اور تم وہاں چاشت سے پہلے نہ پہنچ سکو گے پس جو کوئی پہلے پہنچ جائے تو وہ اس چشمہ کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے یہاں تک کہ میں آ جاؤں۔

---

۱ ا۔ صحیح مسلم، ۲: ۲۷۹، کتاب الفضائل ۲ مسند احمد بن حنبل، ۵: ۲۳۷
۲۔ مشکوۃ المصابیح: ۵۶۳

ان روایات سے واضح ہے کہ حضورﷺ کو مافی الغد (کل کیا ہوگا) کا علم بھی عطا ہوا ہے۔

۵۔ جائے وفات کا علم

کسی کی موت زمین کے کس حصے میں واقع ہوگی، سمندر میں خشکی پر یا پہاڑوں میں اس کا ذاتی اور بلا واسطہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ سورۃ لقمان کی آیت سے بھی یہی مراد ہے لیکن آیت مذکورہ میں اس علم کے عطا کئے جانے کی نفی نہیں گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبﷺ کو یہ علم عطا فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کے حوالے سے ارشاد ربانی ہے:

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ○[۱]	فرما دیجئے تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام جان قبض کرنے پر مامور ہیں لہٰذا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علم حاصل ہے کہ کون کس جگہ مرے گا؟ تو حضورﷺ کا علم تو حضرت عزرائیل علیہ السلام کے علم سے کہیں بیشتر ہے۔

حضورﷺ کا علم مافی الغد متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ صحیح مسلم کی روایت جو پہلے گزر چکی ہے کے مطابق آپﷺ نے بدر میں سرداران قریش کے مرنے کی جگہ کے بارے میں جنگ شروع ہونے سے ایک روز قبل اپنے جانثاروں کو خبر دے دی تھی۔ آپﷺ نے فرمایا تھا:

ذا مصرع فلان.[۲]	یہ فلاں کے (قتل ہو کر) گرنے کی جگہ

---

[۱] السجدہ، ۳۲ : ۱۱

[۲] صحیح مسلم، ۲ : ۱۰۲ کتاب الجہاد

ہے۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے ایک ایک سردار کا نام لے کر اپنے ہاتھ مبارک سے اس کے مرنے کی جگہ کی نشاندہی فرما دی۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

و یضع یدہ علی الارض ھھنا ھُھُنا.[۱] اور آپ ﷺ اپنا ہاتھ مبارک زمین پر رکھ کر فرما رہے تھے یہاں یہاں

امورِ خمسہ کی نسبت ایک مغالطے کا ازالہ

جدید سائنس (Modern Science) بالخصوص میڈیکل سائنس (Medical Science) کی ترقی کے پیش نظر بعض ذہنوں میں یہ مغالطہ پایا جاتا ہے کہ آیت مذکورہ میں جن پانچ امور کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کا علم اللہ تعالی کے سوا کسی کو حاصل نہیں وہ جدید سائنس سے متصادم ہیں کہ ان میں سے بعض امور مثلاً ماہرین طب چند ماہ کے حمل کے بعد ٹیسٹ کے ذریعے جان لیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا کہ لڑکی، صحت مند و توانا ہے یا بیمار، اسی طرح موسمیات کے معلوماتی ادارے (Meteorological Offices) بارش کے بارے میں پیشگی خبر دے دیتے ہیں۔

وہ تمام امور جن میں اللہ تعالی نے فقط اپنے لئے علم غیب کا اثبات کیا ہے، ان پر ایمان ازبس ضروری ہے لیکن اگر آج کی سائنسی ترقی اور ارتقاء کی بدولت ان میں سے کچھ باتوں کے بارے میں جان لینا ممکن ہوگیا ہے جو اس سے پہلے ممکن نہیں تھا تو یہ بات قرآن کی حقانیت کے خلاف نہیں اور نہ ہی اس سے آیت مذکورہ سے متعارض صورتحال پیدا ہوتی ہے کیونکہ آیت کا مقصد اثباتِ علم الٰہی ہے نہ کہ اس بات کی نفی کہ کوئی انسان مذکورہ امور میں سے کسی کے بارے میں مطلقاً جان ہی نہیں سکتا۔

---

[۱] صحیح مسلم، ۲: ۱۰۲ کتاب الجهاد

ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں کہ علم غیب ذاتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور عطائی مخلوق کی صفت ہے، یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ غیب کا اطلاق صرف اس علم پر ہوگا جو بذریعہ وحی یا الہام حاصل ہو، اس میں کسی مادی ذریعے جیسے عقل، حواس خمسہ، استنباط و استخراج اور استدلال وغیرہ کا سرے سے کوئی دخل نہ ہو اور جو علم کسی مادی ذریعے اور واسطے سے حاصل ہو اس پر علمِ غیب کا اطلاق درست نہیں۔ علم نبوت الوہی ذریعے سے حاصل ہونے کی بنا پر حتمی و قطعی ہوتا ہے اور اولیاء کو بعض غیبی امور پر بواسطۂ رسالت و نبوت مطلع کیا جاتا ہے، ان کا علم چاہے واقعہ کے مطابق بھی کیوں نہ ہو اسے حتمی و قطعی نہیں کہا جائے گا۔

اس کے برعکس جو علم کسی مادی ذریعے عقل و استنباط اور استدلال و استخراج کے ذریعے حاصل ہوگا اس میں خطاء اور یقین و عدم یقین کی کیفیت موجود رہے گی لہٰذا اس اعتبار سے اسے علم ظنی کہا جائے گا اور بعض علماء کے نزدیک تو اس پر علم کا اطلاق بھی درست نہیں کیونکہ علم یقین کا نام ہے اور جس امر میں تشکیک کا پہلو پایا جائے اسے علم نہیں کہا جا سکتا۔

امام عینیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

و اماظن الغیب فقد یجوز من المنجم وغیرہ اذا کان غیر امر عادی و لیس ذلک بعلم.[۱]	غیب کی باتوں کا ظنی علم ماہرین علم نجوم وغیرہ کے لئے جائز ہے اگرچہ وہ امور عادیہ سے ہٹ کر ہو مگر وہ علم (غیب) نہیں۔

ماحصل کلام یہ ہے کہ ماہرین طب کا چند ماہ کے حمل کے بعد یہ بتا دینا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور علی ہذا القیاس ماہرین موسمیات کا پیشگی خبر دینا کہ بارش کب ہوگی۔ ان

---

[۱] عمدة القاری، ۱: ۲۹۰

دونوں امور پر غیب کا اطلاق ہی نہیں ہوتا کیونکہ ماہرین طب طبی آلات مثلاً الٹرا ساؤنڈ (Ultra sound) اور سکیننگ مشینوں (Scanning Machines) کے ذریعے جنین (Foetus) کی جنس اور حالت (Condition) کے بارے میں جان لیتے ہیں اسی طرح ماہرین موسمیات فضائی آلات بیرومیٹر وغیرہ کے ذریعے ہوا میں نمی کی مقدار اور اس کے رخ وغیرہ کو دیکھ کر بارش کی خبر نشر کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان دونوں میں غلطی کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے۔

کتابیات

نمبر شمار	کتاب	مصنف	پبلیشر
۱	القرآن الکریم	منزل من اللہ	
۲	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ، ۲۵۶ھ	کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ
۳	صحیح البخاری (مرقم)	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ، ۲۵۶ھ	بیروت، دار القلم، ۱۹۸۱ء
۴	صحیح مسلم	امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیریؒ، ۲۶۱ھ	کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ
۵	صحیح مسلم (مرقم)	امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیریؒ، ۲۶۱ھ	بیروت، احیاء التراث العربی
۶	جامع الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ، ۲۷۹ھ	لاہور، فاروقی کتب خانہ
۷	جامع الترمذی (مرقم)	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ، ۲۷۹ھ	بیروت، احیاء التراث العربی
۸	سنن ابی داوٗد	امام ابوداوٗد سلیمان بن اشعث، ۲۷۵ھ	بیروت، احیاء التراث العربی
۹	سنن النسائی	امام احمد بن شعیب النسائیؒ، ۳۰۳ھ	کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی
۱۰	سنن النسائی (مرقم)	امام احمد بن شعیب النسائیؒ، ۳۰۳ھ	بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء
۱۱	سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید القزوینیؒ، ۲۷۳ھ	کراچی، قدیمی کتب خانہ
۱۲	سنن ابن ماجہ (مرقم)	امام محمد بن یزید القزوینیؒ، ۲۷۳ھ	بیروت، احیاء التراث العربی
۱۳	موطا امام مالک	امام مالک بن انسؒ، ۱۷۹ھ	لاہور، مطبع مجتبائی
۱۴	مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبلؒ، ۲۴۱ھ	بیروت، دار الفکر، ۱۳۹۸ء
۱۵	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمیؒ، ۲۵۵ھ	ملتان، نشر السنہ
۱۶	السنن الکبریٰ	امام احمد بن حسین البیہقیؒ، ۴۵۷ھ	ملتان، مکتبہ نشر السنہ
۱۷	شرح السنۃ	حسین بن مسعود البغویؒ، ۵۱۶ھ	بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۹۸۳ء
۱۸	صحیح ابن حبان	علاؤالدین بن بلبان الفارسیؒ، ۷۳۹ھ	بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۲ھ

پبلیشر	مصنف	کتاب	نمبر شمار
بیروت، دار الفکر	امام علی بن حسام الدین الہندی، ۹۷۵ھ	کنز العمال	۱۹
بیروت، مکتبہ اسلامی، ۱۳۹۸ھ	امام محمد عبد اللہ حاکم نیشا پوری، ۴۰۵ھ	مستدرک للحاکم	۲۰
بیروت، دار الکتب العلمیہ	امام محمد عبد اللہ حاکم نیشا پوری، ۴۰۵ھ	مستدرک للحاکم (مرقم)	۲۱
بیروت، دار المعرفۃ	امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، ۳۱۲ھ	مسند ابی عوانة	۲۲
کراچی، المجلس العلمی، ۱۹۶۳ء	حافظ ابو بکر عبد اللہ بن زبیر الحمیدی، ۲۱۹ھ	مسند الحمیدی	۲۳
بیروت، دار صادر، ۱۳۳۳ء	امام ابو جعفر الطحاوی، ۳۲۱ھ	مشکل الآثار	۲۴
کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی	شیخ ولی الدین تبریزی، ۷۴۲ھ	مشکوة المصابیح	۲۵
بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۴ء	شیخ ولی الدین تبریزی، ۷۴۲ھ	مشکوة المصابیح (مرقم)	۲۶
کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم	امام عبد اللہ بن ابی شیبہ، ۲۳۵ھ	مصنف ابن ابی شیبة	۲۷
عراق، موصل مطبعہ الزہراء الحدیثیہ	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی، ۳۶۰ھ	المعجم الکبیر	۲۸
ریاض، مکتبہ معارف، ۱۹۸۸ء	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی، ۳۶۰ھ	المعجم الاوسط	۲۹
بیروت، دار المعرفۃ، ۱۳۹۱ء	امام جلال الدین سیوطی، ۹۸۱ھ	الجامع الصغیر	۳۰
مصر، مطبعہ مصطفی البابی	ناصر الدین عبد اللہ بن عمر البیضاوی، ۶۸۵ھ	انوار التنزیل و اسرار التاویل	۳۱
بیروت، احیاء التراث العربی	امام ابی سعود محمد العمادی، ۹۵۱ھ	تفسیر ابی السعود	۳۲
	ملا جیون	تفسیرات الاحمدیه	۳۳
کراچی، تاج کمپنی	جلال الدین محلی، جلال الدین سیوطی	تفسیر الجلالین	۳۴
لکھنو، مطبع نولکشور	ملا حسین واعظ	تفسیر حسینی	۳۵
کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ، ۱۹۸۵ء	امام اسماعیل حقی، ۱۱۳۷ھ	تفسیر روح البیان	۳۶
دہلی، دار الکتب لال کنواں	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، ۱۲۳۹ھ	تفسیر عزیزی	۳۷

نمبر شمار	کتاب	مصنف	پبلشر
۳۸	تفسیر القرآن العظیم	حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیرؒ، ۷۷۴ھ	بیروت، ادارہ اندلس، ۱۳۸۵ھ
۳۹	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین رازیؒ، ۶۰۶ھ	بیروت، دار الفکر، ۱۳۹۸ھ
۴۰	التفسیر المظھری	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ، ۱۲۲۵ھ	کوئٹہ، بلوچستان بکڈپو
۴۱	تفسیر المنار	علامہ محمد رشید رضا، ۱۳۵۴ھ	بیروت، دار المعرفۃ
۴۲	الجامع لاحکام القرآن	ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ، ۱۲۷۳ھ	بیروت، دار الاحیاء التراث العربی
۴۳	حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین	الشیخ احمد الصاویؒ، ۱۲۴۱ھ	قاہرہ، مطبعہ الاستقامہ، ۱۹۵۶ء
۴۴	روح المعانی	امام شہاب الدین آلوسیؒ، ۱۲۷۴ھ	بیروت، دار الاحیاء التراث العربی
۴۵	زاد المسیر	عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ، ۵۹۸ء	بیروت، مکتب الاسلامی
۴۶	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ، ۱۲۵۰ھ	مصر، مطبعہ مصطفی البابی
۴۷	الفتوحات الالھیہ	سلیمان بن عمر عجیلیؒ، ۱۲۰۴ھ	بیروت، دار الفکر
۴۸	الکشاف	امام جاداللہ زمخشری، ۵۲۸ھ	بیروت، دار الکتاب العربی
۴۹	لباب التاویل فی معانی التنزیل	امام علی بن محمد الخازنؒ، ۷۶۵ھ	بیروت، دار المعرفۃ
۵۰	مدارک التنزیل	امام عبداللہ احمد نسفیؒ، ۷۱۰ھ	بیروت، دار احیاء التراث العربی
۵۱	المیزان فی تفسیر القرآن	سید محمد حسین طباطبائی	ایران، موسسہ اسماعیلیان
۵۲	البیان	علامہ احمد سعید کاظمیؒ	ملتان، کاظمی پبلیشر
۵۳	فیوض القرآن	ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی (مترجم)	لاہور، فیروز سنز
۵۴	کنز الایمان	امام احمد رضا خان بریلویؒ	لاہور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز
۵۵	اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ	شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ، ۱۰۵۲ھ	لکھنؤ، مطبع نولکشور
۵۶	شرح نووی	امام محی الدین نوویؒ، ۶۷۶ھ	بیروت، دار الاحیاء التراث العربی

نمبر شمار	کتاب	مصنف	پبلیشر
۵۷	العرف الشذی	علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ ۱۳۵۲ھ	سہارنپور، مکتبہ رحیمیہ
۵۸	عمدۃ القاری	امام بدرالدین عینیؒ، ۸۵۵ھ	بیروت، دارالفکر
۵۹	فتح الباری	احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ، ۸۵۶ھ	لاہور، دار نشر الکتب الاسلامیہ
۶۰	مرقاۃ المفاتیح	ملا علی قاری، ۱۰۱۴ھ	ملتان، مکتبہ امدادیہ
۶۱	الجواهر البحار	علامہ یوسف بن اسماعیل النبھانی، ۱۳۵۰ھ	بیروت، دارالکتب العلمیہ
۶۲	حجة الله العالمين	علامہ یوسف بن اسماعیل النبھانی، ۱۳۵۰ھ	فیصل آباد، مکتبہ نوریہ رضویہ
۶۳	الخصائص الكبرىٰ	امام عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطیؒ، ۹۱۱ھ	لاہور، مکتبہ النبویہ رضویہ
۶۴	دلائل النبوة	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی، ۴۳۰ھ	بیروت، دارالکتب العلمیہ
۶۵	دلائل النبوة	امام احمد بن الحسین البیہقی، ۴۵۷ھ	بیروت، دارالکتب العلمیہ
۶۶	الروض الانف	امام عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلیؒ، ۵۸۱ھ	پاکستان، مکتبہ فاروقیہ
۶۷	زادالمعاد	امام ابن قیم الجوزیہ، ۷۹۱ھ	بیروت، موسسہ الرسالہ
۶۸	شرح زرقانی علی المواهب اللدنيه	امام محمد بن عبدالباقی الزرقانیؒ، ۱۱۲۲ھ	بیروت، دارالمعرفۃ
۶۹	شرح زرقانی علی المواهب اللدنيه	امام محمد بن عبدالباقی الزرقانیؒ، ۱۱۲۲ھ	بیروت، دارالکتب العلمیہ
۷۰	سبل الهدىٰ والرشاد	محمد بن یوسف صالحی الشامی، ۹۴۲ھ	بیروت، دارالکتب العلمیہ
۷۱	السيرة الحلبيه	امام علی بن برہان الدین الحلبیؒ، ۱۰۴۴ھ	بیروت، مکتبہ اسلامیہ
۷۲	شرح الشفا	امام سلطان بن علی قاریؒ، ۱۰۱۴ھ	قاہرہ، مصر
۷۳	الشفا بتعريف حقوق المصطفىٰ	قاضی عیاض بن موسیٰؒ، ۵۴۴ھ	بیروت، دارالکتب العربی، ۱۹۸۴ء
۷۴	المواهب اللدنيه	امام احمد بن محمد القسطلانیؒ، ۹۱۱ھ	بیروت، دارالمعرفۃ، ۱۹۷۳ء

نمبر شمار	کتاب	مصنف	پبلیشر
۷۵	نسیم الریاض فی شرح الشفاء	مولانا احمد شہاب الدین خفاجی مصری، ۱۰۶۹ھ	مدینہ منورہ، مکتبہ
۷۶	تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی، ۹۱۱ھ	لاہور، مکتبہ مدینہ
۷۷	قصص الانبیاء	الحافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی، ۷۷۴ھ	بیروت، دار الخیر
۷۸	خالص الاعتقاد	امام احمد رضا خان بریلویؒ، ۱۳۴۰ھ	لاہور، حامد اینڈ کمپنی
۷۹	الدولة المكية بالمادة الغيبيه (مترجم)	امام احمد رضا بریلویؒ، ۱۳۴۰ھ	کراچی، مکتبہ رضویہ
۸۰	كتاب النبوة	امام ابن تیمیہ، ۷۲۸ھ	
۸۱	الكلمه العليا لاعلاء علم المصطفیٰ	سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، ۱۳۶۷ھ	سیالکوٹ، قادری کتب خانہ
۸۲	النبراس	سعد الدین تفتازانی، ۷۹۱ھ	لاہور، ملک دین محمد اینڈ سنز
۸۳	الاحكام فی اصول الاحكام	حافظ علی بن حسن اندلسیؒ، ۴۵۶ھ	فیصل آباد، ضیاء السنہ
۸۴	المستصفی	امام ابو حامد محمد الغزالی، ۵۰۵ھ	قم، منشورات الرضی
۸۵	الابریز	عبدالعزیز الدباغ	مصر
۸۶	حلية الاولياء	حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، ۴۳۰ھ	بیروت، دار الکتاب العربی
۸۷	المنقذ من الضلال	امام ابو حامد محمد الغزالی، ۵۰۵ھ	لاہور، اوقاف حکومت پنجاب
۸۸	اليواقيت والجواهر	علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ، ۹۷۳ھ	مصر، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی
۸۹	التفهيمات الالهيه	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، ۱۱۷۶ھ	حیدرآباد، شاہ ولی اللہ اکیڈمی
۹۰	الاتقان	امام جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی، ۹۱۱ھ	مصر، مطبعہ مصطفیٰ البابی
۹۱	البرهان فی علوم القرآن	امام بدر الدین الزرکشی، ۷۹۴ھ	بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۰ء
۹۲	علوم القرآن الكريم	ڈاکٹر نور الدین عتر	دمشق، مطبعہ الصباح
۹۳	قانون التاويل	قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ اشبیلی، ۵۴۳ھ	دمشق، موسسہ علوم القرآن

نمبر شمار	کتاب	مصنف	پبلیشر
۹۴	مناهل العرفان	علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی	بیروت، دار قتیبہ
۹۵	تاج العروس	علامہ سید محمد مرتضی زبیدی، ۱۲۰۵ھ	مصر المطبعہ الخیریہ
۹۶	التعریفات	سید شریف علی بن محمد جرجانی، ۸۱۶ھ	بیروت، عالم الکتب
۹۷	قاموس القرآن	حسین بن محمد دامغانی، ۴۰۰ھ	بیروت، دار العلوم للملایین
۹۸	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، ۷۱۱ھ	بیروت، دار الاحیاء
۹۹	المفردات	علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، ۵۰۲ھ	ایران، المکتبہ المرتضویہ
۱۰۰	المنجد	لوئیس معلوف	ایران
۱۰۱	دائرہ معارف اسلامیہ	پنجاب یونیورسٹی لاہور	لاہور ۱۹۸۰ء
۱۰۲	Enyclopedia of Philosophy	Paul Edwards	MacMillan,NY
۱۰۳	The Bible,The Quran & Science	Maurice Bucaille	